

فتاویٰ اکبر الہدی

امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ

مفتی رشید احمد علی

فتہ اکبر و البسط

مفتی

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ

بجانب

امام ابو اسحاق محمد بن ابی حنیفہ رحمہ اللہ

امام ابو حنیفہ محمد بن ابی حنیفہ رحمہ اللہ

مفتی و امام

مفتی رشید احمد انصاری



مفتی محمد امجد علی سندھی اردو بازار، دہلی فون : 042-7361339

Flugh Akbar o Akbarat
By
Imam Abu Hanifa

Talqeeq o Tarjuma
By
Muhammad Saad Ali Azmi
ISBN: 978-99-5753-55-2

ضابطہ

فخاکبر وابط	ہم کتاب
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ	تصنیف
مفتی رشید احمد اعظمی	ترجمہ و تحقیق
یکم رمضان ۱۴۳۳ھ	سال اشاعت
محمد یحیٰی درانی	ہشر
جلیل حسینی	سرورق
ہمیں کچھ رنگ سنٹر، موصوفہ روڈ لاہور	کچھ رنگ
اشفاق اے حقائق پریس لاہور	سلع
۳۵۵ روپے	قیمت

بہارِ احیاء محمد جلال درانی
 علامہ طارق مصطفیٰ (انجیو کونسلٹی کورٹ) قانونی مشیر

انتساب

حضرت امام سیدنا و مرشدنا امام احمد و مراجع الامه
الاحضیه نعمان بن ثابت کوفی کا بی رحمہم اللہ

فہرست شمولات

☆	مرضی ناشر	۹
☆	حرف چہ	۱۱
☆	پہلا حصہ:	۱۷
	مقدمہ کتاب از مولانا محمد رفیع خاں صاحب رحمہ اللہ علیہ	
☆	دوسرا حصہ:	۳۷
	فہرست محتویات چہاں ہم اور بنیادی باتیں	
	پہلا باب: امام مہتمم کے مختصر احوال	۳۹
	باب دوم: شیخ الاسلام، ابو جاسم، ابن الامام ابو حنیفہ، امام حاد و رحمہم اللہ	۶۲
	کے مختصر حالات زندگی	
	باب سوم: امام ابو مطیع حکیم بن عبد اللہ بن علی کے حالات و افکار	۷۲
	شروع الفقہ الاوسط	۸۶
	باب چہارم: علم حقاہد کے محتویات و بنیادی امور	۸۸
☆	تیسرا حصہ:	۱۰۳
	فہرست کتب کے لئے اعتراضات کا طبعی جائزہ	
	مقدمہ	۱۰۵
	کیا فقہ اکبر امام صاحب کی تفسیر ہے	۱۱۰
	فہرست کتب اعتراضات اور جوابات	۱۳۸
	پانچویں اعتراض: مسئلہ عمارت کی عدم دستیابی	۱۷۹
	چھٹا اعتراض: مسئلہ ایمان والدین مصطفیٰ رحمہ اللہ علیہ	۱۸۹

۱۹۶ ساتواں اعتراض: فقہ اکبر کی تفسیر کا مسئلہ

۱۹۹ آٹھواں اعتراض: فلسفیانہ الفاظ کے استعمال کا مسئلہ

۲۰۱ قول فیصل

۲۰۲ ☆ چوتھا حصہ

اُردو ترجمہ علامہ الاکبر

۳۰۵ باب اول: اہل سنت والجماعت کے اجمالی عقائد کا بیان

۳۰۷ باب دوم: اہل سنت والجماعت کے تفصیلی عقائد کا بیان

۳۱۱ باب سوم: اللہ تعالیٰ کے کلام کے بارے میں عقائد

۳۱۳ باب چہارم: اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں عقائد

۳۱۶ باب پنجم: عقائد کلمات میں اللہ تعالیٰ کی طرف تغویض کا بیان

۳۱۸ باب ششم: اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہدایت اور تخلیق کا بیان

۳۲۱ باب ہفتم: ایمان اور کفر کی حقیقت اور انسانوں کی تخلیق

۳۲۵ باب ہفتم: انسانوں کے افعال کی حقیقت کا بیان

۳۲۶ باب ہجیم: انبیاء اور اولیاء اور صحابہ کرام کے بارے میں عقائد

۳۲۸ باب دہم: مسلمانوں پر اور ان کے گناہوں کے اثرات کا بیان

۳۲۹ باب یازدہم: سوز و دل پر مسکندہ مصائب میں ترویج کے بارے میں عقائد

۳۳۳ باب دوازدہم: نفل ایمان پر ایمان کے ایمان اور گناہوں کے اثرات کا بیان

۳۳۹ باب سیزدہم: معجزات کرامات اور استعراجات

۳۴۱ باب چہار دہم: مذہبیت، باری اور مسئلہ تشبیہ و انتہائی کا بیان

۳۵۶ باب پانزدہم: ایمان کی حقیقت اور اہل ایمان کی برابری کا بیان

۳۵۸ باب شانزدہم: اللہ تعالیٰ کی معرفت کا بیان اور اس سے حقیقت عقائد

۳۶۶ باب سترہم: انبیاء و صلوات کی شفاعت کا بیان

۳۶۴ باب ہشت دہم: جنت اور دوزخ کے دوام کا بیان

- ۲۶۳ باب نوزدہم: انسانوں کی جماعت اور ان کی گمراہی کا بیان
- ۲۶۵ باب ہشتم: قبر اور اس کے لوازمات کا بیان
- ۲۷۰ باب سبب دہم: عربی زبان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے سارے صفات کا بیان
- ۲۷۲ باب سبب دہم: حقیقت قرآن اور آیات کی فضیلت کا بیان
- ۲۷۴ باب سبب دہم: رسول اللہ کے والدین اور ولادت کا بیان
- ۲۷۹ باب سبب و چہارم: عقائد میں تفویض کا راستہ اختیار کرنے کا بیان
- ۲۸۲ باب سبب و پنجم: معراج نبوی کا بیان
- ۲۸۳ باب سبب و ششم: علامات قیامت و نزول مسیح علیہ السلام
- ۲۸۵ ☆ پہنچو فی حصہ
- نام خدا کی روایت کردہ فہرست کتب و ابواب کا ترجمہ و تخریج
- ۲۸۷ مقدمہ مترجم
- ۲۹۰ باب اول: علم فقہ کی اہمیت و عظمت کا بیان
- ۲۹۲ باب دوم: فہم اور دلائل کی اور اس کی حقیقت
- ۲۹۵ باب سوم: ایمان کی حقیقت اور اس کی علامات
- ۲۹۹ باب چہارم: عقائد سے لاطمی، جہالت یا اس میں شک متداول کا کاشک ہونا
- ۳۰۳ باب پنجم: دار الحرب یا دار الکفر میں ایمان لانے کا حکم
- ۳۰۴ خلاصہ مباحث ایمان
- ۳۰۷ باب ششم: اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور مشیت کا بیان
- ۳۱۱ باب ہفتم: توفیق عمل، متوجہ عمل میں توفیق
- ۳۱۵ باب ہفتم: اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت کا بیان
- ۳۱۹ باب پنجم: تقدیر باری اور امر معروف و نہی مکر
- ۳۲۲ باب دہم: خوارج اور ان کے عقائد کا بیان
- ۳۲۵ باب یازدہم: متداول یا فکار سے غلط کام کرنے کا حکم

- ۳۲۷ باب دوازدهم: کافر کے کفر کی کیا حدود ہیں؟
- ۳۲۸ باب یزدہم: ایمان کی حقیقت پر حضرت معاذ اور ابن مسعود کی حدیث
- ۳۲۹ باب چہارم: اپنے یا کسی زعمہ شخص کے بارے میں دعائے جنت یا جہنم کرنا
- ۳۳۰ باب پانزدہم: ایمان پر معاصی کے اثرات
- ۳۳۱ باب شانزدہم: ایمان و عمل کا تعلق اور اس پر گناہ کے اثرات
- ۳۳۲ باب ہفتدہم: مسئلہ استوی علی العرش کی حقیقت
- ۳۳۳ باب بیودہم: ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت اور انقلاب
- ۳۳۴ باب نوزدہم: خدا پر قہر اور اس کا ٹھکانہ
- ۳۳۵ باب ہستم: متاؤلین کون ہیں اور ان کا کیا حکم ہے
- ۳۳۶ باب ہستم و یکم: اہل ملت والجماعت اور اہل بدعت کی ملامت کا حکم
- ۳۳۷ باب ہستم و دوم: کتاب اللہ اور کلام اللہ کی حقیقت
- ۳۳۸ باب ہستم و سوم: اللہ تعالیٰ کی حیثیت، رضامند اور اس کے امر کی حقیقت
- ۳۳۹ باب ہستم و چہارم: خدا پر کی وجہ حیثیت باری ہے یا رضائے خداوندی
- ۳۴۰ باب ہستم و پنجم: تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیدا کی ہیں
- ۳۴۱ باب ہستم و ششم: ایمان اور گناہ کا تعلق اور مومنین کی تکفیر
- ۳۴۲ باب ہستم و سابع: ایمان میں شک کی حقیقت اور اس کا حکم
- ۳۴۳ باب ہستم و ثامن: جنت اور دوزخ کے بارے میں
- ۳۴۴ باب ہستم و نهم: اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا بیان
- ۳۴۵ باب سیم: ایمان کا مستقر کہاں ہے؟
- ۳۴۶ باب سی و یکم: اللہ تعالیٰ پر بندوں کا اور بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق
- ۳۴۷ باب سی و دوم: سب کچھ حیثیت اور خدا کی مرضی سے ہوتا ہے
- ۳۴۸ باب سی و سوم: اللہ تعالیٰ اپنے اہل میں عادل اور حکیم ہیں
- ۳۴۹ کتابیات:

عرض ناشر

امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے امام اور مقتدی تھے۔ ان کے علوم نے ایک دنیا کو متاثر کیا۔ ان کے افکار، آراء اور علوم کا بے پناہ ذخیرہ قدیم کتب فقہ و حدیث اور کلام و عقائد میں پوشیدہ ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ ان علوم میں آپ کا کیا مقام و مرتبہ تھا۔ آپ کے اقوال تفسیر قرآن مجید کے رموز و محاضرات تک شناسائی کا ذریعہ ہیں تو کتب کلام و عقائد و دین کی حقانیت اور صداقت پر دلائل ہیں اور عقائد صحیحہ کی خبر بھی دیتے ہیں۔ ان کی آراء فقہ و فرائض کی راہوں پر صراطِ مستقیم کی خبر دیتی ہیں اور ان کی مروی احادیث ہمیں رسولِ صادق و امین کے حرائج، رویے، احکام اور پسند و ناپسند سے آگاہ کرتی ہیں۔ کتنی ہی باتیں ہیں جو ہمیں حضرت امام کی معرفت رسول اکرم کی معرفت دیتی ہیں۔ اس لیے حضرت امام پر علمی کام ہمارے عہد کے لیے ہی نہیں بلکہ ہر بد کے لیے ضروری رہا ہے۔

ملاوہ انہیں اہمات کتب کے ذریعے حضرت امام سے باخبر رہے ہیں اور کم فہموں کو ہم اور کم علموں کو علم عطا کرتے رہے ہیں۔ ہمارا عہد کتاب کا عہد ہے۔ ہر شخص براہِ راست کتاب سے مستفید ہونے کا خواستگار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام پر اُردو زبان میں سلیس کتب کی ضرورت و اہمیت آج کے عہد میں ہر عہد سے زیادہ ہو گئی ہے۔

برادر عزیز مطلق رشید احمد علوی حضرت امام کے علوم کے مجیدہ طالب علم ہیں۔ انہوں نے بہت محنت سے حضرت امام کے علم کلام پر کام کیا ہے۔ لیکن انہیں علامات اہل سنت میں

فخاکبرہ اہل ————— ۱۰

حضرت الامام کے وصایہ کو منع ترجمہ نہیں کیا تھا۔ اس کتاب میں آپ نے حضرت الامام کے
فذاکبر کے مختلف نسخوں کو پیش کیا ہے اور ان پر اہل علم کے نظریات سے بحث کی ہے۔ امید
ہے یہ کتاب نفع للناس ہوگی اور ہماری مطہرت کا ذریعہ بھی۔
اللہ تعالیٰ ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے۔

والسلام

محمد ریاض درانی

جامع مسجد پائنت ہائی سکول وحدت روڈ لاہور

یکم رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ

حرف چند

حضرت امام ابوحنیفہ کرام کرہی نعمان بن ثابت ثقات امت مسلمہ کے عظیم فقیہ اور امام تھے۔ حضرت الامام کا سال پیدائش ۶۰ھ، ۷۰ھ اور ۸۰ھ بیان کیا جاتا ہے۔ یہی وہ دور تھا جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی اصحاب و رفقاء زندہ سلامت موجود تھے اور مملکت اسلامیہ کے بڑے شہروں میں مربع خلافت پہنے ہوئے تھے۔ لوگ حج اور عمرہ کے موقع پر مکہ و مدینہ و احما اللہ شرفا ان کی زیارت سے مشرف ہوتے اور دل و نگاہ کو معطر و مستعیر کرتے تھے۔ حضرت امام انہی خوش نصیبوں میں شامل تھے جنہوں نے اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت کی اور ان کے اقوال و فرائض سماعت فرمائے۔ ایسے خوش نصیبوں کو تابعی کہا جاتا ہے۔ آپ تابعی حلیم کیے جاتے ہیں۔ ہلکے علم اس بات پر متفق ہیں کہ آپ نے رسول اکرم و اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کہار رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے بعض کی زیارت بھی کی اور ان سے روایت بھی کی۔ ہم تک مستند ذرائع سے ایسی جس احادیث پہنچی ہیں جن کو آپ نے براہ راست اصحاب رسول سے روایت کیا۔

حضرت امام ابوحنیفہ کی امت میں شہرت بطور فقیہ کے ہے۔ آپ نے نصوص سے مسائل کا استنباط کیا اور امت کے لیے آسانیاں پیدا کیں۔ آپ کے مسائل کو آپ کے شاگردوں نے مدون کیا اور آپ کے علوم کو آنے والی نسلوں تک منتقل کیا۔ اس سلسلے میں آپ کے شاگردوں اور آپ کی مجلس فقہ کے سیکرٹری حضرت امام محمد کا کارنامہ خاص ہمیشہ یادگار رہے گا۔ ان کے علاوہ آپ کے دیگر محدثہ نے بھی اپنی تالیفات میں آپ کے مسائل کو مدون کیا اور آپ کی تحقیقات کو محفوظ فرمایا۔

امت مسلمہ کے ابتدائی عہد میں موجودہ دور کی طرح تصنیف و تالیف کا رواج نہ ہوا تھا۔ اُس عہد کے بزرگوں کی تصانیف و تالیفات کی اشاعت کا یہ طریقہ تھا کہ وہ اکابر اپنی تحقیقات اپنے شاگردوں کے سامنے پیش کرتے اور وہ اپنے اساتذہ کی تحقیقات کو روایت کرتے تھے۔ امت مسلمہ میں مروج عظیم تصانیف و تالیفات اسی انداز میں شائع ہوئیں۔ آج ان کتابوں کو شاگردوں کے نام کی بجائے اساتذہ کے ناموں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ مسند امام احمد بن حنبل ہو یا موطا امام مالک ہو یا صحیح بخاری یہ لوہوں کی معرفت ہی ہم تک پہنچی ہیں۔ اُس زمانے میں کتب کی اشاعت کا یہی انداز تھا۔ یہ بعد کی بات ہے کہ مصنف خطبہ کتاب سے رحمت بالغیر تک اپنے قلم سے لکھتا تھا اور ہر نکتے کو ترجمہ بھی لکھتا تھا۔ ایک مدت یہی طریق مروج رہا۔ ہمارے اکابر اسی انداز میں اپنی تصانیف یا تحقیقات اپنے شاگردوں پر پیش کرتے تھے جو ان کی آئندہ اشاعت کا سر و سامن کرتے۔

تصنیف کا ایک اور انداز امالی کا تھا۔ اکابر اہل علم اپنے حلافہ کو دو زبان تدریس اپنے تحقیقات علیہ پیش کرتے اور حلافہ اپنے استاد کے لہلی لکھ کر آئندہ نسلوں تک پہنچاتے۔ امالی میں بارشوت کسی حد تک حلافہ پر ہوتا۔ یہ لہلی بھی اساتذہ کے نام سے بھی مروج ہوتے اور شاگرد کے نام سے بھی، مگر خیالات کے سلسلے میں یہ بات بالوضاحت پیش کر دی جاتی کہ یہ کس بزرگ کے خیالات ہیں یا یہ کس بزرگ نے روایت کیے ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ کی تصانیف:

حضرت امام اعظم امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ امت کے ان اساطین میں سے ہیں جنہوں نے پوری امت پر علمی احسانات فرمائے ہیں۔ حضرت الامام نے اپنے علوم سے پوری امت کو مستفید کیا ہے اسی لیے کہا جاتا ہے کہ امت علم میں ان کی حیاں ہے۔ آپ کی تصانیف بھی اُسی انداز میں روایت ہوئی ہیں جس انداز میں دوسرے ائمہ اور مقتدی ہستیوں کی تصانیف۔ آپ نے اپنی تحقیقات اپنے شاگردوں کو پیش کیں جنہوں نے یہ تحقیقات علیہ نقل کیں اور آنے والی نسلوں تک پہنچائی ہیں۔ آپ کی تحقیقات آپ کے حلافہ کی تحریروں میں موجود ہیں۔ انہیں حضرت الامام سے ہی نسبت دی جاتی ہے اور انہیں حضرت الامام کے حوالے سے

عی شہرت ہوئی۔ حضرت کی علم کلام پر تصانیف اور مسانید ان کے علاوہ ہیں جنہیں آپ کی تصانیف کہا جاتا ہے۔ آپ کے شاگردوں کی املا کے ذریعے آگے چلیں۔
آپ کی تصانیف پر اختلافات:

قدیم زمانوں میں کتابیں نقل کی جاتی تھیں۔ نقل و نقل کے بعد بعض نسخوں میں کچھ غلطیاں درآئیں۔ نتیجتاً ان کتابوں کی مصحف سے نسبت مشکوک نظر آنے لگی۔ بعض اوقات بعض خط میں صاحبان جان بوجھ کر ان اکابر کی کتب میں بعض خط جملوں کا اضافہ کر دیتے اور ان کتب کی حیثیت کو مشکوک کر دیتے۔ حضرت الامام کی کتب کا بھی یہی معاملہ رہا۔ ان کی علم کلام پر بعض تحریرات میں کاتبوں کی قلمی سے ایسی عبارتیں داخل ہو گئیں کہ ان کی حیثیت مشکوک معلوم ہونے لگی۔

حضرت الامام اور معتزلہ:

حضرت الامام کے علم کلام کی زد معتزلہ پر بہت سخت مدعی تھی۔ انہوں نے اسلامی عقائد کو مبرہن کر دیا تھا۔ جس سے معتزلہ کے عقائد و نظریات کا سخت رد ہوتا تھا۔ انہوں نے حافیت اسی میں بھی کتاب آپ کی کلامی تصانیف کا کھینچا نکار کر دیا جائے۔ یا نکار کچھ اس شد و سہ سے ہوا کہ علامہ شعلی نعمانی جیسے محقق بھی ان باتوں سے متاثر ہو گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ایک گروہ کہنے لگا کہ حضرت الامام نے کوئی کتاب لکھی ہی نہیں۔

حضرت الامام اور مستشرقین:

حضرت الامام کے بارے میں جو تحقیق معتزلہ نے پیش کی تھی اس سے ملتی جلتی تحقیق مستشرقین نے بھی پیش کر دی۔ انہوں نے ایک اصول تحقیق متعین کر لیا۔
ہم اللہ کریم علیم علی عدم الوجود:

کسی شے کا عدم ذکر اس کے وجود کے نہ ہونے پر مستلزم ہے۔

اس اصول کو بنیاد بنا کر انہوں نے دعویٰ کیا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی فائدہ کی تدوین میں حدیثوں سے کام نہیں لیا۔ بات کہاں سے چلی تھی، کہاں جا پہنچی۔ اب تو مستشرق کے علاوہ جہالت نے اپنی تحقیق پیش کی ہے کہ حضرت الامام بہت کم حدیث جانتے

تھے۔ اگر حضرت علامہ امام کی مسانید کے مجموعے نہ بھی ہوتے، تب بھی ایسا دعویٰ کرنا ممکن نہ تھا۔ ان مجموعہ مسانید نے حضرت علامہ امام کی محدثانہ حیثیت کو بہت حد تک واضح کر دیا ہے۔
حضرت الامام کی علم کلام میں تصانیف:

- ۱- فقہ الاکبر
- ۲- مشن المصنف کے نام سے کتاب
- ۳- العالم والمصلح
- ۴- اربع اربعہ
- ۵- فقہ الاوسط

اب یہ علمی بحث اہل علم کے طعنوں میں موجود رہی ہے کہ فقہ الاکبر کا کون سا نسخہ ایسا ہے جسے حضرت الامام کی تصانیف کہا جائے۔ اس بحث کی خارجی وجود بھی یقیناً موجود ہیں۔ محدثین کرام نے ان روایتوں کی یقیناً جانچ پرکھ فرمائی جس سے کسی شخص کی حضرت الامام سے نسبت یقینی کہی جاسکے۔ ہمارے اکابر میں حضرت مولانا عقیل احمد سکندر پوری، حضرت مفتی عزیز الرحمن نور حضرت مفتی محمد مصطفیٰ خاں دامت برکاتہم نے اپنی تحقیقات میں فرمائی ہیں۔ انہوں نے یقیناً اصول روایت اور درایت دونوں کو مد نظر رکھا ہے۔ ہرچہ اصول تحقیق میں ہم انہیں خارجی و داخلی شواہد کہہ سکتے ہیں۔ رہم الخرواف کی کیا جرات جو ان کی علمی تحقیقات سے متعلق کوئی سوال اٹھا سکے۔ مجھے اپنی کم علمی کا اعتراف ہے یعنی وہی سہی والی بات ہے کہ من آثم ومن داف۔

بہر حال ہمارے اکابر نے اس بات پر بہر حال اصرار فرمایا ہے کہ حضرت علامہ امام نے حد کلام پر تحقیقات علیہ اپنی تصانیف میں فرمائی ہیں جو اگرچہ مختصر ہیں مگر جامع ہیں۔ ان تحقیقات کو دیکھا جائے تو ہر جملہ عجیبہ معنی کا ظہور نظر آنے لگا ہے۔ غالب کا یہ شعر ان مختصر جملوں پر پورے طور پر صادق آتا ہے:

عجیبہ معنی کا ظہور اس کو کھنکھ

جو لفظ کہ غالب میرے استاد میں آدے

حضرت علامہ امام کی علم کلام پر تصانیف خیر الکلام باہل و دل کے حصول پر ہیں۔ ان کے

جہوں میں دلائل عقلیہ دیکھے بھی ہیں اور وضاحت بھی۔ بہر حال حضرت الامام کی یہ جائزات اس علم کلام کے اصول واضح کرتی ہیں جسے اہل سنت والجماعت میں قبول عام حاصل ہوا۔ جس علم کلام کو آگے چل کر امام ابو منصور ماتریدی نے مدون مرحب کیا۔ یہ علم آج عالم اسلام میں مقبول اور مروج ہے۔

علم کلام سے حضرت الامام کی مناسبت:

حضرت الامام کے سوانح کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ آپ نے علم فقہ میں قدم رکھنے سے قبل علم کلام سیکھا اور اس میں وہ کمال پایا کہ آپ اہل علم میں اس حوالے سے مشہور ہو گئے اور ایک حوالہ بن گئے۔ اس علم میں کسب کمال کے بعد آپ نے علم فقہ میں کام شروع کیا اور مروج عالم بن گئے۔ آپ کی فقہ میں اس علم کے بعض اثرات واضح طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

علم کلام میں ضعیف روایت کو قبول کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ حکم علم فقہاء میں صرف وہ حدیث قبول کر سکتا ہے جو کڑی شرائط پر پورا اترتی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے ہاں اصول حدیث بہت سخت ہیں۔ آپ کڑی شرائط کے تحت کوئی حدیث قبول کرتے ہیں۔ آپ کا حدیث قبول کرنے کا طریق حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مطابقت رکھتا ہے۔ یہ بات علم کلام میں گہرے شغف کا نتیجہ ہے۔ اس کا اثر ہے کہ آپ کی فقہ میں کوئی مسئلہ ایسا مشکل سے طے گا جو متحدہ مواد سے معارض ہو۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ حضرت الامام کے مسائل فقہ اور حضرت امام احمد بن حنبل کے مسائل فقہ میں بہت کم اختلاف نظر آتے ہیں۔ یہ بات بہر حال واضح ہے کہ انہوں نے صرف احادیث سے استدلال کیا تھا۔ ان کے ہاں مسائل میں حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے اختلاف تھا ہے اور حضرت امام سے صرف مسائل میں اختلاف نظر آتا ہے۔

حضرت الامام کے علم کلام میں شغف اور مہارت کا نتیجہ ہے کہ آپ نے دین کو بطور کل دیکھا اس سے اصول فقہ کیے اور ان کا فروغ پر اطلاق کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں جو بھی مسئلہ دین کے عمومی حوزہ سے خارج ہو گیا۔

حضرت الامام کی وسعت:

حضرت الامام نے وسیع پیمانے پر کام کیا۔ فقہ میں آپ کو امام اعظم کا درجہ و مقام حاصل ہے۔ علم کلام میں وہ صاحب تصنیف ہیں، حدیث میں انہیں جو مرتبہ اور حیثیت حاصل ہے وہ محدثین کے ہر مسلمات میں سے ہے۔ ہاں اگر کسی اہل علم نے آپ سے اختلاف کیا تو کب کس سے اختلاف نہیں ہوا۔ آپ کی مقبولیت عوام و خواص میں یکساں پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ آپ کے علوم کی وسعت اور کثرت ہے۔

حضرت الامام پر کام کی ضرورت:

ہمارا مہم کتاب کی کثرت کا عہد ہے۔ کسی زمانے میں لوگ علم حاصل نہ کر پاتے تھے کہ کتاب مشکل سے ملتی تھی۔ آج علم سے محروم رہ جاتے ہیں کہ کتاب بہت زیادہ ہے۔ کسی زمانے میں کتب احادیث کے بہت کم نسخے برصغیر پاک و ہند میں دستیاب تھے اس لیے حدیث کا علم کم تھا۔ آج حدیث کا علم کتر ہے کہ حدیث کے مجموعے دھڑا دھڑ چھپ رہے ہیں۔ ان کے ترے بچے چھپ چکے ہیں اور لوگ محدثین سے بے نیاز ہوتے جا رہے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ جہلا حدیث سناتے ہیں، مگر ان کے معانی سے بے خبر ہیں۔ ایسے وقت میں حضرت الامام پر طبعی و تصنیفی کام کی اشد ضرورت ہے تاکہ لوگ جان سکیں کہ حضرت الامام فقہ کلام اور حدیث میں کیا مقام رکھتے تھے۔

ملتی رشید احمد طوی محنت سے حضرت الامام کی تصانیف کو مرتب کر رہے ہیں۔ ان کے تراجم اور شروع لکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی محنت کو قبول فرمائے۔ اللہ رب العالمین ہمیں حضرت الامام کے مذہب پر کاربند رہنے کی توفیق ارزانی فرمائے اور آخرت میں ان کی معیت عطا فرمائے۔

وہنا نطبل صا انک الت السمع العظیم

والسلام

امجد علی شاہ

۱۹۶۲ء، بی۔ آئی۔ اے۔ ہاؤسنگ سوسائٹی

پہلا حصہ

مقدمہ

اہم اہل سنت والجماعت فتح الحدیث سیدی و مرشدی
ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

الحمد لله وكفى وسلاماً على عباده الذين اصطفى اتابعه۔

زمانہ ولادت:

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی المتولد ۸۰ھ المتوفی ۱۵۰ھ:

اگرچہ نبوت و رسالت کا پائیدار زمانہ اور خلافت راشدہ کا قائل دینک دور مگر چکا تھا تاہم ایمانی اور عملی مسرتوں اور علمی ذوق و شوق اور جذب و کیف کی والہانہ سرسختیوں اور تقویٰ و طہارت کی اعلیٰ و ارفع زندگی کے نور سے زمین جگمگاری تھی، اور عالم انکس و آفاق میں ایک گونہ شگفتگی و شادابی کی لہریں اور ہزار جہتیں کل کھلا کر فس رہی تھیں، اور مجموعی لحاظ سے بجائے سمیت اور یچیت کی پستیوں کے کاروان انسانیت شرف و حریت کی بلند یوں کی طرف جارہا تھا، توفیقی و یزدی اور رفاقت خداوندی سے اس وقت بہت سے حضرات علم و تحقیق کے آسمان پر اقباب و مہتاب بن کر چمک رہے تھے جن کی روشنی سے دنیا مستفید ہوتی رہی، اور صحیح معنوں میں نئی نوع انسان کے لئے رشد و ہدایت کے پاک جذبے اور نیک دولے نے ان کے عزائم کو سدرۃ العظمیٰ کی بلندی تک پہنچا دیا تھا، جن کے قلوب میں دولت ایمان کی مضبوط جڑیں گہر کر گئی تھیں، اور جن کے اعمال صالحہ کی شانیں آسمانی جنت درآغوش تھا، اس میں مسرتوں کے جمولے پھول رہی تھیں، اور جرأت و ہمت کے ساتھ وہ قرآن کریم جیسے نیر درخشندہ کو دائیں ہاتھ میں اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحف فی الدین کی شمع کافوری کو بائیں ہاتھ میں لے کر اندھیرے میں بھٹکنے والی انسانیت، اور ظلم و جور کے طوفانوں سے چمکتا چرآرمیہ کو شلوامیں اور کامرانوں کی جنت کی طرف لے جا رہے تھے، اور اس مترع عزیز کی انہوں نے اس طرح حفاظت کی کہ گواروں کی جھٹکان، تیروں کی پھمچا اور نیزوں کی پیلار بھی اس گراں مایہ امانت کو ہن کے سینوں سے ہرگز نہ نکال سکی، مابھیوں نے ایشیاء اور یورپ کے بہت سے لقی و قبیہ میدانوں کی ریت اور خاک چھان کر ہر طرف ایک نئی زندگی اور ہر سمت ایک حیات تازہ اور ہر جانب ایک جموجی اور مسکراتی ہوئی روحانیت پھیلا دی، جس کی وجہ سے ہر گوشے میں خوشیوں کے پھول کھلتے دکھائی دیتے

تھے، غرض کہ جس طرف کوئی قوت سامعہ متوجہ کرتا: قال اللہ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کہ دل آویز اور یہ کیف نفسوں سے سماع ارضی سے گونجتی سنائی دیتی، جبکہ معصوم فرشتوں کی پاک نولیاں جگہ جگہ نازل ہو کر نزول سکینہ کا سبب بنتی رہیں:

اس میمون دور کے امیر ۸۰ ہجری میں جب کہ ولایت مروانیہ کا دوسرا تاجدار عبدالملک بن مروان (التونی ۸۶ھ) مسند آرائے خلافت تھا، بیت نامی ایک مشہور تاجر کو چالیس سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے مقام کوثر میں ایک ہونہار، قبول صورت، اور نہایت ذریعہ فرزندانہ ارجمند عطا فرمایا، جس کا نام والدین نے نعمان رکھا، مگر ان کی قبولیت عامہ فوت حافظہ، وسعت مطلوبات، وقت نظر، حدت ذہن، بکثرت عبادت اور دینی خدمت کے پیش نظر زمانہ نے آگے چل کر ان کو امام اعظم کا لقب دیا، جنہوں نے بقول علامہ ابن سعد (التونی ۲۳۰ھ) وحدث ابن عدی (التونی ۳۶۵ھ) ولما دار قطنی (التونی ۳۸۵ھ) وحافظہ ابن عبد البر (التونی ۳۶۳ھ) خطیب بغدادی (التونی ۳۶۳ھ) وعلامہ سحانی (التونی ۵۶۲ھ) وایمام نووی (التونی ۶۷۶ھ) وعلامہ ابنی (التونی ۴۳۸ھ) وحافظ عراقی (التونی ۸۰۶ھ) وحافظ ابن حجر (التونی ۸۵۲ھ) وایمام سیوطی (التونی ۹۱۱ھ) وغیرہ اپنے اپنے پر نگاہ کی ہوئی دو آنکھوں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص:

حضرت انس بن مالک (التونی ۹۳ھ) کو دیکھا تھا، اور اس وقت متعدد حضرات صحابہ کرام اور بھی موجود تھے مثلاً:

حضرت مالک بن الحویرث التونی ۹۳ھ (اکمل ص: ۶۱۵)

حضرت عبداللہ بن انیس التونی ۹۳ھ (جامع المسانید ص: ۳۳۷، مجموعہ احمد ص: ۸۰)

حضرت محمود بن لبید التونی ۹۹ھ (البدایہ النہایہ ص: ۱۸۶)

حضرت محمود بن الریح التونی ۹۹ھ (تہذیب احمد ص: ۶۳)

حضرت ابوالامر سہل بن حلیف التونی ۱۰۰ھ (البدایہ النہایہ ص: ۱۹۰)

حضرت ہرمان بن زیاد الباہلی التونی بعد ۱۰۲ھ (تہذیب احمد ص: ۳۸)

اور حضرت ابوطلحہ عاصم بن دناجر التیمیؓ ۱۱۰ھ (تہذیب معاد ج ۲ ص ۸۲) وغیرہ وغیرہ اگر یہ صحیح ہے (اور کوئی وجہ نہیں کہ اکابر محدثین اور مؤرخین کی یہ تحقیقی رائے غلط ہو) کہ امام ابوحنیفہؒ نے حضرت انسؓ بن مالک کو دیکھا ہے، تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ ان دیگر حضرات صحابہ کرام کو، یا ان میں سے بعض کو جن کی وفات حضرت انسؓ کے کئی سال بعد ہوئی نہ دیکھا ہو، لہذا ان حضرات کا نظریہ بالکل صحیح ہے جو یہ کہتے ہیں کہ امام موصوف نے حضرت انسؓ کے علاوہ بعض اور حضرات صحابہ کرام کو بھی دیکھا ہے، اور ان سے ملاقات کی ہے، چنانچہ علامہ محمد بن اسماعیل المعروف ابی نعیم (التوفی ۳۸۵ھ) لکھتے ہیں کہ:

وكان من الصالحين لقي عدة من الصحابة وكان من الورع

الزاهدین (مترجم: علامہ ابن ندیم ص ۲۹۸ طبع مصر)

امام ابوحنیفہؒ تابعین میں سے تھے انہوں نے متعدد حضرات صحابہ کرام سے ملاقات کی تھی، اور آپ شروع اور زائدین میں تھے اور روایت کے لحاظ سے تو بلاشبہ تابعی ہیں اور یہ رتبہ بلند بلا جس کو مل گیا

ایں سعادت بجز دروازہ نیست تانہ عظمہ خدائے بخشنده

مقام ولادت:

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مقام تولد کوفہ ہے، جو عراقی شہر میں برپا ہونے کے بعد حضرت علیؓ (التوفی ۴۰ھ) کے عہد حکومت میں دارالحکومت تھا جس میں سینکڑوں حضرات صحابہ کرامؓ فروکش ہوئے، جن کے علم و عرفان کی بارش سے لوگ سیراب ہوتے رہے امام سفیان بن عیینہؒ (التوفی ۱۹۸ھ) کا کوفہ کے بارے میں یہ مقولہ کافی ہے کہ ”طال و حرام یعنی فقہ کا مرکز تو کوفہ“ (علم بلدین ذکر کوفہ)

اور علامہ ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ: کوفہ میں تین سو وہ حضرات صحابہ کرامؓ جن کو بیعت رضوان میں شرکت کی فضیلت حاصل ہوئی تھی اور جو اصحاب الخمر ؓ کہلاتے تھے اور ستر (۷۰) وہ حضرات صحابہ کرامؓ جو جنگ بدر میں شریک ہو کر مغفرت کا پروانہ حاصل کر چکے

تھے تحریف لے گئے تھے۔ (مہقات ابن سعد ص ۶۷۲)
 اور امام بخاری (الوفی ۲۶۱ھ) کے بیان کے مطابق ڈیڑھ ہزار جلیل القدر حضرات صحابہ کرام کے نقش پا سے کوفہ بابرکت ہو چکا تھا۔ (شرح خدیصہ ص ۱۷۸)
 اور امام نووی کہتے ہیں کہ کوفہ مشہور شہر ہے جس کو حضرت عمر بن الخطاب کے حکم سے تعمیر کیا گیا، پھر نکلتے ہیں کہ:

وهي دار الفضل ومحل المصلاه (نووی شرح مسلم ص ۱۸۵ج ۱)
 اور وہ فضیلت کی جگہ اور فضلاء کا محل تھا:

امام حادویؒ (الوفی ۲۹۲ھ) کوفہ جانے والے بعض حضرات صحابہ کرام کا نام لکھ کر آگے فرماتے ہیں:

وعلى من الصحابة (الاعلان بالويج لمن قدم التاريخ ص ۱۳۹ طبع دمشق)

تحصیل حدیث کا شوق:

امام صاحب کے والد محترم کا انتقال بن کی تحصیل علم سے پہلے ہی ہو چکا تھا مگر حضرت امام صفی (الوفی ۱۰۶ھ) کی ترغیب سے جنہوں نے پانچ سو حضرات صحابہ کرام سے آنکھیں روشن کر لی تھیں اور بہت سے صحابہ کرام سے فیض صحبت اٹھایا اور روایات حاصل کی تھیں (حضرت امام ابو حنیفہؒ نے علم حدیث اور علم دین حاصل کرنے کا عزم مصمم کر لیا بلکہ اس وقت کے جلیل القدر محدثین عظام ہو فقہاء کرام سے علم حاصل کر کے بخدمت مقام حاصل کیا۔

شیوخ حدیث:

امام ابو حنیفہؒ نے بہت سے شیوخ اور اساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا: جن میں سے چند حضرات کے نام جو متھو کتب اسامہ رجال میں مندرج ہیں یہ ہیں۔

حضرت عطاء بن ابی رباح، عاصم بن ابی النجود، علقمہ بن

مرثد، امام بالغر، سعد بن مسروق، عدی بن ثابت انصاری،

ابو اسحاق سہمی، نافع بن عمر مدنی، عبدالرحمن بن هرمز

الاعرج ، قتادہ ، عمرو بن دینار ، مکحول شامی ، محمد بن مسلم ، اعمش کوفی ، اسمعیل اوزاعی ، امام شعبی ، ربیعہ بن عبدالرحمن الرائی ، حکمرمہ مولیٰ ابن عباسؑ ، امام زہری ، ہشام بن عروہ ، سماک بن حرب ، سلمہ بن کھیل وغیرہ وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

علامہ ذہبیؒ نے ان کا ترجمہ امام الامام کے پیارے عنوان سے شروع کر کے ان کے کچھ شیوخ کے نام ذکر کئے ہیں اور پھر آخر میں تحریر فرمایا ہے:

وخلق کثیر (تذکرہ ص ۱۵۹ء)

کہ ان کے علاوہ اور بہت سے شیوخ سے انھوں نے علم حدیث اور علم دین حاصل کیا ہے علامہ ابوالحسن مشافعیؒ نے تین سو انہیں اساتذہ اور شیوخ کے نام بقید نسب لکھے ہیں (مختار الجمان ص ۲۲۴ء)

اور امام ابو حفص بن الکبیر التوفی ۲۶۳ھ نے تو یہاں تک دعویٰ کیا ہے کہ امام صاحبؒ نے کم از کم چار ہزار شیوخ سے حدیثیں روایت کی ہیں: (مکملہ سیرۃ عثمانیہ ص ۳۲)

محمد ثین کا ان پر اعتماد:

بڑے بڑے ائمہ دین، محدثین اور فقہاء اعلام امام ابو حنیفہؒ پر حدیث اور باقی علوم میں کلی اعتماد کرتے تھے، اور ان کی اس برتری اور کثرت کا کچھ نمونوں میں اقرار کرتے تھے، چنانچہ امام مسربین کدائم (التوفی ۱۵۵ھ) فرماتے تھے کہ میں نے علم حدیث امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ طلب کیا مگر وہ اس میں ہم پر غالب آ گئے اور زہد و ورع میں بھی وہ ہم سے سبقت لے گئے اور فقہ میں تو ان کا مقام تم سے بھی جانتے ہو۔ (مناقب ابی حنیفہؒ ص ۱۷۷ء)

امام کی بنیاد پر اہم جو الامام اور الخلفاء تھے، ان کا حفظ اصل زمانہ کہتے تھے:

(مناقب امام اعظم از صدر الاسلامؒ ص ۲۴)

نور فرماتے ہیں کہ چالیس ہزار حدیثوں سے انہیں نے آشکارا انتخاب کیا تھا (رحمۃ اللہ)

امام مہدئ اور القرشی (التوفی ۵۷۷ھ) امام یوسف بن قاضی ابو یوسفؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد کے توسط سے

روی کتاب الاثر عن ابی حنیفہ و هو موجد ضخم،

(المجموع المصنف ج ۲ ص ۳۲۵)

امام ابو حنیفہ سے ان کی کتاب الآثار روایت کی جو ایک ضخیم جلد میں ہے:

اور حافظ ابن حجرؒ کا فرماتے ہیں کہ:

والموجود من حلیت ابی حنیفہ مفردا انما هو کتاب الآثار

الحی رواها محمد بن الحسن عہ (تجلی المسند ص ۲)

امام ابو حنیفہ کی حدیث میں مفرد کتاب الآثار جو محمد بن الحسن نے ان سے روایت کی

ہے:

اور اسی کے قریب وہ لسان المیوہن ص ۳۱ ج ۵ میں لکھتے ہیں: حدیث کے بارے میں

امام موصوف کی شرطیں بڑی سخت اور کڑی تھیں،

چنانچہ امام سفیان ثوری (التوفی ۱۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ: امام ابو حنیفہ صرف وہی

حدیثیں لیتے تھے جو ان کے نزدیک صحیح اور ثقات سے مروی ہوتی تھیں۔

(کتاب الاثر ص ۳۲ المصنف مصر لایبن مہدائبر)

اور امام عینی بن یحییٰ (التوفی ۷۴۳ھ) فرماتے ہیں کہ: امام ابو حنیفہ صرف وہی

حدیثیں بیان کرتے تھے جو ان کو معلوم ہو یا وہی تھیں۔ (کنز خطیب بغدادی ص ۳۲)

امام حاکم (التوفی ۴۰۵ھ) لکھتے ہیں کہ: امام ابو حنیفہ کی حدیث میں یہ شرط تھی کہ راوی

نے بالمشافہ حدیث اپنے شیخ سے سنی ہو، اور پھر وہ اس کو یاد بھی ہو جب وہ اس کو بیان کرنے کا

مجاز ہے (مطلعا بحکم ص ۱۵)

علامہ ابن خلدون (التوفی ۸۰۸ھ) لکھتے ہیں کہ: امام موصوف علم حدیث میں کبار

مجتہدین میں شمار ہوتے ہیں، اور اسی وجہ سے محدثین نے ان کے مسلک اور مذہب پر اجماع کیا

ہے (مقدمہ ص ۳۳۵) اور ان کی ان شرائط کا باقاعدہ تذکرہ امام عبد الوہاب شہر بنی (التوئی ۱۷۷۳ھ) نے بھی کیا ہے (ملاحظہ ہو المیزان الکبریٰ ص ۶۳ ج ۱ ص ۱۷۷۳)

مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبد الرحمن صاحب مہار کپوری (التوئی ۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں کہ: حدیث (کی تہود و شرائط) کے بارے میں جتنی تشدید و پابندی اور احتیاط امام ابو حنیفہ نے کیا ہے اور کسی نے اس کا اتنا ثبوت نہیں دیا۔ (تخوذاوعویٰ ص ۱۵ ج ۲)

الغرض امام صاحب علم حدیث، فقہ اور زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ ہی تھے۔ چنانچہ نواب صدیق حسن خان صاحب (التوئی ۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں کہ:

امام اعظم کو فی چنانچہ در علم دین منصب امامت وار و ہم چنان در زہد و عبادت امام سالکان است (تکسار ج ۱ ص ۱۷۷۳ ج ۱ ص ۱۷۷۳)

امام صاحب کی فتاہت:

امام موصوف نے جب دیکھا کہ آئے دن نئے نئے مسائل اور حوادث رونما ہو رہے ہیں، اور اگرچہ تمام اصول و کلیات اور قواعد و ضوابط تو قرآن کریم اور حدیث شریف میں موجود ہیں مگر ہر آدمی کو یہ مر جب کہاں حاصل ہے کہ وہ فرع کو اصل پر متفرع کر کے اس سے قطعاً کا حکم استنباط کر سکے۔ اس لیے بالآخر امام صاحب فقہ کے مہمات میں مصروف ہوئے: بعد و قیل فقہی مسائل کا کافی ذخیرہ فراہم کر دیا: جو ان کی وقت نظر محدث لوگوں، حاضر و ماضی، و روضت خیال کے شاہد مل ہیں:

چنانچہ حضرت امام شافعی (التوئی ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں کہ: تمام لوگ امام ابو حنیفہ کے

حیال اور خوش ممکن ہیں (بخاری ص ۳۳۶ ج ۳ و حدیث بیہ حدیث ص ۳۳۶ ج ۱۰)

اور نیز فرماتے ہیں کہ جو لوگ فقہ میں مہارت حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو وہ امام ابو حنیفہ

وہاں کے اصحاب سے خوش چینی کریں (بخاری ص ۳۳۶ ج ۱۳)

علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں کہ: فقہ میں ان کا پایہ اتنا بلند تھا کہ کوئی دوسرا ان کا نظیر نہیں

ہو سکا: اور ان کے معاصرین نے ان کی فضیلت کا اقرار کیا ہے، خاص طور پر امام مالک اور

امام شافعی نے (مقدمہ ص ۳۳۷)

علامہ محمد طایب (التونی ۹۸۶) لکھتے ہیں کہ: اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک امام صاحب کی مقبولیت کا کوئی خاص راز اور پھیر نہ ہو تو امت محمدیہ کا نصف حصہ کسی ابن کی تقلید پر مجتمع نہ ہوگا (عملہ جمع النکاح ص ۵۴۷ ج ۳)

یہی وجہ ہے کہ اکابر محدثین اور آئمہ جرح و تعدیل جن پر حدیث کی صحت و سقم کا مدار ہے ان کی تقلید کرتے ہیں مثلاً۔

(۱) امام محیی بن ذکریا بن ابی زائدہ الکوفی (التونی ۱۸۲ھ) جن کو علامہ ذہبی الحافظ البیت المظن اور الفقیہ کے اوصاف سے ذکر کرتے ہیں، وہ امام صاحب کے مقلد تھے چنانچہ علامہ ذہبی ہی ان کو صاحب بنی حنیفہ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں

(تذکرۃ الحفاظ ص ۳۳۶ ج ۱)

(۲) امام وکیل بن الجراح الکوفی (التونی ۱۹۷ھ) جن کو علامہ ذہبی الامام الحافظ البیت اور محدث العراق کے اوصاف حمیدہ سے ذکر کرتے ہیں، وہ بھی

یعنی بقول ابی حنیفہ (تذکرہ ص ۴۸۲ ج ۱)

امام ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔

(۳) امام محیی بن سعید القطان (التونی ۱۹۸ھ) جن کو علامہ ذہبی الامام اعلم لہر سند الحفاظ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ: ہم اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں نہیں کرتے ہم نے امام ابو حنیفہ کی رائے سے بہتر کسی کی نہیں سنی، اسی لیے ہم نے ان کے اکثر اقوال لے لئے ہیں۔ (بہرہ ص ۳۳۵ ج ۱۳)

اور علامہ ذہبی لکھتے ہیں کہ

وكان يحس القطان يعني بقول ابی حنیفہ (ایضاً تذکرہ ص ۴۸۲ ج ۱)

امام حنفی بن سعید القطان بھی امام ابو حنیفہ کی رائے کے مطابق فتویٰ صادر کیا کرتے

تھے۔

(۳) امام محمد بن یحییٰ (المتوفی ۲۴۳ھ) جن کو حافظہ امین حجر: امام البحر والحدید کے لقب سے یاد کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ فتنہ حدیث میں وہ مرجع الخلاف تھے جس کی وجہ سے محدثین کرام نے ان کی اقتداء اور خوشہ چینی کی ہے (تحدیب احضاب ص ۳۸۸ ج ۱۱) علامہ بیہقی ان کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

ان امن معین کان من المحفید الملاح فی مقبہ ، وان کان محمداہ
الروایات الطائ المتکلم فیہم بمالاً یوجب رفقہم (سنن طبری ص ۱۳۳)

کہ امام محمد بن یحییٰ مذہب کے لحاظ سے عالی خفی تھے ہاں ہمہ وحدت بھی تھے۔ ان کے علاوہ سینکڑوں محدثین کرام، حضرت امام ابوحنیفہ کی رائے کو بجز اور صحیح سمجھ کر اور ان کی فقہ پر اجماع کر کے خفی مسلک کو قبول کرنے پر مجبور ہو گئے تھے: اگر امام صاحب کی فقہ حدیث سے تصادم ہوتی یا اس کی بنیاد میں بر حدیث رسول (علی صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتی جیسا کہ لفظی سے سمجھ لیا گیا ہے، تو یقیناً جاننے کہ امام محمد بن زکریا، وکیع بن الجراح، محمد بن عطاء: اور یحییٰ بن یحییٰ جیسے اساطین حدیث اور حافظین بلکہ حافظین حدیث کبار حضرت امام ابوحنیفہ کی تقلید نہ کرتے آخر انہوں نے کچھ دیکھا ہے جمعی تو ان پر فریفت ہو کر ان سے خوشہ چینی کی ہے اور ان کے مقلد بنے ہیں:

تری نگاہ تجلی شناس ہو تو دیکھ ہنس حجاب دو عالم کسی کی جلوہ گری
امام صاحبؒ اور علم کلام:

جس طرح حدیث، فقہ اور مذہب و تقویٰ میں ان کا پایہ بہت ہی اونچا تھا: اسی طرح عقائد و کلام میں بھی ان کا رتبہ اور مقام بہت اونچا تھا۔

چنانچہ علامہ خطیب بغدادی (ہاجہ ابو امام صاحب پر انتہائی جرح قتل کرنے کے) ان کی ذاتی خوبیوں اور علمی قابلیتوں کا ان کا نہیں کر سکے، اور صاف طور پر واضح کاف الفاظ میں لکھتے ہیں کہ: ہم عقائد اور کلام میں لوگ امام ابوحنیفہ کے خیال اور خوشہ چینی ہیں:

(بغدادی ص ۱۶۱ ج ۱۳)

یہی وجہ ہے کہ امام بیہقی (الترغی ۴۵۶ھ) شیخ الاسلام ابن تیمیہ (الترغی ۷۲۸ھ) اور حافظ ابن قیم (الترغی ۷۵۱ھ) وغیرہ وغیرہ علم کلام کے دقیق مسائل میں امام ابو حنیفہ کا حوالہ دے کر اس سے اپنی تائید حاصل کرتے ہیں: کتاب الاسماء والصفات، شرح حدیث التزول، وراجتماع جمیع شوش الاسلامیہ وغیرہ کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے الغرض اس فن میں بھی وہ امام ہی حلیم کیے گئے ہیں۔

بہر کیف حضرت امام ابو حنیفہ کی جلالت شان، فن حدیث میں مہارت، علم فقہ میں تفوق، اور علم کلام میں اہم کا درجہ، محدثین مورخین اور فقہاء کرام کیا سوائے اور مخالف سبکی کو مسلم ہے، جن حضرات کو ان کے بارے میں کچھ خلوک و شبہات تھے وہ یا تو غلط فہمی کا نتیجہ ہیں جو تاریخی اعتبار سے خود بخود رفع ہو جاتے ہیں اور یا انتہائی مذہبی تعصب کا ثمر ہیں جن کا اس جہان میں سرے سے کوئی طالع ہی نہیں ہے۔

امام موصوف کے حریہ کچھ مناقب و لطائف کے لئے رالم الحروف کی کتاب احسن الکلام حصہ اول کا مطالعہ کیجئے: اس مختصر مقدمہ میں اس کی گنجائش نہیں اور قدرے مطاوعہ اور تفصیل کے ساتھ قائم کی کتاب مقام اہل حنیفہ دیکھیں جس پر دور حاضر میں پاک وہند کے جید علماء کرام کی بہترین آمادہ و تصدیق ہے۔

فقہ اکبر:

علم مقام و کلام میں ایک نہایت مختصر اور جامع کتاب جس کا نام فقہ اکبر ہے، حضرت امام ابو حنیفہ کی تصنیف و تالیف ہے، چنانچہ بہت سے ائمہ اسلام نے اس کو امام صاحب ہی کی تالیف تسلیم کیا ہے مثلاً:

(۱) امام بن مہدی (الترغی ۱۹۹ھ) راوی فقہ اکبر

(۲) امام اسحاق بن محمد بن حکیم اسمرقندی (الترغی ۳۳۲ھ) جو امام ابو منصور ماتریدی

الترغی ۳۳۳ھ کے تلمیذ تھے اور ان کی شرح کو جہول مولانا شافعی (الترغی ۳۳۲ھ) علامہ ابو البقاء احمدی نے ۹۱۸ھ میں نظم کیا تھا۔

(۳) امام فخر الاسلام علی محمد بن ابی الدیلمی الحنفی ۷۴۲ھ

(۴) امام نجی الدین محمد بن بہاؤ الدین

(۵) مولی الیاس بن ابی رحیم السیوطی

(۶) احمد بن محمد المغنیساوتی

(۷) شیخ اکمل الدین ہارثی

(۸) علامہ ابی السنائی

(۹) شیخ الاسلام ابن تیمیہ

(۱۰) حافظ ابن القیم

(۱۱) علامہ زبیری

(۱۲) امام کردوبی

(۱۳) ملا علی بن ہاتھاری

(۱۴) علامہ عبدالحی بکر الخطوط

(۱۵) ملا کاتب علی صاحب کشف الظنون

(۱۶) علامہ عبدالقادر القرطبی

(۱۷) صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود

(۱۸) حافظ ابن ہاشم

(۱۹) علامہ ابن عابد بن شامی

(۲۰) مولانا عبدالحی لکھنوی

(۲۱) مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی، دہلیہ وغیرہ

یہ سب حضرات اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ فقہ اکبر امام ابو حنیفہ کی کتاب ہے

بریلوی حضرات کے مسلم عالم مولوی احمد رضا خان صاحب (الحنوفی ۱۴۳۰ھ) بھی تسلیم

کرتے ہیں کہ فقہ اکبر امام عظیم ہی کی تالیف ہے۔ (دیکھئے کتب الصحاح ص ۶۶ میں ۶۳ وغیرہ)

امام کردری فرماتے ہیں کہ: تو یہ اعتراض کرے کہ امام صاحب کی تو کوئی تصنیف ہی نہیں؟ تو میں یہ کہوں گا کہ یہ اعتراض اور کلام، معقولہ کا ہے ان کا دعویٰ یہ ہے کہ امام صاحب کی علم کلام میں کوئی تصنیف نہیں اور اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ فدا اکبر اور کتاب العالم والعظم امام صاحب کی نہیں، چونکہ امام صاحب نے فدا اکبر میں اہل السنۃ والجماعہ کے اکثر عقائد نقل کئے ہیں: اور معقولہ کا یہ (بے بنیاد) دعویٰ ہے کہ: امام صاحب معزلی تھے (معاذ اللہ) اور کتاب فدا اکبر معقولہ کے خیال میں ابو حنیفہ بخاری کی ہے لیکن ان کا یہ نظریہ بالکل صریح طور پر غلط ہے کیونکہ میں نے علامہ مولانا محسن المصلیٰ دہلوی، اکر دوری البرکات، انجمنی الصمدی کے ہاتھ مبارک سے لکھی ہوئی تحریر پڑھی ہے انھوں نے تصریح کی ہے کہ یہ دونوں کتابیں امام صاحب کی ہیں پھر آگے ارشاد فرمایا کہ:

لو اطا علی ذلک جماعة کثیرة من المشایخ انتهى

(ذیل الجہد ص ۲۳۷ ج ۲)

اسی پر مشائخ کی ایک بہت بڑی جماعت حلق ہے۔

بظاہر اسی قسم کے لوگوں سے متاثر ہو کر علامہ شبلی نعمانی وغیرہ نے لکھا ہے کہ: فدا اکبر امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے، اور اس پر برائے نام دلائل اور اپنے خیالات کا انہوں نے اظہار بھی کیا ہے مگر تاریخی اور تحقیقی لحاظ سے ان کی کوئی دلیل قوی نہیں ہے۔

مثلاً ایک یہ ہے کہ: فدا اکبر کے راوی ابو مطیع پر محدثین نے بڑی جرح کی ہے، لہذا اس کا اعتبار نہیں اور نیز صاحب الخط الاکبر کا تہذیب معنی یہ ہے کہ: وہ ابو مطیع کی تالیف ہو، مگر یہ دلیل اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتی بلا شک اکثر محدثین نے ان پر جرح کی ہے مگر ان کا مرکزی نقطہ صرف یہ ہے کہ وہ عجمیہ اور مرہبیہ کے عقیدہ پر تھے؛ کتب اسامہ الرجال میں اس کی تصریح موجود ہے مگر کیا یہ نسبت ان کی طرف صحیح بھی ہے؟ اور اگر صحیح ہے تو در یافت طلب یہ امر ہے کہ: وہ کس معنی میں مرہبیہ تھے؟ اور کیا اس معنی کے مرہبیہ ہونے سے کوئی زد آتی ہے؟ کیا خود امام اعظم کو مرہبیہ فرقہ میں سے ہونے کا بلا وجہ الزام نہیں دیا گیا؟ اور اگر اس وجہ سے

روایت مردود ہوتی ہے تو ہم صحیحین میں ایسی بہت سی روایات کی نشاندہی کر سکتے ہیں جن کے روایات مرجحہ و غیر مفرقوں سے تصدیق تھے۔

حافظ ابن حجر امام ابو مطیع کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

كان بصيرا بالراي علامة كبير الشأن وكان ابن المبارك
يعظمه ويحمله لبعده وعلمه (لسان المیزان ص ۳۳۳ ج ۲)

وہ صاحب بصیرت فقیر، علامہ اور بڑی شان کے مالک تھے، اور ابن مبارک ان کے دین اور علم کی بدولت ان کی تعظیم و توقیر کیا کرتے تھے۔

اور علامہ ذہبی ان کو مقلد کے نقطہ سے یاد کرتے ہیں: (صوفی اخبار من عہد)
اور علامہ عبد القادر العزیزی لکھتے ہیں کہ:

راوى كتاب اللقب الاكبر عن ابي حنيفة اه (الجزء الرابع)
ص ۲۶۵ ج ۲

امام ابو مطیع نے کتاب فدا اکبر حضرت امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے۔

فرضیکہ یہ کتاب ابو مطیع کی نہیں بلکہ امام صاحب عی کی تالیف ہے امام ابو مطیع تو صرف اس کتاب کے راوی ہیں:

مولانا ثعلبی نے ایک دلیل یہ بھی پیش کی ہے کہ جس ترتیب اور اختصار سے یہ کتاب لکھی گئی ہے وہ متاخرین کا خاص انداز ہے لیکن اس دلیل میں بھی کوئی جان نہیں، کیونکہ امام طحاوی (المتوفی ۳۲۱ھ) جو دو واسطوں سے امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں اور حنفی میں محمول ہیں، ان کی کتاب عقیدۃ الطحاوی بھی آخر بڑی فطرت اور خاص ترتیب سے لکھی گئی ہے؛ لہذا اس کا بھی ان کا کردار دینا چاہئے؛ علاوہ ازیں حضرت امام ابو یوسف (المتوفی ۱۸۲ھ) اور امام محمد (المتوفی ۱۸۹ھ) جو امام صاحب کے بلا واسطہ شاگرد ہیں، ان کی کتابوں میں جو ترتیب یا اختصار ہے وہ فدا کبر سے چنداں متفاوت اور نمایاں نہیں ہے؛

مولانا ثعلبی نے ایک دلیل یہ بھی ذکر کی ہے کہ فدا کبر میں ایک جگہ جو ہر اور عرض کا لفظ

آیا ہے حالانکہ فلسفیانہ الفاظ اس وقت زبان میں داخل نہیں ہوئے تھے؟ بے شبہ منصور عباسی کے زمانہ میں فلسفہ کی کتابیں یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی تھیں لیکن یہ زمانہ امام صاحب کی آخر زندگی کا زمانہ تھا؟

مگر مولانا کی یہ دلیل بھی نہایت ہی کمزور ہے، کیونکہ جس شخصیت کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی حافظہ اور قوت یادداشت اور فہم و ذکاوت عطا فرمائی ہو اور جو ہستی مختلف ممالک کے جزائروں اساتذہ سے استفادہ کر چکی ہو اور جس کے یونان اور ایران سے آئے ہوئے غیر ملکی دینیوں شاگردوں اور جن کے بارہا باطل فرقوں سے مناظرات بھی ہو چکے ہوں ان کے لیے جو ہر عرض کے ایک دو نقطہ یاد کر لینا اور ان کو معلوم کر لینا اور کتاب میں درج کر دینا کون سی اونگھی بات ہے؟ جب کہ اغلب یہی ہے کہ ان کا صحیح نظری ان الفاظ سے غلط سمجھنا ان کے کارہیوں کی تردید ہی ہے عام یونانی فلسفہ کی اصطلاحات کا تو ذکر ہی کیا آخر علامہ ابن خلدون ہی نے ذکر کیا ہے کہ پوری اقلیدس کا ترجمہ ابو جعفر منصور کے عہد میں ہو چکا تھا۔

(مقدمہ ص ۸۶)

جب خالص یونانی طرز اور فن کی کتاب کا ترجمہ منصور ہی میں ہو چکا تھا تو بعض علمی اصطلاحات کا علم ابتدائی دور میں کون سی زبانی بات ہے جبکہ سینکڑوں فلسفی اور یونانی ماہرین کے حاصل کرنے کے لئے کئی دفعہ اسلامی دارالکلاؤں کا طواف کر چکے ہوں گے۔

مولانا نے یہ بھی لکھا ہے کہ: مصنف شرح مقاصد، شرح مواقف اور ظل و ظل وغیرہ عقائد کی کتابوں میں فقہ اکبر کا ذکر نہیں ہوا؟ لیکن اس دلیل میں بھی کوئی قوت نہیں ہے: کیونکہ ہم مذکور سے عدم شے کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ آخر ان میں سے بیشتر کتابوں میں عقیدۃ الحادی کا ذکر بھی تو نہیں ہے تو کیا اس کے وجود ہی کا ان کا رد کیا جائیگا؟

امام بزدوی لکھی فرماتے ہیں کہ:

العلم نوہان: علم الموحید والصفات، و علم الشرائع والاحکام
والاصل فی الشروع الاول هو التمسک بالکتاب

والسلفو صحابۃ الہوی والبدعۃ ، ولزوم طریق السنۃ والجماعۃ
الذی کان علیہ الصابۃ والطہون ومضی علیہ الصالحون وهو
الذی کان علیہ ادر کماثلنا ، وکان علی ذلک ملتفا ، اعنی
اباحیفہ واباہوسف ومحمدا وعامۃ اصحابہم رحمہم اللہ تعالیٰ
ولقد صنف ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی ذلک کتاب الفقہ
الاکبر و ذکر فیہ البات الصفات تقلید الخیر والشر من اللہ
تعالیٰ وان ذلک کلہ بمشیئہ ولبت الاستطاعۃ مع الفعل ؛ وان
المحال العباد مخلوقۃ یخلق اللہ تعالیٰ اباہا کلہا ، ورد القول
بالاصح۔

(اصول ابو روی السرم پہ کتب الوصول فی معرفۃ الموصول من علیہ ہدیہ پریس کراچی)
علم کی دو تسمیہیں ہیں ایک علم توحید وصفات اور دوسرا علم شرائع اور احکام اور پہلی نوع
میں اصل یہ ہے کہ کتاب سنت سے تمسک کیا جائے اور خواہش (نفسانی) اور بدعت سے
کنارہ رکھی کی جائے : اور اہل السنۃ والجماعۃ کا طریقہ لازم پکڑا جائے جس پر حضرات صحابہ
کرام اور تابعین تھے : اور اسی پر سلف صالحین تھے ، اور یہی وہ چیز ہے جس پر ہم نے اپنے
اکابر کو پایا ہے اور اسی پر ہمارے اسلاف تھے یعنی حضرت امام ابو حنیفہ حضرت ابو یوسف اور
حضرت امام محمد اور ان کے اکثر اصحاب سب پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو اور بلاشبہ امام ابو حنیفہ
نے اس میں الفقہ الاکبر نامی کتاب لکھی ہے : اور اس میں انہوں نے صفات
(خداوندی) کا اثبات کیا ہے اور اس میں انہوں نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ : (بجلی بری)
تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے ہوتا ہے اور انھوں
نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ : استطاعت فعل کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ بھی انہوں نے اس نیر
ثابت کیا ہے کہ بندوں کے افعال سب کے سب اللہ تعالیٰ کی موقوف ہے : اور محذور کا اصل
والاقول بھی انھوں نے رد کیا ہے (یعنی یہ کہ جو چیز بندوں کے حق میں اصل ہے وہ اللہ تعالیٰ پر
واجب ہے کیونکہ وہ جب کے قول کے بعد اللہ تعالیٰ فاعل مقرر نہیں رہتا محال اللہ

مولانا نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ فقہ اکبر کی تمام شریعتیں آٹھویں صدی کے بعد کی ہیں؟ مگر یہ دلیل بھی بالکل بے وزن ہے، اس لیے کہ خود مولانا اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ فقہ اکبر کے ایک شارح اسحاق بن محمد محد الحکیم بھی ہیں: اور ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ان کی وفات ۳۳۲ھ کو ہوئی تھی۔ (دیکھئے فائدہ ینہ ص ۳۳ وغیرہ)

الحاصل مولانا شکی نے جتنے دلائل بھی اس پر پیش کیے ہیں کہ فقہ اکبر امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے سب کے سب کمزور اور ضعیف ہیں یہی وجہ ہے کہ مولانا خود ان سے مطمئن نہیں ہیں اور صاف ارقام فرماتے ہیں کہ ”ہم نے اس بحث میں اپنی رائے اور قیاسات کو بہت دخل دیا ہے لیکن تمام واقعات بھی (جن میں ایک بھی ثبوت مدعی کے لیے دلیل نہیں بن سکتا) (مصدر) لکھ دیے ہیں، ظہرین کو ہم اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔

(سیرۃ نعمان حصہ ۱ ص ۷۷)

واقعی یہ تمام خیالات اور قیاسات صرف مولانا کی ذات ہی تک محدود ہیں کیونکہ تاریخی دلائل اور شواہد قرآنی اور واقعات ان کا سراسر ان کا کرتے ہیں:

ع فذہ ما مضاف و ع ما کدر

غرضیکہ فقہ اکبر حضرت امام باقر علیہ السلام تعالیٰ ہی کی تصنیف ہے۔ لاریب فیہ

امام صاحبؑ کی وفات:

خلیفہ عباسی ابو جعفر منصور (المتوفی ۱۵۸ھ) کے عہد میں امام صاحب کو قاضی اور بیج بننے کے لیے مجبور کیا گیا مگر انہوں نے صاف ان کا رد کیا (کہ جس حکومت میں غیر اسلامی فتوے صادر کیے جاتے ہیں اور نافذ کرنے ہوں گے اس میں کیسے قاضی بن جاؤں اور کیوں آخرت ضائع کر دوں) پہلے تو گورنر وقت یزید بن عمر بن مہمرہ نے روزانہ دس دس کوڑے امام مہموف کو لگوائے اور پھر بالآخر قید خانے میں محبوس کر دیا اور جیل خانے ہی میں امام مہموف کو چار سال کی طویل قید کے بعد زبردلوادیا گیا اور جب امام مہموف کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو عہدہ میں گر گئے بلکہ اسی حالت میں رجب ۱۵۰ھ میں اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے

(کتاب الساقب للکردی ص ۳۳ ج ۲ و کتاب الامتداد ص ۷۰ وغیرہ)

چھ مرتبہ ان کی نماز و جنازہ پڑھی گئی پہلی دفعہ کم و بیش پچاس ہزار آدمی شریک تھے، اور خطیب بلدوتی نے لکھا ہے کہ دفن کے بعد بھی جس دن تک لوگ ان کے جنازے کی نماز پڑھتے رہے۔ (بحوالہ سیرت نعمان حصاد ص ۳۶)

اس سے امام صاحب کی مقبولیت عامہ اور مرجع خلافت ہونے کا اندازہ ہو سکتا ہے
رکعتی ہے فرق یکدہ دنیاے عشق کو وہ اک ادا کر جنبش بیتا کہیں جسے

فقہ اکبر کا ترجمہ:

ضرورت تھی کہ اس مختصری کتاب کی خصوصیات کو ملحوظ رکھ کر اس کا اردو میں سلیس اور
بامعاورہ ترجمہ کر دیا جائے تاکہ اس پر فتنہ دور میں جہاں اعمال و اخلاق اسلامی، کو لوگ خیر باد
کہہ چکے ہیں کم از کم اپنا عقیدہ و تہذیب و رسوم دیکھیں اور نیز خلی قسم کے مسلمان، بخوبی یہ معلوم کر سکیں
کہ ہم کن عقائد پر کاربند ہیں اور امام اعظمؒ نے کون سے عقائد تحریر فرمائے ہیں؟ اور نیز یہ بھی
معلوم ہو جائے کہ امام صاحب ہرگز مرہیہ فرقہ میں سے نہ تھے؛ کیونکہ انھوں نے اس کتاب
میں اس فرقہ کا نام لکرا ایک جگہ تردید کی ہے۔

اس ضرورت کو عزیز مقلی رشید احمد جو حضرت مولانا عبد العزیز محدث سہالوی کے
جانشین اور صحیح معنوں میں علمی وارث ہیں انہوں نے بطریق احسن و خوبی مکمل فرمایا ہے اللہ
تعالیٰ اس کی ہر خدمت اور علمی کام سے استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے
نوٹ: یہ آخری سطر میں حضرت شیخ سے جب اس مقدمہ کو اپنی کتاب کا جزو ہونے کی اجازت
چاہی تو آپ نے مذکورہ الفاظ زیادہ کرنے کا فرمایا تھا جو کہ کہ حضرت کو ستارے گئے تھے۔

دوسرا حصہ

فقہ اکبر سے متعلق بنیادی باتیں

امام اعظم ابو حنیفہ کے حالات کے بیان میں	پہلا باب
امام حماد بن ابو حنیفہ کے حالات کے بیان میں	دوسرا باب
امام ابو مطیع علی کے حالات کے بیان میں	تیسرا باب
علم حقانہ سے متعلق دس بنیادی امور کے بیان میں	چوتھا باب

پہلا باب:

امام اعظمؒ کے مختصر احوال

۱- نام اور مقام ولادت:

آپ کا نام نامی ام گرامی نعمان، والد مکرم کا نام ثابت، اور آپ کی کنیت ابو حنیفہ تھی، اس کنیت کی وجہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام حنیف کی مناسبت تھی، جو بعض لوگوں میں مشہور ہو گیا ہے کہ آپ کی ایک بیٹی کا نام حنیفہ تھا اس وجہ سے آپ کی یہ کنیت تھی، یہ بات تحقیق سے گری ہوئی اور لا یعنی ہے۔

سکونت کے لحاظ سے آپ کا مقام کوفہ، بلور خانہ دینی تعلق کے بارے میں مختلف آراء بیان کی جاتی ہیں بعض نے آپ کو خراسانی لکھا ہے اور بعض لوگوں نے آپ کو کابلی بیان کیا ہے۔

آپ کی ولادت ۸۰ ہجری میں ہوئی ہے اور یہ وہ زمانہ ہے جب مسلمانوں کی زمام اقتدار خلیفہ عبدالملک بن مروان کے ہاتھ میں تھی:

اور اس زمانے میں کئی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بقید حیات تھے اور متعدد صحابہ کی زیارت سے آپ مشرف ہو کر تابیت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہونے کی بناء پر تمام ائمہ میں سب سے افضل مرتبے پر فائز تھے۔

اور امام صاحب ان ائمہ میں سے ایک تھے جن کی علمی تحقیقات کی بنیاد پر قرن اول سے آج تک دنیا کا سب سے زیادہ طبقہ آپ کی اتباع میں غر محسوس کرتا ہے اور اس طبقے کو امام اعظم کی اتباع کرنے کی بناء پر حنفی کہتے ہیں۔

آپ کا خانہ دانی پیشہ ربیعہ کے کپڑے کی تمہارت تھا اور آپ بھی ایک زمانہ تک اپنے

خاندانی کام کرتے رہے ہیں۔

آپ کے دادا جن کا نام زوطی تھا ایک روایت کے مطابق ان کی ولادت افغانستان کے موجودہ دارالحکومت کابل میں ہوئی تھی، البتہ آپ کے والد حضرت ثابت کی جائے ولادت کے بارے میں اختلاف ہے بعض ائمہ کی رائے ہے کہ آپ کی ولادت صوبہ عراق کے معروف شہر انبار میں ہوئی، اور بعض کی رائے یہ ہے کہ آپ صوبہ خراسان کے شہر نسا میں پیدا ہوئے البتہ امام اعظم کی ولادت کے بارے تمام مؤرخین کا اتفاق ہے کہ آپ کوفہ میں پیدا ہوئے تھے۔

۲- امام اعظم کے بارے میں بشارات نبویہ

(۱) امام خوارزمی نے جامع السانید میں اپنی سند متصل کے ساتھ نقل فرمایا ہے کہ
عن اسی ہرمیۃ رضی اللہ عنہ قال لال رسول اللہ ﷺ سبکون
فی امتی رجل یقال له ابو حنیفۃ ہو سراج امتی یوم القیامۃ
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہوئے
فرمایا کہ مقرب میری امت میں ایک شخص ہوگا جس کو ابو حنیفہ کہیں گے اس کو قیامت کے دن
میری امت کا سردار ہونے کا شرف حاصل ہوگا۔

اسی لئے امت کے عوام و خواص میں امام صاحب کا لقب سراج الامۃ مشہور اور معروف

ہے۔

(۲) و متنا ایضا (سبکون رجل یقال له نعمان بن النابت و یکنی بابی

حنیفۃ یحبہ دین اللہ و سنتی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ من قریب میری امت میں ایک ایسا شخص پیدا
ہوگا جس کو نعمان بن نابت سے کہا جائے گا اور جس کی کنیت ابو حنیفہ ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے دین اور
میری سنت کو زندہ کر دے گا۔

اور اسی حدیث کی بناء پر ایک مجلس میں امام جعفر الصادق نے آپکو دیکھ کر فرمایا 'آپ تو

میرے ۲۲ کے دین اور اس کی سنت کو زندہ کرنے والے ہو۔

(۳) (وَمَا يَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُرَىٰ كُلُّ قَوْمٍ مِّنْ أَتَقِي سَابِقُونَ وَاٰنُو حٰثِلُوۡہٗ)

سابق (زماقبہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری امت میں سابقین ہوا کریں گے اور ہونید اپنے زمانے کے سابقین میں سے ہونگے۔

سابق ایک لقب ہے جس سے مراد ایسے لوگوں کی جماعت ہے جو در نبوی میں پیدا ہوئیں مگر روز قیامت انکو انبیاء کرام یا صحابہ عظام کی جماعت میں اٹھایا جائے گا: عام صوفیاء کے ہاں اس مقام کا نام صدیقیت ہے اور یہ سستی اپنے زمانے کے لوگوں کے لئے حلی اللہ، معیار حق، اور بقول امام شاہ ولی اللہ: آکر چارہ ہوتے ہیں: اور فقہائے کرام کی زبان میں ان کو محد دکتے ہیں: اللہ تعالیٰ ہمیں اماما عظم، مسیت اپنے زمانے کی عظیم سستی کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ان کی محبت اور ساتھ بھی نصیب فرمائے:

نوٹ: اگرچہ علماء کے عام اور خاص طبقہ میں ان احادیث پر جرح بھی کی جاتی ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ یہ جرح موجودہ دور کا فیشن بن چکی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ علم فقہ کے معروف امام علامہ شامی نے اپنی معروف تصنیف رد المحتار میں ان احادیث کی درایتاً توثیق فرمائی ہے: اور سند کے لحاظ سے چھٹی صدی کے معروف امام، اور اماما عظم کی چارہ مسانید کے مدقن مولیٰ ملام خوارزمی نے اپنی کتاب جامع المسانید میں تمام اسناد کے ساتھ ان کی توثیق بھی جان فرمائی ہے۔

قرآن کریم کی آیت کی رو سے

(وَالْمُهَلُّوۡا فِیۡ عَدَلٍ مِّنْکُمْ)

اور تم اپنے میں سے دو دھل والوں کی گواہی لے لیا کرو

آیت کہ یہ ضابطہ مذکور احادیث کی توثیق کے لئے کافی ہے۔

جب صورت احوال یہ ہو تو علمائے احناف پر لازم ہے کہ مذکورہ بالا دونوں ہستیوں علامہ شامی اور علامہ خوارزمی کی بات پر کان دھریں: یا پھر اسی مرتبہ کے علماء سے اس کے خلاف پر دلیل قائم کریں: باقی رہا مسئلہ ملاحی القاری کا تو انہوں نے ان احادیث کی اسناد میں زیادہ سے زیادہ ضعف ثابت کیا ہے اور بس، ورنہ ان احادیث کی اسناد کے طرق جمع کئے جائیں تو وہ ضعف بھی ختم ہو جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حرفہ تفصیل کے لئے ہماری کتاب الانعام فی سیرۃ الامام ملاحظہ فرمائیے۔

۳- امام صاحب کے اخلاق و اطوار:

امام اعظم کے بارے میں لکھنے والے تمام ائمہ کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ چہرے کی خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھے: جس پر امام صاحب کے گندی رنگ نے اور بھی چار چاند لگا دئے تھے، امام صاحب کے قد اور سر پہ مبارک میں اعزہ کرام کا اختلاف ہے، بعض کا کہنا ہے کہ آپ میانہ قد والے تھے اور بعض کا کہنا ہے کہ آپ کا قد مبارک قد رہے لہذا: لیکن پہلی بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے:

کیونکہ عموماً چھوٹے قد والے آپکو دراز قد، اور لمبے قد والے آپکو میانہ قد بیان کرتے تھے اصل بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اللہ تعالیٰ نے آپکو اتنا حسین قد مبارک دیا تھا کہ چھوٹے قد والا دیکھے تو دراز قد نظر آئے اور لمبا قد والا دیکھے تو قد مبارک سمجھ نظر آتا تھا اور ہم نے جب حضرت امام صاحب کی خواب میں زیارت کی، اور زیارت میں حضرت امام اعظم سے علم کلام کے موضوع پر تصنیف و تالیف اور تدریس کے حوالے سے کام کرنے کی بالمشافہ اجازت حاصل کی تو اس وقت امام اعظم واقعی ایسے میانہ قد والے تھے، کہ نہ تو کسی شخص کو آپ سے لمبا کہا جاسکتا ہے: نہ تو یہی کسی کو آپ کے برابر قد والا کہا جاسکتا ہے۔

۴- امام صاحب کی صفات جمیلہ:

امام صاحب فطرتاً تا موش طبع، اور کم گو تھے، بہت ہی زیادہ کریم اخلاق والے، اور

اپنے دوستوں اور برائی بھائی بندوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرنے والے تھے۔ لوگوں کے ساتھ ایسے بہترین انداز میں گفتگو فرماتے کہ جس سے ایک بار بات کرتے اس کا دل سودا لیتے تھے۔ انداز تکلم میں خاصا تھی جو شخص بھی ایک بار آپ کی بات سنتا بس سنتا ہی چلا جاتا اور پوری صحبت میں اس کا بہت اور عقلی محسوس نہ کرتا تھا۔

امام اعظم سے جب کوئی سائل سوال کرتا یا کوئی طالب علم آپ سے علم کی کوئی بات معلوم کرتا تو آپ کے جواب محتاط فرماتے ہوئے ہوں لگتا تھا جیسے کسی وادی میں پانی کا بند ٹوٹ جانے سے پانی بہنے لگا ہو۔

آپ کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جس بات کی ضرورت نہ ہو بلا وجہ اس میں دخل دیں بلکہ لایحیٰ کی طرف آپ بالکل متوجہ نہ ہوتے تھے: اللہ تعالیٰ نے آپ کو دافر عقل عطا فرما کر خاص انعام فرمایا تھا۔

آپ مضبوط فکر اور صاحب الرائے اور صحیح سوچ کے مالک تھے۔ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ عبادت کثرت سے کیا کرتے: اور علامۃ الناس کے ساتھ بہت کم بحث و مباحثہ اور عقل و قائل فرماتے تھے، اکثر اوقات کو کثرت عبادت کی وجہ سے آپ آرام نہ فرماتے تھے اور آپ کی ساری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اور عاجزی و ذماری کرتے ہوئے گزرتی تھی۔ امام فضیل بن عیاض:

حضرت امام اعظم کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: امام صاحب ایک ایسے عقیدہ تھے جو فقہ اور فقاہت میں اپنا جانی نہیں رکھتے تھے: اور تقویٰ و پرہیزگاری میں یکنائے روزگار ہستی تھے: مال میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوب وسعت دی تھی: اور عبادت کے اس مرتبہ پر قائم تھے کہ جو شخص بار بار آپ کے پاس مانگنے کے لئے آتا آپ اس پر بھی فضل اور سخاوت فرمانے سے نہ اسکتے تھے: اور حصول علم اور مطالعہ میں اسے مستقل حرا ج کہ رات دن جب دیکھو آپ کا یہ مشغلہ اور مصروفیت ہوتی تھی بلکہ بہت زیادہ خاموش طبع اور کم گو شخصیت کے مالک تھے۔

۵۔ امام صاحب کا تابعی ہونا:

اس بات پر ائمہ امت کا اجماع ہے کہ امام صاحب نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک بڑی جماعت کو دیکھا تھا؛ جن میں سے خاص طور سے قابل ذکر مندرجہ ذیل صحابہ کرام ہیں:

۱۔ حضرت انس بن مالک کو بصرہ شہر متحدہ بار دیکھا جنگی وفات کا سال ۹۲ ہجری ہے۔ اور اس وقت امام صاحب کی عمر مبارک ۱۳ برس کی تھی؛ اور امام صاحب نے ان سے ایک حدیث بھی روایت کی ہے جو ان کی حدیث کی کتاب جامع المسانید میں تمام صحیح استاد کے ساتھ موقوف اور ہماری تصنیف عشرین لابی حنیفہ میں مذکور ہے فرمایا:

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم

علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے

۲۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کو کوفہ شہر میں دیکھا جنگی وفات ۸۷ء ہے اس وقت آپ کی عمر مبارک سات برس کی تھی۔

۳۔ حضرت داؤد بن الاسود کو دیکھا جن کی وفات ۸۵ء ہے۔ اس وقت آپ کی عمر مبارک پانچ برس تھی۔

۴۔ اور سب سے معمر صحابی رسول حضرت ابو طفیل حاصر بن داؤد الدوسی کو مکہ مکرمہ میں کئی بار دیکھا جن کی وفات ۱۲۰ء میں ہوئی، اور اس وقت آپ کی عمر مبارک ۴۰ برس تھی؛ امام صاحب نے اپنی زندگی میں ۵۰ حج کو افرمائے تھے؛ جن میں غالب قیاس اس بات کا ہے ۴۰ برس امام صاحب نے صحابی رسول ابو طفیل سے ملاقات فرمائی ہوگی۔

اب اگر کوئی مؤرخ اپنی تصنیف میں اس بات کو تذکرہ نہ کرے تو یہ ملاقات کے وقوع میں شک نہیں پیدا کر سکتا، البتہ یوں کہا جائے گا کہ مؤرخ کی رسائی اس بات تک نہ ہو سکی کہ وہ اس بات کو بصرہ عام پر لانے کے لئے نقل کرتا۔

۵۔ حضرت جابر بن عبد اللہ کی زیارت کا شرف حاصل کیا اور یہ معروف حضرت

جابر کے علاوہ صحابی تھے اور ان کی وفات امام صاحب کے پیدہ ہونے کے بعد ہوئی تھی۔

۶- حضرت عبداللہ بن الحارث بن الجوزاء الریہدی کو ۹۳ ہجری دیکھا اس وقت آپ کی عمر مبارک تیرہ برس تھی اور آپ نے حضرت عبداللہ سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔
قال رسول اللہ ﷺ من لفظہ فی ذہن اللہ کلفہ اللہ عز وجل

ورزقہ من حیث لا یحسب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین میں دانائی حاصل کرتا ہے: اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہو جاتے ہیں، اور اس کے رزق کا بندوبست ایسے طریقہ اور جگہ سے فرماتے ہیں جہاں سے کوئی گمان بھی نہ کر سکے۔

۷- اور حضرت عمر بن الحریث کی زیارت کی جو ۸۹ھ میں فوت ہوئے۔

۸- اور حضرت اہل بن سعد الساعدی کی مدینہ طیبہ میں زیارت کی جنگی وفات ۹۸ھ

بمقام مدینہ ہے۔

۹- اور حضرت سائب بن غلہ بن سید کی زیارت کی جو ۹۱ھ میں فوت ہوئے۔

۱۰- اور حضرت سائب بن یزید بن سائب کی زیارت کا شرف حاصل کیا جنگی وفات

۹۲ھ میں ہوئی تھی۔

۱۱- اور حضرت محمود بن رفیع کی زیارت فرمائی جو ۹۹ھ میں فوت ہوئے تھے۔

۱۲- اور حضرت محمود بن لبید کی زیارت کی جنگی وفات ۹۶ ہجری میں ہوئی تھی۔

۱۳- اور حضرت معقل بن یسار کی زیارت کی ہے۔

۱۴- اور حضرت عائشہ بنت عمر کی زیارت اور ان سے حدیث روایت کرنے کا

شرف بھی حاصل کیا۔

اسی بناء پر بعض ائمہ کرام کا کہنا ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کی بہت بڑی جماعت کی زیارت کا شرف حاصل کیا، اور ان سے روایات بھی لیں ہیں۔

امام صاحب نے جو روایات صحابہ کرام سے نقل فرمائی ہیں وہ جامع المسانید میں اپنی

تمام اسناد کے ساتھ موجود ہیں جن کی اسناد کی توثیق بھی امام خوارزمی نے وہاں نقل فرمائی ہے : اور ملا علی القاری نے امام صاحب کی صحابہ کرام سے نقل کی گئی احادیث پر مشتمل ایک رسالہ الاربعین بھی مرتب فرمائی ہے، اور ہم نے صرف متن کا اعتبار کرتے ہوئے انہی کو مشرین کے نام سے نقل کیا ہے اور انہی کو اگر اسنادی طریق کے ساتھ جمع کیا جائے تو ان کی تعداد ایک سو سے زیادہ بن جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے امام صاحب کو عظام تابعین میں شمار کیا جاتا ہے اور یہ صرف امام صاحب کے علاوہ کسی دوسرے امام کے لئے ثابت نہیں ہے۔

اور علامہ ابن ندیم رحمہ اللہ نے اپنی معروف زمانہ تصنیف فہرست میں فرماتے ہیں کہ امام صاحب تابعین میں سے تھے، اور آپ کی ملاقات کلی صحابہ کرام سے ہوئی تھی، اور امام صاحب بڑے درجہ کے متقی اور پرہیزگار لوگوں میں سے تھے۔

اور ابن سعد اپنی کتاب طبقات میں ایسی سند کے ساتھ جو درجہ لائے اس پہ میں ہے نقل فرماتے ہیں کہ ائمہ کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ امام ابوحنیفہ نے صحابی رسول حضرت انس بن مالک کو ایسے وقت میں دیکھا تھا کہ ابھی صحابہ کرام کی ایک جماعت بید حیات تھی۔

اور عظیم محدث امام خوارزمی کا فرمان ہے کہ علماء امت اس بات پر متفق ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کی ہیں، مابت ان صحابہ کی تعداد میں اختلاف ہے جن کی آپ نے زیارت فرمائی تھی۔

اور اسی لئے قاضی القضاۃ محمد بن احمد سراج حنفی فرماتے ہیں

أبو حنیفۃ زین العابدین روي عن جابر وأبن جزء، والرضی انس ومفضل، وحريص، وواللقو بنت عجرد، علم الطین قیس
اور کسی اور امام نے اس کو اردو میں یوں نقل فرمایا ہے:

ابوحنیفہ کی بلند ہے تابعین سے شان
کیا ہے نقل علم ابن مالک جابر وبن جزء سے

معظم حرجی و ربطہ " اصحاب کی جماعت سے
اور بنت عمرؓ بن میں ہے جن سے لیا علم نبی

۶۔ امام صاحب کے اساتذہ کرام:

امام اعظم کے اساتذہ کی تعداد کے بارے میں زیادہ اختلاف نہیں بلکہ اکثر ائمہ نے یہ
تعداد تین سے چار ہزار مشائخ اور بعض نے اس سے بھی زیادہ بتائی ہے جن سے آپ نے
کسب فیض کیا لیکن ایک بات واضح ہے کہ امام اعظم نے جن سے کسب علم و فیض کیا تھا ان کی
تعداد ہزاروں میں تھی۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علم حدیث کے امام تھے:
اور آپ نے چار ہزار سے زیادہ ائمہ و تابعین کی جماعت سے علم حدیث کا کسب فیض کیا تھا۔

۷۔ امام صاحب کے بارے میں ائمہ امت کی آراء:

امام ابو مطیع علی فرماتے ہیں:

ایک دن کوفہ کی جامع مسجد میں امام ابو حنیفہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ آپ کے پاس
امام سفیان ثوری اور مقال بن حیان اور حماد بن سلمہ اور جعفر صادق جیسے عظیم القدر فقہاء کی
جماعت آئی، اور انہوں نے امام ابو حنیفہ سے بحث و مباحثہ شروع کر دیا۔

وہ کہنے لگے کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ دین کے معاملات میں اپنی رائے کو بڑی ترجیح
دیتے ہیں؟ اور اس کے حلقے میں آپ کے بارے میں بڑی پریشانی ہے؟ اور ہم اللہ تعالیٰ
سے آپ کے بارے میں بڑا ڈرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کسی آزمائش میں نہ مبتلا
کر دے؟ کیونکہ یہ اپنی رائے کو ترجیح دینے کا طریقہ تو شیطان کا ایجاد کردہ ہے اور آپ کے
اس عمل میں شیطان کی اتباع نظر آتی ہے؟

من کی اس بات پر امام صاحب نے من سے مناظرہ کیا اور تفصیلی بات چیت کی، جس کا
دورانیہ جمعہ کے دن صبح سے زوال تک جاری رہا، اور امام اعظم نے من سب کے سامنے اپنے
مذہب کی ساری حقیقت واضح فرمائی کہ ان کے سامنے پتا چڑھتا ہے تحقیق بیان کرتے ہوئے فرمایا:

(۱) میں کسی بات کا حکم معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے کتاب اللہ کو مقدم کرتا ہوں
(۲) اگر وہی سے کوئی بات معلوم نہ ہو سکے تو سنت نبویہ کو پیش نظر رکھتا ہوں اور اگر وہی سے بھی
بات واضح نہ ہو سکے تو (۳) اس کے بعد صحابہ کرام کے فعل کو دیکھتا ہوں، اور صحابہ کے فعل میں میرا
طریقہ یہ ہے کہ جس بات پر صحابہ کرام کا اتفاق ہوا اس کو مقدم کرتا ہوں اس بات سے جس میں
ان کا آپس میں کسی معاملے میں اختلاف ہوا ہو ماوراء فرمایا کہ یہ میرا طریقہ قیاس ہے۔
یہ تھمیلی بات سننے کے بعد سب کھڑے ہوئے اور آپ کے ہاتھ اور گھٹنے چومے، اور
سب نے لٹکے آپ سے یہ التماس کی کہ آپ علاء کے سردار ہیں ہمیں وہ ساری باتیں معاف
فرماتا جو آپ کے بارے میں ہم سے سبقت لسانی ہوئی ہے، کیونکہ وہ سب کچھ بغیر علم کے اور
کسی سنائی باتوں کی وجہ سے ہوا ہے۔

امام صاحب نے فرمایا:

غفر اللہ لنا ، ولکم اجمعین

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تم سب کو بھی معاف فرمائے آمین!

اور امام یحییٰ بن ربیع فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ایسی باتوں کے سب سے
زیادہ جاننے والے تھے جو بحال وقوع پذیر نہیں ہوئی ہیں۔

اور امام یحییٰ بن یحییٰ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ
علیہ وسلم کی باتوں کو سب سے زیادہ جاننے والی شخصیت کا نام امام ابوحنیفہ ہے۔

۸- امام صاحب کے علاوہ:

امام ابن حجر فرماتے ہیں کہ بعض ائمہ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے جتنے علما اور اصحاب کی کثرت امام اعظم کو عنایت فرمائی اتنی اسلام کے
مشہور ائمہ میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوئے بلکہ نہ ہی امت کے اکثر لوگ علمی لحاظ سے کسی
شخصیت سے اتنے مستفید ہوئے ہیں جتنے امام اعظم اور آپ کے اصحاب اور علما سے علمی
لحاظ سے مستفید ہوئے ہیں۔

اور اسی لئے امام محمد بن اور یس شافعی فرماتے ہیں
 الناس في الفقه عيال لابي حنيفة رحمه الله عليه
 لوک علم فقہ میں امام صاحب کے عیال و بولاد کی مانند ہیں

۹- امام صاحب کا زہد اور تقویٰ:

امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ
 امام ابوحنیفہ علم اور ورع، زہد اور آخرت کے معاملات کو دنیا کے معاملات پر ترجیح دینے
 کے لحاظ سے ایسے مقام پر فائز تھے کہ کوئی ان کے مقام تک نہیں پہنچ سکا۔
 امام عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا کہ:

ليس احد احق من ان يقعدى به من ابي حنيفة لانه كان
 اماماً تلياً للقياد ورعاً عالماً فقيهاً:

دنیا میں کوئی شخص امام ابوحنیفہ سے بڑھ کر ایسا نہیں کہ اس کی امتداد کی جائے؛ کیونکہ وہ
 امام تھے، پاکیزہ تھے، متقی تھے، پرہیزگار تھے، عالم تھے، ماورقہ تھے۔
 اور امام سفیان ثوری کے پاس جب بھی کوئی آکر یہ کہتا میں امام ابوحنیفہ کے پاس سے
 آیا ہوں تو آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے:

لقد جئت من اهل اهل الارض

تو بلاشبہ ایک ایسی ہستی کے پاس سے آیا ہے جو صفو ہستی پر سب سے زیادہ عبادت
 گزار ہے:

اور امام ولی اللہ بن عمر یزیدی نے فرمایا:

فانه (ابوحنيفة) كان عالماً عاملاً ورعاً زاهداً عابداً معلماً في
 العلوم الشرعية :

بلاشبہ امام ابوحنیفہ عالم باعمل تھے متقی زہاد اور عابد تھے اور تمام علوم شرعیہ میں امامت
 کے درجے پر فائز تھے۔

۱۰۔ امام اعظم اور علوم شرعیہ:

امام اعظم بن تمام علوم شرعیہ عظیمہ اور کتبہ کے عالم تھے جس کی اس زمانے میں ضرورت ہو سکتی تھی اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے متعدد ائمہ کرام نے جو ارشادات عالیہ فرمائے ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

اور امام ولی الدین حمیری نے فرمایا:

لما نہ (ابو حنیفہ) کان عالماً، عاملاً، ورعاً، زاهداً، عابداً،

اماماً فی العلوم الشرعیہ

بلاشبہ امام ابو حنیفہ عالم باعمل تھے متقی زاہد اور عابد تھے اور تمام علوم شرعیہ میں مامست کدر بے پناہ تھے

امام اعظم کی وسعت علمی کے گن گاتے ہوئے امام ابن حجر کی فرماتے ہیں:

احقر من ان تصوم من ذلک ان ما حنیفہ لم یکن له خبر نامة

بغير الفقه، حاشا لله کان فی العلوم الشرعیہ من التفسیر و

الحديث والالہ من العلوم الادبیة والمفایس الحکمیة بحرأ

لا یجاری و املاً لا یملی .

اس بات سے پرہیز کرو کہ تم یوں کہنے لگو کہ امام اعظم کو علوم فقہ کے علاوہ کوئی مطومات نہ تھیں، ایسا جملہ بھی نہ نہ لانا، بلکہ آپ علوم شرعیہ میں علوم تفسیر میں علوم حدیث میں تو امام تھے ہی، لیکن علوم ادبیہ میں علوم قیاسیہ میں اور علوم حکمیہ میں آپ ایک ایسے عجبے کراں تھے کوئی اس کی برابری نہیں کر سکتا اور امامت کے ایسے منصب پر فائز تھے کہ کسی کو اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا۔

اور ابن ندیم نے فرمایا:

العلم براً وبحراً، شرقاً وغرباً، قرباً وبعداً من جلمہ رضى الله

عنه

فنگلی اور تری کے، مشرق و مغرب کے، اور دور و نزدیک کے تمام علوم آپ کے ہماری کئے ہوئے فیض کا نتیجہ ہیں۔

۱۱- امام اعظم دینی علوم کے پہلے مدون ہیں:

تدوین علوم کے لحاظ سے امام اعظم دو پہلی ہستی ہیں جنہوں نے علوم شریعہ میں نہ صرف علم حدیث علم فقہ اور علم تفسیر اور علم قرأت بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت سارے علوم کی بنیاد رکھی تھی، لہذا اس کے بارے میں متعدد ائمہ کرام کے اقوال ہیں جن میں چند ایک بطور نمونہ مندرجہ ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں

صدر الامر نے ارشاد فرمایا:

ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ اول من دون علم هذه الشریعة لم

یسبقہ احد ممن قبلہ

امام ابو حنیفہ پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے اس شریعت اسلامیہ کے علقہ علوم کو سب سے پہلے مدون کیا ہے، بطور آپ سے پہلے کسی کو اس بارے میں بہت نصیب نہیں ہوئی۔

امام ابوالیسر محمد بزدوی فرماتے ہیں:

ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ تعلم هذا العلم (الکلام) و کان

ینظر مع المعتزلة ، و مع جمیع اهل البدع ، و کان یعلم

اصحابہ فی الابداء ، و قد صنف فیہا کتباً و وقع بعضها الیہا و

عامتها محلها و غسلها اهل البدع و الزیغ (طی) و قاع القاتار حین

غلبوا علی البہداد) و مما وقع الیہا کتاب العالم و المعلم و

کتاب الفقه الاکبر

امام ابو حنیفہ علم کلام لوگوں کو سکھایا کرتے تھے اور معتزلہ اور تمام اہل بدعت کے ساتھ

آپ مناظرے بھی کیا کرتے تھے، اور ابتداء میں اپنے شاگرد کو اس بات کی تعلیم بھی دیا

کرتے تھے، اور آپ نے بہت ساری کتب بھی تصنیف فرمائی تھیں جن میں سے بعض تو

ہیں پہنچ گئیں اور ان میں سے اکثر اہل بدعت اور گمراہ لوگوں نے پانی میں دھو دیں یا مٹا دیں
 تھی (شاید یہ واقعہ تاریخوں کے عراق پر قبضے کے وقت پیش آیا ہو یا اس سے پہلے ایسا ہوا
 ہو) اور ان کی تصانیف میں سے جو کتابیں ہمارے ہاتھ لگی ہیں ان میں سے العالم والکھلم اور
 فقہ اکبر ہیں۔

امام موفقؒ کی فرماتے ہیں:

ان ابا حنیفہ اول من دون علم الشریعۃ ورتبہ ابو ابراہیم
 بلاشبہ امام ابو حنیفہؒ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علوم شریعہ کو ابواب کی صورت میں مرتب
 کیا تھا۔

امام زین بن نجیمؒ فرماتے ہیں:

ولذا انصف الشافعی حث لال من اراد ان یتبحر فی القفۃ
 فلینظر الی کتب ابی حنیفہ ان لم یکن للامام کتباً فلیأخذ
 بشیر الامام الشافعی۔

اسی لئے امام شافعیؒ نے انصاف کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص علوم فقہ میں مہارت
 حاصل کرنا چاہے اس کو چاہئے کہ وہ امام اعظمؒ کی کتب کا مطالعہ کیا کرے، اور اگر امام اعظمؒ کی
 کوئی کتاب ہی نہیں تھی تو امام شافعیؒ کس کتاب کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔

۱۲۔ امام اعظمؒ کا امت میں مقام و مرتبہ:

امام زین بن نجیمؒ اپنی کتاب الاشیاء والنظار میں ابن ابی شیبہؒ سے اور وہ امام حنبلہؒ سے
 نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وهو (ابو حنیفہ) كالصديق رضى الله تعالى عنه له اجر واجر من
 دون الفقه، ولفه وفرع احكامه على اصوله الى يوم القيامة،
 وقال محمد بن علي الرضا (علي حاشيته) وجه شبه بينهما ان كلا
 منهما ابتداء امر لم يسبق اليه، وذلك ان ابا حنیفہ ابتداء تدوين

الفقہہ وکان قبلہ محظوظا فی الصدور؛ واہو بکر رضى الله عنه
ابتدا بجمع القرآن بعد وفاته صلى الله عليه وسلم بمشورۃ
عمر رضى الله عنه؛ ولعل وجه الشبهة بينها ان الصديق اول
من آمن من الرجال، واما حنبلة لاول من دون الفقه،

امام ابوحنيفہ کی مثال حضرت ابو بکر صدیق کی مانند ہے علوم فقہا کا اجرا اور اس کی تدوین کا
اجرا آپ کے لئے ہے اور جو شخص اس کی تالیف کرے گا اور قیامت تک جو ان کی فروعات پر
احکامات کو مرتب کرے گا اس کا اجر بھی آپ ہی کو ملے گا،
اس عبارت پر علامہ فقی نے حاشیہ میں لکھا ہے:

حضرت ابو بکر صدیق اور امام ابوحنیفہ دونوں میں وجہ مناسبت یہ ہے کہ آپ دونوں کے
ہاتھوں سے اللہ تعالیٰ نے ایسے کاموں کی ابتدا فرمائی ہے جو کوئی اور نہیں کر سکا، ان میں سے
ایک تو یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے سب سے پہلے علوم فقہ کو مدون کیا ہے جبکہ اس سے پہلے یہ
انسانوں کے سینوں میں محفوظ تھی مابقی طرح حضرت ابو بکر رضى الله عنه نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عمر رضى الله عنه کے مشورے سے قرآن کریم کو جمع کرنے
کی ابتدا فرمائی، اور اس کے بارے میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ ان دونوں حضرات کے
درمیان مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر آدمیوں میں سب سے پہلے ایمان لائے
اور امام ابوحنیفہ عظیم فقہ کو مدون کرنے والے پہلے شخص تھے۔

۱۳- امام اعظم بہت ساری کتب کے مؤلف ہیں:

وقال مہد اللہ بن السہارک فرماتے ہیں:

کُتِبَتْ کُتُبُ اِھِی حَنْبَلۃ غَیْر مَرۃ کَلَّمَا کَانَ یَقِیعُ لَھِا زَیَادَاتُ
فَاکْتَبَھَا

میں نے امام ابوحنیفہ کی کتب کی مرتبہ تحریر فرمائی تھیں جب بھی اس میں کوئی اضافہ ہوتا

تھا میں ان کو لکھ لیا کرتا تھا:

اقول محمد بن سلیمان فرماتے ہیں۔

ان لئلام ذکر فی تصانیفہ نیفا و سبحین الف حدیث ؛ و انتخب

الآثار من اربعین الف حدیث

یادشہ امام صاحب کی تصانیف میں ستر ہزار سے زیادہ احادیث مندرج تھیں اور ان کی احادیث میں سے آثار نامی کتاب چالیس ہزار احادیث پر مشتمل تھی۔

واقول صدر الامامہ اسکی فرماتے ہیں۔

و انتخب (ابو حنیفہ) الآثار من اربعین الف حدیث ؛ و هو غیر

کتاب الآثار لمحمد بن الحسن الشیبلی

امام ابو حنیفہ نے اپنی کتاب الآثار میں چالیس ہزار احادیث نقل فرمائی تھیں اور یہ کتاب الآثار محمد بن حسن شیبانی کے علاوہ تھی۔

امام صحری الیضیم سے سند متصل کے ساتھ نقل فرماتے ہیں:

أقول من کتب کتب ابی حنیفہ اسد بن حمیر

پیدا وہ شخص جس نے امام ابو حنیفہ کی کتب لکھی تھیں وہ اسد بن حمیر تھے

علامہ الفکری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فان قلت لیس لابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کتاب مصنف ؟

قلت: هذا كلام المعترلة ، ودعواهم انه لیس له فی علم الکلام

تصنیف ، و غرضهم بذلك ظنی ان یکون الفقه الاکبر و کتاب

العالم والمتعلم له ، لانه صرح فيه بأكثر لواعده اهل السنة

والجماعة ، ودعواهم انه کان من المعترلة . وذلك الکتاب

لابی حنیفہ البخاری لاله . وهذا غلط صریح ، فانی رأیت بخط

العلامة مولانا خمس الملة والدين الكردی العمادی هذین

کتابین و کتب لهما لابی حنیفہ وقالوا تواطأ علی ذلك من

المشاہخ ، ومن تصانیفہ کتاب الوصیۃ لاصحابہ فی مرض

الموت وقد شرحہ الفقہ الاکبر وفی ضمنہ وصایاہ

اگر تو یہ کہے کہ امام ابوحنیفہ کی تصنیف کردہ کوئی کتاب نہیں؟

تو میں جواب میں کہوں گا یہ کلام تو معزول کا ہے بلکہ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی تصنیف شدہ کوئی کتاب نہیں ہے اور ان کی اس بات سے غرض یہ ہوتی ہے وہ امام اعظم کی کتاب فقہ اکبر اور العالم والمعلم کی امام صاحب کی تصنیف ہونے سے نفی کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ان کتب میں اہل السنۃ والجماعت کے اکثر اصول و قواعد کو مرتب کیا گیا ہے جبکہ معزول کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ معزول تھے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ کتاب ابوحنیفہ بخاری کی تصنیف ہے۔ اور یہ بات بالکل غلط ہے

کیونکہ میں نے خمس الملۃ والدین علامہ برہن علی عبادی (صاحب بدایہ کے شاگرد ہیں، سن ۵۵۹ھ ہے۔ ایک معجز فقیہ اور محدث تھے) کے ہاتھ سے ان دونوں کتابوں پر لکھا ہوا دیکھا تھا کہ یہ دونوں کتابیں ابوحنیفہ کی ہیں اور مشائخ کا اسی بات پر زمانوں سے اتفاق چلا آتا ہے۔ اور امام صاحب کی تصانیف میں سے کتاب الوصیۃ بھی ہے جو آپ نے مرض الموت میں تحریر فرمائی تھی اور میں نے جو فقہ اکبر کی شرح لکھی ہے اس کے ضمن میں امام صاحب کی وصایا کی شرح بھی لکھ دی ہے۔

امام ابو الیسر محمد بزدوی اپنی کتاب اصول الدین میں فرماتے ہیں:

وقد صنف (الامم) فیہا (علم الکلام) کما وقع بعضها الینا .

وعانتہا محھا وغسلہا اهل البدع والزیغ ومما وقع الینا کتب

العالم والمعلم ؛ و کتاب الفقہ الاکبر

آپ نے علم کلام میں بہت ساری کتب بھی تصنیف فرمائی تھیں جن میں سے بعض تو ہمارے ہاتھ لگ گئی ہیں بلکہ ان میں سے اکثر اہل بدعت اور گمراہ لوگوں نے پانی میں دھو دیں یا مٹا دیں تھی اور ان کی تصانیف میں سے جو کتابیں ہمارے ہاتھ لگی ہیں ان میں سے

العالم والحکم اور فقہ اکبر ہیں۔

مفتی عبید اللہ فرماتے ہیں:

حکمی بعض الثقات اهل العلم صاحب التصانيف عن الامام

الروزنجانی الحنفی انه قال فی شرح الہزدوی:

ان الامام ابا حنیفۃ رحمہ اللہ علیہ صنف ۱: کتاب العالم

والمستعلم ۲: کتاب الرسائلہ وهو کتاب بعثہ الی عثمان من

اصحابہ ۳: و کتاب الفقہ الاکبر ۴: و کتاب المقصود فی

(علم) الصرف ؛ ویزید علی ذلک ، ۵: کتاب الوصایاء..... فی

العقائد ۶: والرصیۃ لہ لامام ابی یوسف التي نقلها صاحب

الاشیاء والنظارہ تماماً ؛

بعض محدث اہل علم صاحب تصانیف لوگوں نے امام زرخانی حنفی سے نقل کیا ہے کہ وہ

شرح ہزدوی میں فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے جو کتابیں تصنیف فرمائی تھیں ان میں کتاب

العالم والحکم، کتاب الرسائل جو آپ نے عثمان غنی کے نام ارسال کیا تھا، اور کتاب فقہ اکبر اور

علم الصرف میں کتاب المقصود، اور بعض اہل علم نے اس کے علاوہ کتاب الوصایاء..... علم

عقائد میں، اور وصیت نامہ امام ابو یوسف جس کو صاحب الاشیاء والنظارہ نے پورا نقل کر لیا

ہے۔

۱۳- امام اعظم کی تالیفات:

امام صاحب کی مختلف علوم میں متعدد تصانیف ہیں جن میں کچھ مطبوعہ اور کچھ غیر مطبوعہ

ہیں؛ جیسا کہ بحکم المستعین میں ہے؛ کہ جان لو کہ امام صاحب کی تصانیف علم کلام میں ہیں

، اور فقہ حدیث، صرف، وغیرہ میں بے شمار ہیں؛ جسکا اجمالی خاکہ مندرجہ ذیل میں پیش کیا

جاتا ہے

۱- کتاب الاثر: یہ کتاب امام محمد بن حسن شیبانی کی کتاب الاثر کے علاوہ ہے۔

۲- الفقه الاکبر: یہ کتاب امام حماد بن امام اعظم ابو حنیفہ کی روایت سے منقول ہے آج کل ایک طبقہ ملا میا ہے جو اس کے امام صاحب کی تصنیف ہونے سے ان کا رویہ ہے:

یہ کتاب مطبوع و معروف ہے اس کے متعدد نسخے ہیں جن میں عبارات کے لحاظ سے بہت معمولی سا فرق ہے اور ان میں سے زیادہ بڑا مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کا مسئلہ ہے جس کو ہم نے حاشیہ میں واضح کر دیا ہے۔

اور اس کی بے شمار شروحات ہیں جن میں بعض بڑے بڑے ائمہ کرام نے لکھی ہیں جس وقت نہ تو اس کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت اور نہ ہی اس کے امام صاحب کی تصنیف کے ثبوت کے بارے میں اس موقع پر بحث کی ضرورت ہے۔

اس مسئلے میں ائمہ کرام کی ارا کا حکم اجماع کا موجب دیکھتا ہے۔

۳- الفقه الاکبر یا الفقه الاوسط: یہ رسالہ امام ابو مطیع علی کی روایت سے منقول ہے (اور اصل میں یہ کتاب الفقه الاوسط ہے اور اس رسالہ کی حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک مکالمہ ہے امام صاحب اور آپ کے کلیل ابو مطیع حکم بن عبد اللہ علی کے درمیان ہوا تھا: اور اس زمانے کے طریق تقسیم میں سے ایک طرح تعلیم تھا: جس کو بعد میں مدون شکل میں پیش کر دیا گیا تھا۔

۴- کتاب الرد علی القلوبہ: یہ رسالہ حال غیر مطلوبہ شکل میں ہے اور بعض اہل کتاب کے بارے میں کہنا یہ ہے کہ یہ الفقه الاوسط کا ہی دوسرا نام ہے۔

۵- العالم والمستعلم: اس کتاب کے ردوی اور بطور محکم پیش ہونے والی شخصیت کا نام ابو مقاتل حفص بن سلیمان سرقدی ہیں۔

۶- کتاب الوصیہ: یہ عام مسلمانوں کے لئے آپ نے اپنے آخر وقت میں تحریر فرمایا تھا۔

۷- الوصیہ: یہ آپ نے امام ابو یوسف التوفی ۱۸۲ کے نام تحریر فرمایا تھا مشہور اور مطبوع اور متداول ہے۔

۸- الوصیہ: یہ رسالہ امام صاحب نے اپنے شاگرد امام یوسف بن خالد سستی حنفی ۱۸۹ کے نام تحریر فرمایا تھا مطبوع

۹- الوصیۃ : جو آپ نے اپنے تمام بڑے صاحب کے نام تحریر فرمائی تھی

۱۰- الوصیۃ

۱۱- الرسالة : الی نوح بن مریم الجامع

۱۲- الرسالة : یہ رسالہ امام صاحب نے اپنے شاگردان حق کے نام تحریر فرمایا اور اس میں مسئلہ الارحام کی تحقیق فرمائی، بلور جو امام صاحب پر الزام لگایا جاتا ہے کہ آپ مرجع تھے اور آپ نے بذات خود اس بات کی وضاحت فرمائی ہے۔

۱۳- کتاب فی اعتلال الصحابة

۱۴- کتاب الجامع

۱۵- کتاب المخارج فی المبررات

۱۶- کتاب الفرائض : امام خوارزمی کے بقول علم الفرائض میں یہ سب سے پہلی کتاب تھی جو آپ نے تصنیف فرمائی تھی۔

۱۷- کتاب الشروط : اس سے پہلے کوئی کتاب اس موضوع پر نہیں لکھی گئی تھی

۱۸- کتاب الصلاة : اس کتاب کا نام کتاب العروس بھی ہے۔

۱۹- کتاب الراہی : یہ سب سے پہلی کتاب ہے جو اصول فقہ میں لکھی گئی تھی اس کا نام کتاب الراہی تھا اسی وجہ سے اس کا نام بھی لکھتے ہیں

۲۰- کتاب الرهن

۲۱- کتاب الرد علی الاوزاعی

۲۲- کتاب الحج : (او کتاب المناسک) یہ کتاب آپ نے امام سفیان ثوری کے اقتباس پر ان کے لئے لکھی تھی۔

۲۳- کتاب : فی ان الله فی السماء دون الارض

۲۴- احکام من المکاتب

۲۵- المقصود : یہ کتاب علم الصرف میں سب سے پہلی تصنیف ہے اور اس کی حدود

شروعات ہیں، یہ کتاب ترکی اور پاکستان اور مصر و ایران سے طبع ہو چکی ہے۔

۲۶- کتاب الاوسط

امام صاحب احادیث مبارکہ کے متعدد نسخوں کے مصنف تھے جن کی تفصیل مندرجہ ذیل میں ہے۔

اور اسی بناء پر شیخ ابو زہرہ مصری کا کہنا ہے کہ:

اس بات پر کوئی ان کار کی گنجائش نہیں کہ امام صاحب سے احادیث کے کئی نسخے منقول ہیں جو آپ کی مسانید ہیں:

(۱) مسند کلاعی: مؤلفہ احمد بن محمد بن خالد بن خلی وہبی، ابو بکر کلاعی

(۲) مسند اصفہانی: مؤلفہ امام حافظ احمد بن عبد اللہ بن احمد ابو نعیم اصفہانی معوفی ۳۰۴ھ

(۳) مسند لؤلوی: مؤلفہ امام حافظ حسن بن زیاد ابو علی لؤلوی کوفی معوفی ۲۰۴ھ

(۴) مسند لعمانی: مؤلفہ امام حافظ، ثقہ زاهد، حماد بن ابی حنیبلہ لعمان بن ثابت معوفی ۱۷۰ھ

(۵) مسند بخاری: مؤلفہ امام، حافظ، عبد اللہ بن محمد بن یعقوب بن حارثی ابو محمد بخاری، معروف عبد اللہ الاستاذ، معوفی: ۳۳۰ھ

(۶) مسند جرجانی: مؤلفہ امام، حافظ، صاحب جرح و تعدیل، عبد اللہ بن عبدی ابو احمد جرجانی

(۷) جامع سفدی: مؤلفہ امام، حافظ، عبد اللہ بن محمد بن ابی عوام، ابو قاسم سفدی معوفی ۳۳۰ھ

(۸) مسند اشعانی: مؤلفہ امام، حافظ، عمر بن حسن اشعانی

(۹) مسند مظفر: مؤلفہ امام، حافظ، محمد بن مظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ بن محمد ابو الخیر متوفی ۳۷۹ھ

(۱۰) مستدہانی: مؤلفہ امام، فقہ، عدل محمد بن عبد الباقی بن محمد ابن کعب بن مالک الانصاری، مؤلفہ ابو بکر المعروف قاضی نمارستان، متوفی ۵۳۵ھ

(۱۱) مسند بلخی: مؤلفہ امام، حافظ، محمد بن حسن بن محمد الخسر او ابو عبد اللہ سمنار حنفی بلخی متوفی ۵۷۶ھ

(۱۲) الجامع، مؤلفہ امام الحافظ محمد بن الحسن ابو عبد اللہ

(۱۳) مسند شبانی: مؤلفہ محمد بن الحسن شبانی، متوفی ۱۸۹ھ

(۱۴) کتاب الآثار: مؤلفہ امام، حافظ، فقیہ، محمد بن الحسن شبانی متوفی ۱۸۹ھ

اور امام محمد کی معروف علم فقہ کی تصانیف میں سے: بسوط: زیادات: زیادات الزیادات: جامع صغیر: جامع کبیر: سیر صغیر: سیر کبیر:

اور یہ چھ کتب ہیں جو فقہ حنفی کے اصول اور احکامات میں شمار ہوتی ہیں: اور چار کتابیں رقیات: جرجانیات: بارونیات: کیسانیات: فقہ حنفی کی فروعات میں سے ہیں

(۱۵) مسند یعقوبی: مؤلفہ امام، حافظ، قاضی، یعقوب بن ابراہیم ابو یوسف انصاری متوفی ۱۸۳ھ

(۱۶) مسند مقری: مؤلفہ حافظ ابو بکر بن مقری

(۱۷) مسند بکری: مؤلفہ حافظ ابو علی البکری (اور یہ آپ کی سب سے آخری سند ہے۔)

۱۶- امام اعظم کی وفات:

امام صاحب کی وفات کے بارے میں ائمہ تاریخ نے چار مختلف روایات نقل کی ہیں

ان میں سے پہلی روایت یہ ہے کہ امام صاحب قید میں بند تھے اور اسی قید کی جھلی کی وجہ سے جان جان آفریں کے سپرد کی اور دنیا کے باسیوں کو بے بس چھوڑ گئے۔

دوم روایت یہ ہے کہ منصور نے امام صاحب کو قید سے آزاد کر کے اپنے پاس محل میں قیام پر مجبور کر دیا اور کسی بھی شخص سے ملاقات پر پابندی عائد کر دی تھی اور اس طرح امام صاحب قید نما آزادی میں انتقال کر گئے۔

سوم روایت یہ ہے کہ منصور نے چاہا کہ آپ سے جلدی جان چھڑائے تو آپ کو دوران قید زہر ملا دیا اسی سے آپ کی وفات ہوئی: یہ رائے مؤرخین کے ہاں زیادہ مشہور اور اکثر لوگوں کا خیال بھی اسی رائے کی طرف ہے۔

چہارم روایت یہ ہے کہ امام صاحب کا منصور سے اختلاف ہوا تھا جس پر بعد میں مصالحت ہو گئی تھی اور امام صاحب اپنی باعزت طبیعت اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

اس پر سب سے مضبوط دلیل یہ ہے کہ امام صاحب کی وفات کے بعد آپ شرف و احرام کے ساتھ منصور کی بیٹی کے نام پر موسمِ خلیفہ کا ذاتی قبرستان خیزدان میں دفن کئے گئے: اور میراگمان غالب یہ ہے کہ یہ رائے درست ہے کیونکہ امام صاحب نے علمِ عقائد پر مشتمل ایک وصیت نامہ تحریر فرمایا تھا جو امام صاحب نے اپنی مرض وفات میں تحریر فرمایا تھا اور اس وصیت نامے کی ابتدا میں اس بات کی وضاحت موجود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب امام صاحب پندرہ شعبان کی شب ۱۵۰ھ میں اس دارِ فانی راغی ملکِ عدم ہوئے اور بغداد کے معروف خیزدان نامی قبرستان میں دفن کئے گئے: اور وفات کے وقت آپ کی عمر مبارک ۷۰ یا بعض روایات کے مطابق نوے برس تھی: اور آپ کی قبر مبارک آج بھی بغداد کے محلہ اعظمیہ میں مرجع خاص و عام ہے۔

باب دوم:

شیخ الفقہاء، ابواساماعیل بن الامام ابو حنیفہ، امام حماد رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے مختصر حالات زندگی

امام حماد کا نام و نسب:

آپ کا اسم گرامی 'حماد والد کا نام' ابو حنیفہ نعمان' والد کا نام ثابت تھا، اور آپ کی کنیت ابواساماعیل تھی۔ اور آپ کی ولادت کے بارے میں ملوثق سے کچھ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا، آپ کے خاندان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ بن تیم اللہ بن شبلہ کے موالیٰ میں سے تھے لیکن آپ کے بیٹے امام اساماعیل کا کہنا ہے کہ ہمارے خاندان میں کبھی غلامی داخل نہیں ہوئی ہے۔

آپ کا حصول علم:

آپ نے زیادہ تر علم اپنے والد کرم حضرت امام ابو حنیفہ سے حاصل کیا اور انہی سے محدثی الدین کی منازل طے فرمائیں اور ان کی حیات میں ہی منہ القام پر بندھے گئے تھے۔

آپ کی تعلیم و تربیت:

آپ فقہاء کی صفوں میں امام اعظم کے بڑے علاؤ امام ابو یوسف و امام محمد بن حسن شیبانی اور امام زفر نور حسن بن زیاد کے طبقے میں شمار کئے جاتے تھے۔

اور آپ بڑے اہل درجے کے زاہد و عابد تھے، اور آپ کا شمار اپنے وقت کے معروف

اہل زہد میں ہوتا تھا یہی لئے آپ کی جلالت شان پر تبصرہ کرتے ہوئے امام کروری فرماتے ہیں:

ان الغالب علی حماد ، الدین والورع والفقه و کتابہ الحدیث

المناقب: ۲۱۲ ج ۲

کہ امام حماد پر علم دین، تقویٰ، علم فقہ کے ساتھ ساتھ کتابت حدیث کے شوق کا اچھا خاصہ غلبہ تھا۔

اور اسی بات کو مؤرخ کبیر علامہ صمیری رحمہ اللہ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

و کان الغالب علیہ الدین والورع والزہد مع علم بالفقہ و کتابہ

المحدث (الخباری ص ۱۵۱)

کہ امام حماد کے حراج میں علم دین، تقویٰ و پرہیزگاری اور علم فقہ کے حصول کے ساتھ ساتھ کتابت حدیث کے شوق کا بہت زیادہ غلبہ تھا۔

۱ واضح ہو کہ اس زمانے میں علم دین سے مراد علم توحید یا اصول الدین یا علم عقائد مراد لئے جاتے تھے یہ تینوں ایک ہی علم کے نام ہیں جو مختلف زمانوں میں مختلف استعمال ہوتے رہے ہیں۔

(آپ کی اولاد و امجاد:

امام حماد کے اولاد میں کل چار بیٹے تھے جن میں سب سے بڑے امام اسماعیل تھے اور آپ کی مہر سے ہی امام حماد اپنی کنیت ابو اسماعیل کرتے تھے، اور باقی بیٹوں کے اسمائے گرامی امام ابو حیان، امام عمر بن امام عثمان تھے اور یہ بھی بیٹے اپنے وقت کے علمائے اعلام میں شمار کئے جاتے تھے اور سبھی سے اللہ تعالیٰ نے علم دین کی اشاعت اور اپنے والد کے لکھنات کو عام کرنے والے باظہر جانشین ثابت ہوئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان سب سے دین کی اشاعت کا خوب کام لیا تھا۔

آپ کی تعلیم و اشاعت دین کی کوششیں:

امام حماد کے معروف حواہد میں آپ کا حقیقی بیٹا اسماعیل بھی شامل ہے علاوہ ازیں کثیر جماعت علماء نے آپ سے حصول علم کے ساتھ کسب فیض فرمایا تھا۔

امام حماد کی عملی زندگی بھر پور انداز کی تھی اس لئے کوئی بد مذہب آپ کے سامنے دم مارنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا اور اگر ایک بار کوئی شخص اس قسم کی جرأت کا مظاہرہ کر لیتا تو آپ اس کی خوب اور بروقت خبر لیا کرتے تھے، آپ کی عملی زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے بشر بن ولید فرماتے ہیں:

كان حماد شديداً على اهل الهواء ، يكسر عليهم اللوامهم ،
ويحتج عليهم بحجج ، لم يكن يسر ذلك لعدائ المتكلمين

(مناقب کروری ۲ ج ۲۱۲)

امام حماد اہل ہواہ کی مخالفت اور ان کی خبر لینے میں بڑے مستعد تھے اور ان کی طرف سے کئے جانے والے مشکل سے مشکل اعتراضات کا چٹکیوں میں جواب دے دیا کرتے تھے اور ان کی مخالفت میں ایسے دلائل قائم کیا کرتے تھے جو علم کلام کے بڑے سے بڑے ماہرین کے لئے بھی ان سوالات کا جواب دینا آسان نہ ہوتا تھا۔

آپ کی عملی زندگی:

امام حماد اپنے والد محرم کی وفات کے بعد عملی زندگی میں اپنے علوم فقہی مہارت کی بنا پر مسند قضاہ پر فائز کر دئے گئے تھے لہذا دور ان قضاہ آپ اپنی فہمیت کے خوب جوہر جگاتے رہے تھے اور یوں اس میدان میں آپ کی دن دو گئی اور رات چم گئی ترقی ہوتی چلی گئی۔ اسی لئے محمد بن مروان خفاف فرماتے ہیں:

استفضى حماد على الكوفة بعد قاسم بن معن ، ثم على بغداد
كلها . ثم على البصرة . فلم يزل على ذلك حتى اصابه الفالج ،
فاستأذن في الانصراف فاذن له

امام حماد کو امام کا سم بن محسن کی وفات کے بعد پہلے تو کوذ کا قاضی مقرر کیا گیا اور اس کے بعد آپ کو سارے بغداد کا قاضی مقرر کر دیا گیا۔ اس کے بعد بھرہ کا قاضی بھی انکو مقرر کر دیا گیا اور آپ اسی منصب پر فائز ہو کر عدل و انصاف کے فیصلے فرماتے رہے، یہاں تک کہ آپ پر قلع کا حملہ ہوا، جس کی بناء پر آپ نے مسند قضاۃ سے معذرت چاہی جو قبول کر لی گئی، اور یہیں آپ نے ریٹائرڈ ہونے کا فیصلہ فرمالیا۔

امام حماد اور ان کے جرح و تعدیل:

آخر حدیث کے ہم علمائے احناف کے خلاف شروع سے ایک خاص قسم کا متاد پایا جاتا تھا جس کی وجہ سے تمام ائمہ رچال کی کتب میں امام اعظم سمیت بڑے بڑے ائمہ اعلام پر کا یعنی اور بہم قسم کی جرح و قدح کو بھی روار کھا گیا ہے، یہی طرح علم حدیث کی معروف کتب میں احناف کے ائمہ حدیث سے روایت نقل کرنے میں جس تجوی کا مظاہرہ کیا گیا ہے شامعی، حارثی، حنفی کے صفحات میں اس طرح کا ماحول کسی اور اہل علم کے طبقہ کے لئے پیدا کیا گیا ہو۔

میری ان باتوں سے ہو سکتا ہے بعض اہل علم کو ناگواری محسوس ہو کہ میں بڑے اہل درجے کے لوگوں پر تنقید کر رہا ہوں، لیکن واللہ العظیم ان باتوں سے کسی شخص پر تنقید یا تنقیص خصوصاً نہیں بلکہ حقیقت حاصل سے نقاب کشائی مطلوب ہے، اس سلسلے میں سب سے بڑی نا انصافی یہ ہے کہ طبقہ احناف کے سرخیل امام اعظم بذات خود اس قسم کی جرح و قدح سے محفوظ نہ دیکھے کہ یا یہ کہ امام اعظم کے صاحبزادے امام حماد اس سے بچ جاتے؟

ذیل میں پیش کئے جانے والے یہ اگر اہل علم میں آپ دیکھ سکتے ہیں کہ امام ابن ابی حاتم نے کہنے کو تو انصاف کا خون کرنے کی غرض سے امام حماد کو اپنی کتاب 'جرح تعدیل' میں نقل کیا، اپنی مہارت علمی کا ایک حصہ سمجھا، لیکن بعد میں ان پر جرح کرنے کے لئے کوئی ایک نقطہ بھی میسر نہیں آ سکا؟ بھلا کوئی پوچھے کہ حضرت آپ کو اتنی دور کی کوڑی لانے کی ضرورت ہی کیا پڑی تھی؟

عجیب ہالائے محب یہ کہ امام اعظم جیسے نامیہ روزگار ہستی کے صاحبزادے اور امام وقت امام عباد کی توثیق کے لئے بھی ابن ابی حاتم وغیرہم کی سند چاہئے؟ کس قدر تعجب ہے؟ اور اسی جرح و قدح کے باب میں شیخ عبدالرحمن النخعی اپنے بی ایچ ڈی کے مقالے میں امام عباد پر جرح و قدح نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

هو حماد بن ابي حنيفة النعمان بن ثابت الكوفي ، قال عنه ابن خلکان: (انه كان على منصف ابيه ، وانه كان صالحاً عصبياً) وذكره ابن ابي حاتم ، في الجرح والتعديل . ولم يذكر فيه جرحاً ، وذكر ابن عدي في الكامل ، فقال عنه: (لا اعلم له رواية مسوقة) ولال عنه اللهي في الميزان : (صفة ابن عدي وغيره من قبل حفظه) (اصول الدين : ۱۱۸)

امام عباد بن ابی حنیفہ کوئی وہ شخصیت جن کے بارے میں ابن خلکان نے کہا ہے: وہ اپنے والد ابی حنیفہ کے مذہب پر کاربند تھے، اور آپ بہت صالح حراز اور لوگوں کے بہت خیر خواہ تھے، ابن ابی حاتم نے جرح و تعدیل میں آپ کا تذکرہ کیا ہے لیکن آپ کے بارے میں کوئی جرح نقل نہیں کی۔ اور ابن عدی نے الکامل میں آپ کے بارے میں کہا ہے کہ میں نے آپ کے لئے کوئی ایسی روایت نہیں دیکھی جس سے آپ کی بلندی شان ثابت ہو سکتی ہو، اور علامہ ہیمنے میزان میں آپ کے بارے میں فرمایا کہ آپ کو از روئے نقل روایت کے ابن عدی نے حافظے کے لحاظ سے ضعیف کہا ہے۔

مولانا احمد رضا بجنوری نے انوار الہادی میں ائمہ حدیث کا تذکرہ کرتے ہوئے امام حماد کا تعارف مندرجہ ذیل الفاظ میں پیش کیا ہے کہ امام حماد جلالت شان کا یہ عالم تھا کہ آپ: ”محدث فقیہ اور بڑے زہد و عابد تھے، حدیث و فقہ میں آپ کے بڑے استاد خود امام اعظم تھے، اور امام صاحب کی زندگی ہی میں ہیجہ کمال مہارت، بخوبی دینا شرع کر دیا تھا، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام حسن بن زیاد وغیرہ کے طبقے میں تھے، اور تدوین فقہ میں

شریک رہے، امام صاحب کی وفات پر ان کی ساری امانتیں (جن میں ان لوگوں کی بھی حصے جو مفقود تھے) قاضی شہر کے سپرد کر دیں، قاضی صاحب نے بہت اصرار کیا کہ آپ بڑے امین ہیں، خود اپنے پاس رہنے دیں، مگر آپ نے اس بار کو پسند نہ کیا، آپ سے آپ کے بیٹے اسماعیل نے بھی حدیث و فقہ حاصل کی بلکہ وہ بھی بڑے عالم ہوئے، حضرت قاسم بن معین کے بعد آپ کو فہ کے قاضی ہوئے (حدائق) پھر سارے بغداد کے، پھر بصرہ کے قاضی مقرر ہوئے، مرض طاعون سے معذور ہو کر استعفیٰ دیدیا تھا،

علامہ صمیری نے ذکر کیا ہے کہ امام حماد پر دین، فقہ اور ورع غالب تھا، اور اکثر مشغلہ کتابت حدیث تھا، حسن بن قطیبہ نے امام اعظم کے پاس ایک ہزار روپیہ امانت رکھے، کسی نے امام صاحب سے کہا کہ آپ امانتیں کیوں رکھتے ہیں؟ ان کو رکھنا خطرے سے خالی نہیں، فرمایا: جس کا بیٹا حماد جیسا ہو اس کو امانت رکھنے میں کوئی حرج نہیں، امام صاحب کی وفات کے بعد حسن آئے، اور امانت طلب کی، حماد نے خزانہ کی کٹھری کھول کر علامت سے متعین کر کے کہا، اپنی امانت اٹھا لو، حسن نے کہا: آپ اب اپنے پاس رہنے دیں، حماد نے ان کا ر کیا، وہ کہنے لگے کہ آپ کے والد تو امانتیں قبول کر لیتے تھے آپ کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا: کہ بایا جان کو اپنے بیٹے پر ادا تھا، مجھے اپنے بیٹے پر نہیں ہے۔

شریک بن الولید کا بیان ہے: کہ حماد اہل ہوا و بدعت کے مقابلہ میں بہت تشدد تھے، ان کے دلائل توڑتے اور حق کی حمایت میں ایسے پختہ دلائل قائم کرتے تھے جو بڑے بڑے حادق اہل کلام کو بھی نہ سوجھتے تھے۔ (تذکرہ محدثین، ج ۱، جلد اول)

امام حماد پر التزام بازی:

علم فقہ و علم عقائد میں آپ اپنے والد کرم حضرت امام اعظم کے طریقے پر چلتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ جو التزامات حضرت امام اعظم کے سر تن ہوئے تھے وہ سارے کے سارے من و عن امام حماد کے سر بھی تن ہوئے گئے اور اہل تحقیق میں سے کسی نے اتنی زحمت گوارہ نہیں فرمائی کہ کچھ جتوئے حق کی خاطر معلوم کر لیں کہ جس شخصیت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد اہل اسلام میں سب سے زیادہ اطلاع کی جا رہی ہے، اس کے بارے میں جو ذمہ عام لوگوں میں مشہور ہوئی ہیں ان کو نقل کر کے صداقت کا خون کرنے کی بجائے ان کی اصل حقیقت ہی معلوم کر لی جائے لیکن بعض غیر ذمہ اہل علم نے ان باتوں کو ثواب سمجھ کر اس طرح نقل کرنا ضروری سمجھا جیسے اس قسم کی باتیں لوگوں میں پھیلانے اور آگے سے آگے بیان کرنے میں ان کے لئے کوئی خاص جنت کی خوش خبری دی گئی ہے، امام حماد پر عموماً دوا الزام لگائے گئے ہیں:

پہلا یہ کہ آپ کا تعلق فرقہ مرجیہ سے تھا؟

دوسرا یہ کہ آپ مسئلہ خلق قرآن کے قائل تھے؟

پہلے الزام کی حقیقت یہ ہے کہ جس طرح امام اعظم پر الزام لگایا گیا ابو منہج علی پر الزام لگایا گیا اسی طرح ان پر بھی لگایا گیا ورنہ مسئلہ ارہاء کے بارے میں ان کی رائے امام اعظم سے مختلف نہیں تھی، اور اس کی اصل حقیقت جاننے کے لئے امام اعظم کا وہ خط جو انہوں نے عثمان غنی کے نام تحریر فرمایا ہے اور اس میں مسئلہ ارہاء کی حقیقت اور آپ پر الزام لگائے جانے اور اس کے جواب میں اچھی طرح واضح کیا ہے۔

دوسرا مسئلہ خلق قرآن کا اس مسئلے کے بارے میں بھی آپ کا موقف بڑا واضح تھا۔ آپ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کا کلام ہونے کے لحاظ سے مخلوق نہیں مانتے تھے البتہ وہ مواد جن کے ساتھ قرآن کی مادی شکل غنی تھی مثلاً کاغذ، سیاہی، جلد، چھپائی وغیرہ اس کو مخلوق مانتے تھے اور یہ بات حقیقت ہے، اس لئے کہ جو چیز قدیم ذات سے وابستہ ہے وہ قدیم ہے کسی صورت میں مخلوق نہیں ہو سکتی اور جو چیز حادث اشیاء پر مبنی ہو وہ حادث اور مخلوق ہے بس کاغذ سیاہی وغیرہ جسم اشیاء کی ایک وقت تھا کہ کوئی حقیقت نہ تھی بلکہ معدوم تھیں اور بعد میں انکو پیدا کیا گیا اور عقرب ایک وقت آئے گا جب وہ دوبارہ عدم کے پردے میں معدوم اور محض ہو جائیں گی۔

امام حماد کی تصانیف:

امام حماد نے امام اعظم سے متعدد کتب روایت کی ہیں اور متعدد کتب کے مصنف آپ بذات خود تھے:

- (۱) پہلی کتاب جو امام اعظم سے آپ نے روایت کی ہے وہ مسند امام ابو حنیفہ ہے جو ابھی تک مطبوع نہیں بلکہ مخطوط شکل میں ہے اور دنیا کی مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہے اور ترکی میں محفوظ ایک قلمی نسخے کا فوٹو کاپی شدہ نسخہ بندہ کے پاس بھی محفوظ ہے
- (۲) امام اعظم کی اہم ترین کتاب فقہ اکبر ہے جس کی روایت امام حماد نے اپنے والد امام اعظم سے روایت فرمائی ہے۔

یہ وہی فقہ اکبر ہے جس کو امام اعظم سے امام حماد نے روایت کیا ہے اور طاعلی قاری کی شرح والے نسخے کے نام سے معروف ہے۔ اور

- (۱) سب سے معروف شرح طاعلی قاری نے لکھی ہے جو معروف و متداول ہے، اس میں علامہ کا حراج یہ ہے کہ عقائد کے مسائل میں دلائل مقولہ کے ساتھ ساتھ بعض جگہ مسائل فقہیہ کو بھی مسائل بیان کرنے میں استعمال کیا گیا ہے۔

- (۲) ایک شرح علامہ ابو المنعمی نے لکھی ہے جس کی عبارت مختصر اور مسائل متفق طبعیہ اور تاریخی متبع کے ترجمان ہے بلکہ یہ ایک انتہائی مفید شرح ہے جو علماء کے کتبہ میں اور خاص طور سے طائے احناف کے ہاں دوسرے درجے کی مقبولیت کی حامل ہے اور اس کا انگریزی زبان میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

- (۳) ایک شرح بنام "اقول الفصل شرح فقہ اکبر" محی الدین محمد بن بہاء الدین ہے اس کی زبان فلسفیانہ اور مسائل دینی اور مشکل ہیں بھراؤ فقہ ترکی سے ۱۹۸۵ء سے پہلے کی طبع ہوئی ہے۔

- (۴) ایک شرح نور اعظم کے نام سے افغانستان کے علاقے میں مطبوع اور معروف ہے انتہائی مختصر اور جامع شرح ہے جو بچوں کو زبان یاد کروانے کا عام درجہ ہے۔

(۵) ایک شرح دستور محمد عبدالرحمن انجیس نے لکھی ہے جس میں بعض انتظام کی بنا پر اس کے متن میں الحاقات کا دعویٰ کیا گیا ہے اور ہم نے اپنی شرح میں اس غلط فہمی کا ازالہ کر دیا ہے اجمالی طور پر ایک مفید شرح ہے وزارت کوکاف سعودیہ نے اس کو طبع کروا کر تقسیم کیا، انتہائی مفید رسالہ ہے مختلف ضلعوں میں تقسیم کر کے ہر فصل کے آخر میں سوالات بطور مناقشہ لکھے گئے ہیں۔

(۶) ایک قاری زبان میں شرح ہے جس کے مصنف کا نام مولانا عبدالعلی فرنگی محل لکھنؤی ہے اور اس کو الرحیم الہدیٰ کراچی نے شائع کروا دیا ہے یہ فقیر اور انتہائی مفید شرح ہے۔

(۷) ایک شرح سید امیر علی نے مین الہادیہ کے شروع میں کی ہے وہ انتہائی مفید ہے اس کو اگر اردو میں نئے انداز میں دوبارہ طبع کر دیا جائے تو اس کا فائدہ کئی گنا زیادہ ہو جائے گا۔

(۸) ایک ترجمہ صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ نے کیا ہے جو انتہائی مفید زبان سادہ ہے مطبوعہ ہے اور عام دریافت ہو جاتی ہے۔

(۹) ایک ترجمہ قاری زبان میں خولید فرید الدین گنج شکر نے پاک چین میں زیارت کی فرض سے آنے کے دوران وہاں کے سالکین کے احساس پر کیا تھا اور اس کا اردو ترجمہ کتبہ اخلاص نے شائع کیا ہوا ہے بہت مفید ہے

(۱۰) اس کا ایک انگریزی ترجمہ مولانا محمد بن یحییٰ خنوی کا ہے جو متن کے ساتھ کیا گیا ہے اور بہت مفید ہے

(۱۱) ایک انگریزی ترجمہ جو اس موضوع پر پہلا ترجمہ تھا پرویسر انگور کا ترجمہ ہے

(۱۲) دو سویتیں بھی آپ نے امام اعظم سے روایت کی ہیں

(۱) ایک وصیت تو وہ ہے جو امام صاحب سے امام حماد نے روایت کی ہے اور امام صاحب نے امت کے تمام افراد کے نام فرمائی تھی اور اس میں کل بارہ باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں اس رسالے کے ابتداء میں اسی کے بارے میں امام صاحب کا فرمان ہے کہ جو کوئی شخص

فخرِ انبر و اہل ————— ۷۰

ان بارہ باتوں کو اپنے پیشِ نظر رکھے گا تو کبھی اہل بدعت میں سے نہیں ہو سکتا اور وہ مخصوص قیامت کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا ضرور مستحق ہوگا، یہ کتاب علامات اہل سنت کے نام سے جمعۂ پہلی کیشنز، لاہور نے شائع کر دے ہے۔

(۲) دوسری جو خاص طور سے امام اعظم نے آپ کو وصیت فرمائی تھی جس میں پانچ احادیث پر عمل کرنے کی تلقین کی تھی جو انہوں نے پانچ لاکھ احادیث میں سے جن کو آپ کے لئے انتخاب فرمائی تھیں، یہ دونوں وصیتیں ہماری کتاب امام اعظم کی وصیتیں میں منقول ہیں۔

آپ کی وفات ۶۷ھ ہجری میں ہوئی خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را !

باب سوم

امام ابو مطیع حکم بن عبداللہ بلخی کے حالات و افکار

نام و نسب اور ولادت:

آپ کا اسم گرامی: حکم، والد کا نام عبداللہ، کنیت ابو مطیع، ولادت ۱۱۵ھ، وفات ۱۹۸ھ بمقام بلخ ہوئی، آپ کا مشہور علمی نام ابو مطیع بلخی تھا۔

امام ابو مطیع نے امام صاحب سے الفقہ الاوسط روایت کی ہے جو اس کتاب کا اصل نام ہے مگر موضوع کے عام ہونے کی وجہ سے اس کو بھی علماء کے طبقے میں الفقہ الاکبر کہا جانے لگا؛ جبکہ اصل بات یہ ہے کہ امام صاحب سے جب ان کی مجلس ہوئی کتاب الفقہ الاکبر کا متن کی موجودگی میں ابو مطیع بلخی نے مطالعہ کیا تو اس دور میں اس کتاب کے مضامین پر پیدا ہونے والے سوالات اور امام اعظم کی طرف سے دئے گئے ان کے جوابات کو یک جا کر لیا گیا تھا، اور اس کو بھی الفقہ الاکبر کہا جانے لگا۔

دلیل اس دعویٰ کی یہ ہے کہ اگر فقہ اکبر کے مضامین کو بنظر قارئین دیکھا جائے تو اس میں اجمال ہے: اور ابو مطیع اسی اجمال کی تفصیل امام صاحب سے طلب کرتے اور تحریر میں لے آتے ہیں؛ گو یادوں میں اجمال اور تفصیل کا فرق ہے اسی لئے ہم نے اپنی تصنیف مجموعہ فقہ اکبر اردو میں امام صاحب کی علم کلام پر تمام تصانیف کو جمع کر دیا ہے اور نیز آپ کے ہاتھ میں موجود نسخے میں بھی یادوں کا کبر موجود ہیں: اور اسی طرح یہ دونوں کتابیں ہماری تالیفات:

(۱): المعون المعتبر . اور (۲): مجموعۃ الفقہ الاکبر عربی

میں بھی یک جا کسی بھی بڑے کتبہ سے مل سکتی ہیں: ان میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

آپ کے ساتھ کرام:

امام صاحب سے فقہیت اور علم حاصل کیا اور ان سے روایت حدیث بھی کی امام صاحب کے علاوہ آپ کے ساتھ میں مالک بن انس، ابی حنن، ہشام بن حسان، سفیان ثوری، ابراہیم بن طہمان رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اساتذہ گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

آپ کے معروف تلامذہ:

امام ابو مطیع بلخی کے تلامذہ کی تعداد دویسے تو شمار سے باہر ہے لیکن ان میں سے: احمد بن منیع، ابو حفص رازی، محمد بن مقاتل، موسیٰ بن نصیر، نصیر بن یحییٰ وغیرہم خاص طور سے قابل ذکر ہیں اور زمانے نے آپ سے علم فقہ حاصل کیا اور امام عہد اللہ بن مہارک آپ کے دین میں کمال اور علم میں رسوخ کی وجہ سے بڑی تعظیم کیا کرتے تھے، اور یہ وہ زمانہ ہے جب دین یا طہدین لفظ بول کر اس سے علم فقہ مراد لی جاتی تھی۔
اور ایک لے زمانے تک آپ صوبہ بلخ کے کافی رہے تھے۔

ابو مطیع بلخی پر تنقید کی نوعیت:

امام ابو مطیع بلخی امام صاحب سے حدیث روایت کرنے والے معروف راویوں میں سے ایک ہیں اور اندر جرح و تعدیل نے آپ کے القابات اور آپ کا مقام: حافظ، فقیہ، محدث، صالح، للکھیت، کے القاب سے بیان کیا ہے: اگرچہ بعض لوگوں نے آپ پر مرجع ہونے کا الزام بھی لگا دیا ہے مگر من کا ایسا الزام بلا وجہ کے تصب اور حقیقت سے بہت دور ہے: اور اس الزام کی حقیقت صرف اور صرف یہ تھی کہ آپ کا امام اعظم کے ساتھ کبر اور علمی تعلق ہوتا تھا، اور ایسا ہی الزام امام اعظم پر بھی من کی زندگی میں لگا دیا جاتا تھا جیسا کہ ہم مجموعہ عقائد امام اعظم نامی کتاب میں اس بات کی مکمل وضاحت کریں گے اور اسی الزام کی بناء پر چونکہ ابو مطیع ہی نہیں بلکہ جس عالم دین کے امام اعظم کے ساتھ علمی تعلقات تھے ان سب پر صرف

اور صرف ان تعلقات کی وجہ سے الزام لگایا گیا ہے۔

لیکن جن اصحاب نے امام اعظم کی کتاب فقہ اکبر کے راوی امام ابو مطیع بخاری کی ہے ان کی اس جرح کا پہلی بات تو یہ ہے کہ اس جرح کی بناء پر کوئی اعتبار نہیں کہ فقہ اکبر کے امام ابو مطیع کی تصنیف ہونے سے ان کا رد دیا جائے بلکہ مؤرخین نے جو ابو مطیع کے لئے اصطلاح استعمال کی ہے وہ ہے صاحب لفظ الاکبر اور اس کا تبادر و معروف معنی یہ ہے کہ وہ امام ابو مطیع ہی ہیں اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کتاب ابو مطیع بخاری کی ہی تالیف ہو، اور جن لوگوں نے اس کتاب کے ابو مطیع کی تصنیف ہونے میں شک کا اظہار کیا ہے ان کے دلائل میں کوئی خاص اور قابلِ اعتماد وزن نہیں ہے،

امام ابو مطیع بخاری پر الزامات کی چارج شیٹ:

کارمین کی سہولت کے لئے تاکہ ان کے ذہنوں میں یہ اشتہار نہ رہ جائے کہ ابو مطیع پر کس قسم کے الزامات لگائے گئے تھے، اس بات کی وضاحت اس لئے زیادہ ضروری ہو جاتی ہے کہ موجودہ دور جرائم کا دور ہے جس میں چینی اور جسنانی جرائم کی بھرمار ہے اور ہر سننے والا یہ سمجھتا ہے کہ شاید ابو مطیع کوئی ہماری طرح کے جرائم پیشہ افراد میں سے تھے ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ آپ پر لگائے گئے تمام الزامات کی حقیقت صرف سنی سنائی اور بدنام کرنے کے لئے حاسدین اور منافقین کی طرف سے پھیلائی گئی باتوں کا مجموعہ ہیں۔ مثلاً

(۱) ابن حبان نے ان کے بارے میں یوں کہا:

كان من رؤساء المراجعة ممن يهض السنن ومتحليها

یہ مرچہ کے ایسے سرداروں میں سے تھے جو سنن کو ناپسند کرتے تھے، اور دوسروں کی کبھی ہوئی باتوں کو اپنی طرف منسوب کر لیا کرتے تھے

(۲) محدث ابو حاتم نے ان کے بارے میں کہا:

كان مرجئا كذاها

کہ آپ فرقہ مرچہ سے تعلق رکھنے والے، اور کذاب لوگوں میں سے تھے

(۳) امام بخاری، اور نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابویوسف نے ان کے بارے میں کہا:

ضعیف، صاحب الروای (لسان الکبیر: ۲/۳۳۳)

یہ ضعیف تھے اور صاحب رائے تھے

(۴) ابن عری نے ان کے بارے میں کہا:

هو بین الضعف عامة ما یرویه ، لا ینافع علیہ

اس کا ضعف تو بڑا واضح اور عام تھا، اور وہ جو روایت بیان کرتے تھے اس میں ان کا کوئی تابع بھی نہیں ہوا کرتا تھا۔

(۵) امام ابن مہین نے ان کے بارے میں کہا ہے:

"لیس بشیء"

وہ کچھ بھی نہیں ہیں

(۶) امام احمد بن حنبل نے ان کے بارے میں کہا:

"لا ینبغی ان یروی عنه شیء"

اس سے کوئی شے حدوایت کرنا مناسب نہیں ہے۔

(۷) ابوداؤد نے ان کے بارے میں کہا:

قرکوا حلیجہ ، و کان جھمیا ،

ان سے حدیث کی روایت متروک ہے کیونکہ وہ جھپٹے میں سے تھے۔

(اصول الدین: ۱۲۲، جریغ بغداد: ۲۲۵، لسان الکبیر: ۲/۳۳۳)

(۸) دارقطنی نے اس کو ضعیف اور متروکین میں شمار کیا ہے۔ (المعلاء، بالحر، دکن ص ۷۷)

امام ابو مطیع بخاری پر الزامات کا خلاصہ:

امام ابو مطیع بخاری پر جتنے الزامات بھی دھرے گئے تھے ان کا خلاصہ کلام پیش کر کے پھر

ایک ایک الزام کی حقیقت حال کارائین کرام کے سامنے کھولنے ہیں

اس بارے میں ایک بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ میں کوئی انکار چال میں سے

نہیں ہوں اور نہ ہی بہت بڑا فائدہ ہوں میری صرف ایک سوچ ہے کہ جس طبقہ آئندہ کی پوری دنیا میں اتنی ہی عرصہ سے زیادہ اجراع کی جاتی ہے ان کے پر بھول قسم کی جرح و قدح نقل و نقل کر کے اپنے آئندہ زمانے کے طلباء کو ہم کیا سچی دینا چاہتے ہیں اور اس سے جو بھیا تک نتائج صادر ہو رہے ہیں یا جو نتائج سامنے آنے والے ہیں ان سے ہم اپنی آنکھیں کیوں بند کر لیتے ہیں اور اسی کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ آج ایک عام سادہ ماسلمان بھی کسی سوال کے جواب میں قرآن کریم کی آیت کا حوالہ مانگتا ہے اور کسی امام کی بڑی سے بڑی حقیقت کو وہ کسی کھاتے میں نہیں لاتا اور اسی وجہ سے آج ہمارے عام تو عام لوگ ہیں اہل علم کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے افکار سے بے زہری اور عدم تھکید کا بازار کے راہی بن کر دینی معاملات میں دور سے دور تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

جو اثرات ابھی مطلع پر دھرے گئے ہیں وہ یوں ہیں:

پہلا اثر: یہ مرجعہ ہیں۔

دوسرا اثر: یہ ضعیف ہیں۔

تیسرا اثر: نقل روایت میں ان کا کوئی تابع نہیں ہوتا۔

چوتھا اثر: یہ ہمہ میں سے ہیں

پانچواں اثر: یہ سنت سے بغض رکھتے تھے

چھٹا اثر: یہ دوسروں کی باتیں اپنی طرف منسوب کر لیا کرتے تھے۔

یہ سارے اثرات ہیں جو ابھی مطلع پر لگائے ہیں اگر تھیلا دیکھا جائے تو ان میں سے

ایک اثر ابھی ایسا نہیں جس کو اعتراض کے ہاں کوئی خاص مقام حاصل ہو لیکن ہم ذیل میں ان

اثرات کی تحقیق مختصر الفاظ میں پیش کرتے ہیں

مرجعہ ہونے کے اثرات کی حقیقت:

امام ابو مطیع حکم بن عبد اللہ مکی پر بہت سارے محدثین نے کڑی تنقید کی ہے جبکہ وہ امام

اعظم کی ایک کتاب فدا کبر کے دہوی ہیں لہذا یہ دعویٰ اپنے اندر کوئی خاص وزن نہیں رکھتا کہ

اکثر محدثین نے ان پر جرح کی ہے اور پھر محدثین کا بھی مرکزی نقطہ صرف یہ ہے کہ وہ جمیع اور مرجعہ کے عقیدہ پر تھے۔

بلا شک شبہ اکثر محدثین نے ان پر جرح کی ہے اور ان کے اس قسم کے التزامات کی سائنس و جاہل کی کتابوں میں اس التزام کی تصریح موجود ہے جس میں ان کی جرح و قدح کا مرکزی نقطہ صرف یہی ہے کہ ابو مطیع کا تعلق جمیع اور مرجعہ کے عقیدہ سے تھا۔ مگر سوال یہ ہے:

کہ اس قسم کے التزامات کی نسبت ابو مطیع کی طرف کرنا صحیح بھی ہے یا نہیں؟
اور اگر یہ نسبت صحیح ہو تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ وہ کس معنی میں مرجعہ تھے؟
اور کیا ابو مطیع کے اس معنی میں مرجعہ ہونے سے ان کی کھات پر بھی کوئی زو آتی ہے یا نہیں؟

اور کیا خود امام اعظم کو مرجعہ فرقہ میں سے ہونے کا پلا وہ التزام نہیں دیا گیا؟
اور اس قسم کے التزامات سے اگر امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو مطیع علی یا دوسرے ائمہ احناف سے نقل روایت مردود ہوتی ہے تو کیا یحییٰ بن یزید اور دوسری کتب احادیث میں ایسی بہت سی روایات کی نشاندہی نہیں کی جاسکتی جن کے راوی صرف مرجعہ ہی نہیں، بلکہ جمیع اور شیعہ و غیرہ فرقوں میں سے تھے لہذا ان کا ثبوت ہونا، اور ان سے نقل روایت کو جائز سمجھنا کس اصول کے تحت اور کہاں تک درست ہو سکتا ہے؟

اور جن ائمہ حدیث نے ان سے روایات نقل کی ہیں ان کے بارے میں کیا احکامات صادر فرمائے جائیں گے؟ آخر یہ حلیف کے ساتھ حنا نہیں تو اور کیا ہے؟
اور یہ کہ ابو مطیع علی حنیفہ اور مرجعہ کے طبردار تھے، لہذا امام صاحب سے ایسی اہم کتب کیوں کر نقل کر سکتے ہیں؟

اور علمائے احناف کا اس قسم کے التزامات کو من و عن نقل در نقل در نقل کرتے چلے جانا سادگی نہیں تو اور کیا ہو سکتا ہے؟

کیا دنیا میں تحقیق کا کوئی اصول اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ہم کسی شخص پر الزام لگائیں اور اس کی وضاحت طرز سے طلب ہی نہ کریں؟

جبکہ دوسری طرف حافظہ ابن حجر امام ابو مطیع کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

كان بصيرا بالسرائر ، علامة كبير الشأن ، وكان ابن الصواب
بحفظه ويخجله لدننه وعلمه (لسان المیزان ص ۳۳۳ ج ۲)

وہ صاحب بصیرت فقیر، علامہ اور بڑی شان کے مالک تھے، اور ابن مبارک ان کے دین اور علم کی بدولت ان کی تعظیم و توقیر کیا کرتے تھے۔ اور علامہ ابن ابی ان کو اعلیٰ کے نقطہ سے یاد کرتے ہیں: (میزان خند منظر)

وہ ”کچھ نہیں ہیں“ کے الزام کی تحقیق:

اس قدر رجالات شان کے حامل فرد جسکا تذکرہ ابھی اوپر ہوا اور بعد میں جس کے بارے میں اندر اطلاع کی تو حقیقت مندرج ہو رہی ہیں اس کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ کچھ بھی نہیں ہے آخر اس کلام سے ہم امت میں کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟

حدیث تو محدثین کا شعبہ تھا، لیکن کیا علم فقہ اور علم کلام، اور علم قضاء، وغیرہ میں بھی امام ابو مطیع علی کچھ نہیں تھے، ان کا سوائے اس کے کیا تصور ہو سکتا تھا کہ وہ امام اعظم ابو حنیفہ کے شاگرد، علم کلام کے ماہر، امام اعظم سے نقل روایت کرنے والے، اور افکار ابو حنیفہ کے امین و ماہر تھے۔

اتنی بڑی شان کی حامل شخصیت جن کے بارے میں امام ابن مبارک جیسا عظیم امام ان کے علم اور دین کی بزرگی کی وجہ سے ان کی تعظیم اور ان کی طول شان کے گمن گاہ ہوں کو یہ کہنا کہ وہ کچھ بھی نہیں ہے سوائے سورج کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لینے، اور ہر طرف اندھیرے کی رت لگانے کے اور کیا ہو سکتا ہے؟

سنت کو ناپسند کرنے اور ضعیف ہونے کے الزامات کی تحقیق:

ان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ سنت کو ناپسند کیا کرتے تھے کیا تاریخ میں اس کی کوئی

۲۵ مثال پیش کی جاسکتی ہے، اور آپ کو ضعیف قرار دینے سے آپ یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ ان سے اخذ روایت نہ کریں لیکن کیا باقی علوم میں بھی ان کا ضعف لاحق ہو جاتا ہے جبکہ اس وقت ہمارا ہی یہ ہے کہ وہ امام اعظم سے فدا کبر کی روایت کرتے ہیں۔
علامہ مہد نقاد و نقاشی لکھتے ہیں کہ

راوی کذاب اللغۃ الاکسر عن اسی حنیفہ ۱۱ (البحر المنیر)
ص ۲۶۵ ج ۲

امام ابو مطیع نے کتاب فدا کبر حضرت امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے۔
فرضیکہ یہ کتاب ابو مطیع کی نہیں بلکہ امام صاحب ہی کی تالیف ہے، امام ابو مطیع تو صرف اس کتاب کے راوی ہیں۔

اس لئے جب ان کی روایت کردہ کتاب پر ائمہ اجل اعتماد کرتے ہیں اور اس کی لاتعداد شروحات لکھتے ہیں تو اس کی کوئی تو اہمیت ہے یا نہیں؟
کیا یہ بات تعصب نہیں ہے! کہ ایک شخص کو ایک فن میں کمزور جان کر اس کو مکمل طور پر بے اہمیت کر دیا جائے، اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ جو شخص ایک علم نہ جانتا ہو وہ جاہل سمجھ لیا جائے یا اس کو کہا جائے کہ وہ کچھ بھی نہیں اس کا مطلب یہ ہے ہر عالم کو تمام علوم کی کامل سمجھ لازم قرار دی جائے۔ اور اس اصول کو اگر اہل دینا جائے تو کیا محدثین بھی اہل علم کے زمرے میں شمار کئے جانے کے قابل رہیں گے جبکہ ان ہی محدثین کے ہاں فقہاء و علویوں کو کہا جاتا ہے:

انتم الاطباء ونحن الصیادہ

اور اسی مناسبت سے امام قمی کا قول بڑا معروف ہے جس کو محمد علی کا نہ حلوی نقل کرتے

ہیں:

امام قمی (جنگے بارے میں ان کے علاوہ ہی نہیں اس وقت کے عام لوگوں میں بھی یہ بات مشہور تھی کہ

”ماکان بالعراق اعلم بالسنۃ“

عراق میں سن سے زیادہ علم حدیث کو جاننے والا کوئی نہ تھا)
بذات خود اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہم تمام علوم کے ماہر نہیں ہیں بلکہ ہمارا میدان تو
نقل روایت ہے اور اس میں اخذ مسائل ہمارا کام نہیں ہے۔
لہذا آپ فرماتے ہیں:

اَلَا لَسْنَا بِالْفُقَهَاءِ وَلَكِنَّا سَمِعْنَا الْحَدِيثَ مِنْ رُوِيْنَا الْفُقَهَاءَ

ہم فقہاء میں سے نہیں ہیں ہم تو احادیث سن کر فقہاء کرام کے سامنے پیش کرنے والے
ہیں۔ (المعجم اور معجم ص ۱۶۹)

یہ وہ زمانہ ہے جب اہل علم مختلف علوم میں مہارت رکھنے والے احباب کو احرام کی نگاہ
سے دیکھا کرتے تھے، لیکن بعد میں جب علم اسمائے رجال وغیرہ سامنے آئے اور اس علم کے
ماہرین کو علماء میں پذیرائی ملی تو ایک نئی طرح پڑ گئی، اور وہ یہ کہ یہ حضرات خود ایمان کی طرف
منسوب کر کے بعض احباب کے بارے میں سنی ستائی باتوں کو اس قوت کے ساتھ بیان کیا جاتا
کہ وہ دوسرے لوگوں کے سامنے منکاذ و بجا حاصل کر لیتے تھے۔

امام ابو مطیعؒ بھی اسی زمرہ میں آئے ہوئے لوگوں میں سے ہیں اس پر حریص تفصیل بڑی
کتاب میں معلوم کی جاسکتی ہے
جمہیہ ہونے کے الزام کی حقیقت:

امام ابو مطیعؒ پر حوازمات لگائے گئے ہیں میں ایک تو یہ کہ آپ جمہیہ میں سے تھے عبد اللہ
بن احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے حکم بن عبد اللہ ابو مطیعؒ کے بارے میں
سوال کیا تو آپ نے جواب دیا:

لَا يَسْمَعُ اَنْ يَرْوِيَ عَنْهُ اَحَدٌ اَوْ اَنْ يَكُنْ يَمْلُوكُ: ”الجنة والنار

خلقا وسفیان“ (سنن بیہقی: ۸۵۳۷۵)

میں سے روایت نقل کرنا مناسب نہیں کیونکہ ان کے بارے میں یوں کہا جاتا ہے کہ وہ

کہتے تھے ”جنہ اور دوزخ دونوں پیدا کئے گئے ہیں اور مغرب دونوں فنا ہو جائیں گے“ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم

اس الزام کی حقیقت سوائے سنی سنائی باتوں یا الزامات کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ کاش امام احمد بن حنبل کے پاس ان کی روایت کردہ کتاب فقہ وسط (فقہ اکبر) پہنچی ہوتی یا انہوں نے امام شافعی کی طرح قھوڑا تردد فرمالیا ہوتا اور یوں انہوں نے امام اعظم کی کتب سے استفادہ کر لیا ہوتا تو آج ان سے انکا یہ مسئلہ نہ بنتا۔

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے کالمین کی منہ سے نکل ہوئی بات کو دوام نصیب فرما دیا کرتے ہیں چاہے وہ غلط ہو یا درست؟

اس لئے اہل اللہ کو زبان کھولنے سے پہلے یہ ضرور سوچ لینا چاہئے کہ ہماری اس بات کا انہام کیا ہوگا؟

اسی الزام کو دیکھا جائے تو صدیاں بیت جانے کے بعد بھی امام ابو مطیع علیٰ مور الزام موجود طعن ضمیر سے ہوئے ہیں۔

پیدائے تو امام احمد بن حنبل کی قحی جران کے بیٹے نے ان سے نقل کی ہے اور اگر امام ابو مطیع سے بھی اس مسئلے کے بارے میں جان کاری کر لی جائے تو منہ پر بھی ہوگا اور اس مسئلے کے تجزیہ کرنے میں بہت آسانی بھی ہو جائے گی۔

امام ابو مطیع سے فقہ اہل المعروف فقہ اکبر میں مقول ہے آپ فرماتے ہیں:

”قلْتُ مَنْ قَالَ اِنَّ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ لَيْسَا بِمَحْلُوْلَيْنِ !

قَالَ الْاِمَامُ : قُلْ هُمَا حَسِيٌّ ، اَوْ لَيْسَا بِحَسِيٍّ ؟

فَاِنْ قَالَ حَسِيٌّ : فَقُلْ : قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی (اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ)

وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی : (اِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلْقْنَاهُ بِقَدَرٍ) . وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی :

(اَنَّا نَبْرِئُكُمْ عَلٰیهَا وَنُعَلِّمُكُمْ عَلٰیهَا)

فَاِنْ قَالَ : اِنِهُمَا لَفَتْنَانِ ؟ فَقُلْ لَهُ : وَصَفَ اللّٰهُ تَعَالٰی لَتَمِيمَهُمَا (لَا

مَقْفُوعَةٌ وَلَا مَمْنُوعَةٌ

وَمَنْ قَالَ إِنَّهُمَا لَفَتَانِ بَعْدَ دُخُولِ أَهْلِهَا فِيهَا ، كَفَرُ بِاللّٰهِ تَعَالٰی

لَاَنَّهُ الذِّكْرُ الْمَحْلُودُ فِيهَا “ (فقہ الايضہ: ۸۰)

میں نے کہا: اگر کوئی شخص کہے کہ جنت اور جہنم مخلوق نہیں ہیں تو اس کو کیا جواب دیا

جائے گا؟

امام اعظم نے کہا: اس سے پوچھو کہ کیا وہ شے کے حکم میں ہیں یا نہیں ہیں؟

اگر جواب ملے کہ وہ شے کے حکم میں ہیں تو اس سے کہو کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (

اللہ تعالیٰ ہر شے کے خالق ہیں) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (بے شک ہم نے ہر شے کو ایک

امکان سے کے مطابق پیدا کیا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا (جہنم کی آگ ان کے ہو پر ہر

صبح اور ہر شام کو پیش کی جاتی ہے) جہنم اور جنت کی موجودگی پر اس آیت سے استدلال کیا

جاریا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اگر جہنم موجود نہیں ہے تو ہر صبح اور ہر شام اہل قیور پر کیا پیش کیا

جاتا ہے؟

اور اگر وہ یہ کہے کہ وہ فنا ہو جانے والی ہے۔ تو آپ اس کو جواب دیں: اللہ تعالیٰ نے

اپنی نعمتوں کا تعارف ان الفاظ کے ساتھ کر دیا ہے (وہ نہ تو ختم ہوگی اور نہ ہی رکس گی)۔

اور جو شخص یہ کہے کہ جنت اور جہنم میں جنہوں نے داخل ہونا ہے ان کے دواطلے کے بعد

وہ فنا ہو جائیں گی تو ایسا شخص کافر ہے کیونکہ اس نے جنتی یا جہنمی لوگوں کے اس میں ہمیشہ کے

لئے داخل ہونے کا ان کا رد کر دیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے خالدین کا قطعہ استعمال کیا

ہے۔

اور اس کے بعد حضرت امام اعظم نے ایک فصیح فرمائی اور کہا:

”قَالَ لِيْ اَبُو حَبِيْبَةَ اِنَّ الْكَلِمَ مَعَ الْخَصْمِ حَتَّى يَهْدِيَ وَلَيْسَ لِيْ اِنْ

الْكَلِمَ حَتَّى يَخْرُسَ لِاَنَّ الْاَعْرَاسَ مَعْجَزَةٌ وَالْمَعْجَزَةُ لِلْاَنْبِيَاءِ لَا

لِغَيْرِهِمْ ، فَإِذَا الْجَنَّةُ وَالنَّارُ مَوْجُودَتَانِ فَهَلْنَا “

مجھے امام ابوحنیفہ نے کہا کہ مخالف کے ساتھ ایسے انداز سے بات کرنی چاہئے جس سے سائل کو ہدایت ملے اس انداز میں بات نہ کرنی چاہئے کہ اس کو لا جواب کر دیا جائے کیونکہ مخاطب کو لا جواب کرنا مجرہ ہے اور مجرہ صرف انبیاء کے ساتھ خاص ہے اور کسی کو نہیں دیا گیا بلکہ اجنت اور جہنم کے بارے میں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ موجود ہیں۔

اب آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ جو اہرام حضرت امام احمد بن حنبل نے نقل در نقل کی صورت میں آپ کی طرف منسوب کیا ہے کیا وہ درست بھی ہے یا نہیں؟

ابو مطیع کے بارے میں ائمہ عقام کی رائے:

امام ابو مطیع مکی کے بارے میں بعض ائمہ کی طرف سے کہے گئے تعریفی کلمات یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ قارئین کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ابو مطیع پر صرف تنہید ہی نہیں کی گئی بلکہ ان کی توثیق کرنے والے ائمہ کرام بھی بدد جہا بلند و برتر مقام کے حامل ہیں مثلاً:

(۱) امام عبداللہ بن مبارک امام ابو مطیع مکی کے بارے میں فرماتے ہیں:

ابو مطیع له النقة على جميع اهل الدنيا (تاریخ بغداد: ۲۳۱)

ابو مطیع کا ساری دنیا کے لوگوں پر بہت بڑا احسان ہے۔

(۲) خطیب بغدادی ابو مطیع کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وكان قلبها بصيرا بالراي (تاریخ بغداد: ۲۳۳)

آپ فقیر تھے اور اہل رائے میں بڑے صاحب بصیرت تھے۔

(۳) علامہ ابی اور امین حجر نے ان کے بارے میں کہا:

كان ابن مبارک يعظمه ويحمله لدنہ و علمہ

(لسان المیزان: ۳۳۳ ج ۲)

علامہ ابن مبارک ان کی دین اور علم کی وجہ سے ان کی تعظیم اور بڑائی کے قائل تھے۔

(۴) ابن حجر عسقلانی ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

وكان بصيرا بالراي علامة كبير الشأن (لسان المیزان: ۳۳۳ ج ۲)

اور اہل مدائے میں آپ بڑے صاحب بصیرت تھے اور بڑی شان والے علماء تھے
(۵) اور امام مالک بن انس نے کسی آدمی سے پوچھا کہاں سے آئے ہو اس نے جواب
دیا میں سے آ یا ہوں جس کے جواب میں امام مالک نے فرمایا:

فاحضیکم ابو مطیع لمام مقام الانبیاء (تاریخ المدینہ ۳۳۳ ج ۸)
تمہارے کاخی ابو مطیع یا نبیاء کے قائم مقام ہیں۔

(۶) موسیٰ بن نصیر اور محمد بن مقاتل جو آپ سے نقل روایت کرتے تھے ان کے بارے
میں ابن حجر مستطانی کا کہنا ہے کہ وہ دونوں ابن کی بڑی تعظیم کیا کرتے تھے

(لسان المیزان: ۳۳۶ ج ۲)

(۸) علامہ ابی کتاب البصر میں فرماتے ہیں کہ ابو داؤد کہا کرتے تھے:

بلغنا الله من كبار الاقارب بالمعروف والنفعين عن المنكر

(الترغیب والترہیب، حاشیہ لسان المیزان: ۳۳۵ ج ۲)

ہمیں یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ ابو مطیع امر معروف اور نہی منکر کرنے کے بہت اہل
درجے پر قائم تھے۔

عادۃ امام صاحب بڑے دیوبند امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے لوگوں میں
سے تھے:

امام کا شمار صاحب بصیرت ائمہ میں سے ہوتا ہے اور اپنے زمانے اور علاقہ میں علم کی
پہنچ کی علامت سمجھے جاتے تھے:

علامہ ذہبی کی رائے ہے کہ ابو مطیع صاحب المراتب تھے اور بڑے عالم تھے:

(۷) اور علامہ طبری امام ابو مطیع نجفی کے ساتھ علماء کی ہر مناسبت سے پردہ افشا تے ہوئے
فرماتے ہیں:

كان علي القضاء بليغ، وكان الحفاظ من اهل العراق وبلغ لا

يرحونه (لسان المیزان: ۳۳۶ ج ۲)

فقہ اکبر و وسط ————— ۸۵

ابو مطیع علیؒ کے منصب قضاء پر قائم تھے، اور عراق دہلیؒ کے خلاف حدیث آپ سے راضی نہ تھے۔
جو شخص امر معروف اور نہی منکر کا عادی ہو، اور اس میں وہ حاکم وقت کی بھی پرواہ نہ کرتا ہو، اور وہ بھی حنفی اس کو برداشت کرتا؟ آسان کام نہیں تھا اس لئے لوگوں نے ان کے بارے میں دنگارنگ کی باتیں پھیلائے شروع کر دیں، یہ عادت اہل علم سے چلی نہیں ہے کہ ایسا ہوتا رہتا ہے۔

(۹) شوذب اپنے ساتھی صویب سے کہتے ہیں:

ایک سات میں نے خراب میں ابو مطیع کو دیکھا گو یا کہ میں ان سے پوچھ رہا ہوں کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا معاملہ ہوا؟ آپ نے کوئی جواب نہ دیا تو میں اصرار کیا تو آپ نے جواب دیا

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَضِبَ لِيْ ، وَهُوَ الْمَغْطَرَةُ (تاریخ بغداد: ۸۵، ۲۳۳)

بے شک اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمادی ہے اور بہت لمبی غصہ فرمائی ہے۔

شرح الفقہ الابط

۱- شرح الفقہ اکبر ابواللیث سرقدی متوفی ۱۳۳۳ھ شائع شدہ دائرۃ معارف نعمانیہ حیدرآباد دکن۔

اس کا جدید انداز میں عربی متن پوری تحقیق کے ساتھ کاتب المعروف نے تیار کیا ہوا ہے ان شاء اللہ جلد ہی اللہ تعالیٰ اس کی طباعت کے سبب مہیا فرمائیں گے۔

۲- نظم الدرر فی شرح الفقہ اکبر: مؤلفہ قاضی عید اللہ اعلوی متوفی ۱۳۳۷ھ شائع شدہ مجلس ملی کراچی ۱۹۸۵ء۔

اس نسخہ میں مجموعہ احادیث کو خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے اور اپنے نسخے میں مجموعہ احادیث عموماً اسی سے منقول ہیں اور امام صاحب کی سوانح حیات پر مشتمل ایک مقدمہ حضرت قاضی صاحب اور بعض مفید معلومات پر مشتمل ایک مقدمہ استاد کرم خانی صلی اللہ علیہ وسلم کی وامت پر کلام کا لکھا ہوا ہے اور مجلس ملی کراچی نے اس کو طبع کیا ہے۔

۳- قادی شرح شیخ محمد الحسینی المعروف گیسو دراز شائع شدہ برقی پریس حیدرآباد دکن۔ ۱۳۶۷ھ۔

یہ مکمل شرح ہے اس میں بعض مباحث کو خاص کر کے اس پر فارسی زبان میں آسان اور آلود تر جرد ہے اور بعض مقامات پر امام نے عربی میں کلام کیا ہے عربی نسخے میں اس کو نام کی وضاحت کرتے ہوئے نقل کیا گیا ہے اور باقی فارسی حصہ الگ سے تیار کیا گیا ہے البتہ اس کا اردو ترجمہ عربی اور اردو دونوں کو سامنے رکھ کر کیا گیا ہے اس کا ایک قلمی نسخہ حضرت العلامة سید قمیس الحسینی خانوودہ حضرت خواجہ گیسو دراز کے کتب خانہ میں موجود ہے اور اس کا مطبوعہ نسخہ بھی حضرت سے ملا اور اس کام کی تکمیل کا سہرا بلا کسی رد و رعایت حضرت کے سر ہے اور انہوں نے ہی اپنے قلم زیریں رقم سے ایک قلمی نسخہ مرقومہ ۱۰۹۵ھ سے مقابلہ اور صحیح فرمائی تھی جو ۱۹۶۰ء کو پایہ تکمیل کو پہنچی تھی یہ دونوں نسخے میرے پیش نظر رہے اور اللہ جل وعلیٰ حضرت

کی قبر کو منور فرمائے آمین

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

۴۔ شرح شمع زاہد الکلوثری باسم الفقہ الاٹ یہ نسخہ سفر امریکہ میں کولمبیا یونیورسٹی کی لائبریری میں ملاحظہ کرنے کا اتفاق ہوا تھا اور اب امریکیہ اکیڈمی کراچی سے دوبارہ چھپ چکا ہے۔

۵۔ ایک شرح بندہ بھی مکمل کر رہا ہے، جو ان شاء اللہ جلد کی طبع ہو جائے گی۔

۶۔ ایک شرح جس میں امام ابو الیث سمرقندی اور خواجہ محمد السینی السعوف کیسورازی شروحات کو جمع کر دیا گیا ہے اور ان سب کا اردو ترجمہ کروایا گیا ہے

۷۔ ترجمہ آثار الامام کے نام سے دیوبند سے مولانا سید حسین احمد مدنی کی مگرہنی میں مولانا مہدی رحمانی نے مکمل فرمایا تھا جو مطبوع لیکن اب اس کا ملنا مشکل ہے۔

اس میں علامہ رحمانی نے طالب علمی کے زمانہ میں امام صاحب کی چند تصانیف کا اردو ترجمہ کیا ان میں الفقہ الاٹ، العالم والسکرم اور رسالہ ملی عثمان الحق خاص طور سے قابل ذکر ہیں اور مکتبہ شہاب دیوبند سے ۱۹۶۳ء میں شائع ہوئی تھی۔

باب چہارم :

علم عقائد کے متعلق دس بنیادی امور کا بیان

اس باب میں وہ اہم باتیں بیان کی جائیں گی جن کا جاننا کسی بھی طالب علم کے لئے کوئی علم شروع کرنے سے پہلے جاننا ضروری ہے تاکہ اس کے قطعی عمل میں آسانی ہو اور ہم مسائل میں اس کے لئے سہولت ہو اور حصول علم کا مقصود اصلی اس کے لئے آسان ہو جائے امام کاظمؑ کا فتویٰ کا فرمان ہے:

”کسی علم کا حاصل کرنا بذات خود کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ وہ تو کسی اور مقصد کے لئے ایک نیزگی کا کام دیتا ہے اور طبیعتوں میں استعداد پیدا کرنے اور دوسرے علوم کے حصول کا بنیادی ذریعہ ہوتا ہے“

ہر طالب علم کے لئے لازم ہے کہ وہ کوئی بھی علم شروع کرنے سے پہلے دس باتوں کو جان لے اس سے اس علم کی افادیت زیادہ ہو جائے گی اور علمی استفادہ بھی آسان ہو جائے گا۔

انہی دس باتوں کا تذکرہ امام ابن زکری رحمہ اللہ مقاصد تحصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فأولُ الأسبابِ في المبادئ
وذلك عشرةً على المراد
الخلق، والموضوع، ثم الواضع
والإنتم بوضعها، حكم المشايع
نصوب المنايل، المفجئة
ونسبة، وفائدة جليلة

اور انہی دس باتوں کو تذکرہ علامۃ صیان ثعلبی ایک شعر کی صورت میں یوں بیان فرماتے

ہیں:

إِنْ مَسَادِي غَمْلُ لَسَ غَمْرَةً
الْخَلْدُ ، وَالْمَوْضُوعُ ، ثُمَّ الْفَضْرَةُ
وَالْفَضْلَةُ ، وَبَيْتَةُ ، وَالْوَاغِي
وَالْإِسْمُ ، بِمَنْفَذِ ، حُكْمِ الْفَارِغِ
مَنْجِلُ وَالْبَغْضُ بِالْبَغْضِ الْغَضِي
وَمَنْ فَرَى الْجَمِيعَ خَارِ الْغُرَاءِ

کسی بھی علم کے شروع کرنے سے پہلے جن دس باتوں کو جاننا ضروری ہے ان کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

- (۱) اس علم کی تعریف
- (۲) اس علم کا موضوع
- (۳) اس علم کے حصول کے نتائج
- (۴) اس علم کی فضیلت
- (۵) اس علم کی نسبت یعنی وہ کس کی طرف منسوب ہے
- (۶) اس علم کا واضح یا پانی کون ہے
- (۷) اس علم کا نام کیا ہے
- (۸) اس علم کے حصول کے لئے کیا شرائط و لوازمات ہیں
- (۹) اس علم میں بیان کئے جانے والے مسائل
- (۱۰) اور اس علم کے فضائل کیا ہیں

۱۔ علم عقائد کی لغوی اور اصطلاحی تعریف:

علم عقائد و اعتقالات کا مجموعہ ہے ایک علم اور دوسرا عقائد۔

شیخ انور شاہ عثمینی فیض الباری میں فرماتے ہیں، علم کی تعریف آئمہ ماتریدہ کے نزدیک یوں بیان کی جاتی ہے:

هو صفة مودعة في القلب كالقوة الباصرة في العين من شأنها

الاجلاء بالشروط اللاحقة بها، فالعلم واحد مع تعدد المعلومات :

علم ایک ایسی صفت ہے جو دل میں ودیعت کی گئی ہے جیسے بصارت آنکھوں میں ودیعت کی گئی ہے اور علم کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ان تمام ضروری شرائط کے پورا ہونے کے بعد محاطے کو روشن کر دیتا ہے، اس لحاظ سے معلومات کی کثرت کے باوجود علم ایک ہی ہوتا ہے۔ اور عقیدہ کی تعریف یوں بیان کی جاتی ہے :

و العقيدة من العقيدة لغة، وهو الاعتقاد الجازم بالقلب او المراد به نفس العقائد دون العمل

لغوی طور پر عقیدہ کا قطع مقدمہ سے لگتا ہے اور اس سے مراد دل کے ساتھ یقین محکم ہو جائے، اور اس سے مراد صرف عقائد ہیں نہ کہ عمل اور خشکیں کی اصطلاح میں :

والکلام هو علم يقدر به على اثبات العقائد الدينية بامور ادل الحجة القاطعة ودفع الشبهات الواردة عليها.

اور علم کلام سے مراد ایسا علم ہے جس میں یقینی دلائل کے ذریعے دینی عقائد کو ثابت کیا جاتا ہے اور ان عقائد پر دلائل کو ثابت ہونے والے اعتراضات کو رد کیا جاتا ہے۔

۲۔ موضوع علم کلام اور علم عقائد :

موضوع کو بیان کیا جاتا ہے اور متعین کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اس کی وجہ سے مختلف علوم میں امتیاز ہو جاتا ہے۔

اور اس سے مراد ایسی معلومات کو یک جا جمع کرنا ہے جس سے دینی عقائد کو ثابت کیا جاتا ہے چاہے اس کا علم عقائد سے قریبی تعلق ہو یا دور کا تعلق ہو۔

علم عقائد میں ایسے مسائل بیان کئے جاتے ہیں جن کا اصول الدین سے تعلق ہوتا ہے اور وہ مسائل ایمان کی بنیاد کا دوجہ رکھتے ہیں، اور ان مسائل کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے جیسے : اللہ تعالیٰ کا اپنی تمام صفات کمالیہ کے جامع ہونے کے لحاظ سے تعارف کیا جاتا ہے۔ اور اس

کا ہر نقص و زوال سے پاک ہوتا، اور اللہ تعالیٰ کے ملائکہ اس کی طرف سے نازل شدہ کتب اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں، اور قیامت کے دن کا تعارف اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و شر کے ہونے کا تذکرہ، اور متحسین کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جاتا اور ان کے نیک اعمال پر انگوٹھا باندھ دیا اور برے اعمال پر انگوٹھا لٹکا دیا جانے کا تذکرہ، اور اس طرح کے دوسرے مسائل کا تذکرہ بیان کیا جاتا ہے اور اس کے موضوع کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ

هو ذات الله تعالى اذ يبعث فيه عن صفاته والمعاله في الدنيا ،

كحدوث المعالم ، و ما في الآخرة كالعشر للاجماد ،

واحكامها فيهما كبعث الرسل ونصب الامام .

اس کا موضوع اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے لحاظ سے بحث کرنا، اور دنیا کا اس کے حادث یا قدیم ہونے کے لحاظ سے اور وہ معاملات جو مرنے کے بعد پیش آنے والے ہیں ان کا بیان کرنا اور انبیاء کی بعثت اور امام کی تعیین کے حوالے سے بحث کرنا اس علم کا موضوع ہے۔

۳۔ علم کلام اور علم عقائد کے بانی اور مدون:

سب سے پہلے علم کلام کی بنیاد رکھنے کا شرف جس عظیم شخصیت کو حاصل ہوا تھا وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

سب سے پہلے اس علم کو احاطہ تحریر میں لانے اور اس کو مدون کرنے کا شرف حضرت امام عظیم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کو حاصل ہوا تھا۔

(۱) علم عقائد میں سب سے پہلے امام مسلمانوں کی راہنمائی کے لئے ایک کتاب بنام "اللفظ الاکبر" تحریر فرمائی ہے جو آج بھی مسلمانوں میں بہت زیادہ معروف ہے۔

(۲) علم کلام میں امام عظیم نے چار کتابیں تحریر فرمائی ہیں۔

۱۔ اہل السنۃ والجماعۃ کی عقائیت پر سب سے پہلے علم کلام میں ایک کتاب "آل رد علی القدرۃ" لکھی۔

۲- دوسری کتاب فقہ اہل حق ہے جس میں امام ابو مطیع علی کے اعتراضات کے جوابات دئے گئے ہیں۔

۳- تیسری کتاب جس میں امام ابو قتال کے اعتراضات کے جوابات دئے گئے ہیں اس کا نام عالم و محکم ہے۔

(۲) علم ہادہ میں سب سے پہلی کتاب امام اعظم نے اپنے شاگرد عثمان بن عقی کے سوال کے جواب میں خط و کتابت کو بطور تعلیم و تربیت کے قائل کو شروع کرنے والے اور آپ پر کئے گئے اعتراضات کا بذریعہ خط و کتابت جواب کئے والے بھی سب سے پہلے حضرت امام ابو حنیفہ ہیں انہوں نے مسئلہ ارجاء کے بارے میں آپ پر کئے گئے اعتراضات کا جواب ایک رسالے کی شکل میں تحریر فرمایا تھا جو رسالہ علی بن ابی حمزہ کے نام سے معروف اور چھپا ہوا ہے۔

(۴) علم نصاب میں بطور وصیت کے تمام امت کے افراد کے نام سب سے پہلے آپ نے ایک وصیت علم ہادہ میں تحریر فرمائی۔

اسی لئے امام ابو الیسر یزدی دو کی کا فرمان ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ اپنے شاگردوں کو پہلے مکمل سب سے پہلے علم ہادہ اور علم کلام کی تعلیم: اور باقاعدہ مناظرہ کرنے کا طریقہ اور اس کی تربیت دیا کرتے تھے: اور آپ بذات خود اس زمانے کے سب سے مضبوط علمی فرقہ معتزلہ اور دیگر اہل بدعت کے ساتھ مناظرے کیا کرتے تھے۔

۴- علم ہادہ کی وجہ تسمیہ:

۱- فقہ اکبر: اس کا ایک نام ہے: کیونکہ فقہ کہتے ہیں

(هو فقه لغة النفس خالفها وما خالفها)

فقہ علم ہے جس کے ذریعہ فہم اور بلاغت فہم کی معرفت اور سمجھان حاصل ہوتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کے بیان کرنے میں تمام علوم میں سے سب

سے افضل علم بھی علم حق ہے: کیونکہ اس علم کے ذریعے سب سے افضل معلوم (اللہ تعالیٰ کی ذات) کو معلوم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے: اسی لئے اس سے افضل اور اعلیٰ درجے کا کوئی اور علم نہیں ہے: اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف اسکے علاوہ کسی اور علم کے حصول پر اس سے زیادہ اجر و ثواب ہو سکتا ہے: اسی لئے اس علم کا نام: علم حق اور حق کبر رکھا جاتا ہے۔

۲۔ علم الحی: اس علم کا نام مسلم الہی اس لئے رکھا گیا ہے کیونکہ اس علم میں اللہ تعالیٰ کے عظیم ترین امور کا ذکر کیا جاتا ہے: اور اس کے بعض اسرار و رموز اور ایسے چھپے ہوئے ہندوں سے پردہ اٹھایا جاتا ہے جس میں اپنی طرف سے نہ نڈل انداز ہی ہو سکتی ہے اور نہ ہی اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ساری مادی اور غیر مادی کائنات ہر لحاظ سے کامل و مکمل ہے۔

۳۔ علم باہر الطبیعیات: اس کو یہ نام اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ جو امور اس دنیا کے حسی کلام سے تعلق رکھتے ہیں انکو معلوم طبعیہ کہا جاتا ہے لیکن اس علم میں جو باتیں زیر بحث لائی جاتی ہیں وہ حقانہ سے تعلق رکھتی ہیں اور وہ عموماً اس سے دور رہتی ہیں اسی لئے اس کو علم باہر الطبیعیہ کہا جاتا ہے۔

۴۔ علم الکلام: اس علم کو علم کلام کہنے کی وجہ یہ ہے، کہ اس علم میں اپنے صاحب سے ایسے طریقے سے بات کی جاتی ہے جو اس کی سمجھ میں آسکے، اسی بناء پر امام صاحب نے اسی کتاب میں ایک مقام پر ابو طلیح کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

ان الکلم مع المعصم حسی یمدی و لیس لی ان الکلم حسی

بمعروض

و مقابل کے ساتھ ایسے طریقے سے کلام کرو کہ اس کو ہدایت نصیب ہو ایسے طریقے سے بات نہ کرو کہ وہ الجواب ہو کر خاموشی اختیار کر لے:

کیونکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے

تکلم الناس علی قدر عقولہم

لوگوں سے ان کے عقلی معیار کے مطابق کلام کرو: اور لوگوں کا معیار عقل مختلف ہوتا ہے لہذا رہبر کو چاہئے عقل معاش کو ذریعہ بناتے ہوئے مخاطب کو عقل معاد کی مشکل وادی کی سیر کروائی جائے۔

اور اسلام پر وارد ہونے والے شبہات کا ازالہ ایسے طریقے سے کیا جائے جو بالعموم اصول اسلام کا طریقہ بحواب نہ ہو: کیونکہ انسان کے بس میں یہ بات نہیں کہ اپنی عقل دارسا کے ذریعے تمام معقولات کو سمجھ سکے: اس لئے کہ آکھ سے تمام (visebal) اشیاء کو محسوس بھی نہیں کیا جاسکتا۔

۵۔ علم خدا: اس کو اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کا تذکرہ کیا جاتا ہے اور ملائکہ و رسل کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے اور دنیا میں اعمال اور آخرت میں اس کی جزا یا سزا کے بارے میں بحث کی جاتی ہے تو گویا ایک لحاظ سے یہ گروہ لگتا ہوتا ہے اور وہ بھی ایمان سے بھرے ہوئے دل کو گروہ لگا دیتا۔ اور اس میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور امت محمدیہ کے ائمہ کے اجماع جو باتیں مستحکم ہو چکی ہیں ان کو بیان کیا جاتا ہے۔

۶۔ علم امور عامہ: اس کو علم امور عامہ اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس میں ایسے مسائل زیر بحث لائے جاتے ہیں جن کا تعلق عموماً موجود اس معنوں میں کہ وہ واجب جو ہر یا عرض کے ساتھ وابستہ نہیں ہوتے۔

۵۔ علم عقائد کی مختلف شاخیں:

علم عقائد تو ایک ایسا علم ہے جس کا تعلق خالص عقائد اور اللہ تعالیٰ کی شناخت پہنچی ہے اور اس کی مختلف شاخیں ہیں جن کا اجمالاً خاکہ مندرجہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ علم توحید: اس علم میں وہ تمام مسائل جو کسی فرد کے مسلمان بننے کے لئے ضروری ہیں ان کو بیان کرنے اور ان کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا اور اپنی سوچ اور فکر کو اس کے مطابق بنانا علم توحید کہلاتا ہے۔

۲۔ علم کلام: جب کسی نابمجھ کے ساتھ دین کے تعارف کی بات کی جاتی ہے اور اس کی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جاتا ہے اس کو علم کلام کہا جاتا ہے کیونکہ اس پورے شعبے میں ساری بات کی بات چیت پرتنی ہوتی ہے اور اس بات چیت کو کلام اور اس کلام کو منظم کر کے بیان کرنے کا نام علم کلام ہے۔

۳۔ علم مناظرہ: اگر عقائد کے کسی مسئلے کے بارے میں اس انداز میں بات چیت کی جائے کہ دونوں طرفین راہ حق پر ہوں لیکن کسی جزوی مسئلہ کے توضیح و تشریح میں اختلاف رائے پیدا ہو جائے تو اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے طرفین آپس میں بات چیت کریں اور ان دونوں کا مقصد تلاش حق ہو اور چائی تک رسائی مقصود ہو اس کو علم مناظرہ کہا جاتا ہے۔

۴۔ علم مجادلہ: جب کسی باطل فرقے کے ساتھ بات چیت کی جائے اور ان کے سامنے حقیقت حق کو عیاں کرنا اور ان کے بطلان کو بیاں کرنا مقصود ہو تو اس کو علم مجادلہ کہا جاتا ہے اس میں مخاطب کی بات کو نہ ماننے کا اصول پیش نظر ہوتا ہے۔

۵۔ علم مکالمہ: اگر مختلف مذاہب فکر آپس میں اپنے مذہب کی تائید کی کرتے ہوئے مصلوبات کا تبادلہ اور اپنے مذہب کا تعارف لوگوں کے سامنے بیاں کریں اور اس میں تقبول حق یا تسلیم مقابل مقصود ہوتی ہے اس کو علم مکالمہ کہا جاتا ہے۔

۶۔ علم مباحثہ: جب مکالمہ کے دور میں بعض مسائل کی توضیح و تشریح مقصود ہو تو اس کی وضاحت بیان کرنے اور اس پر پیش آنے والے سوالات کی وضاحت بیان کرنے اور دوسرے مذاہب کے عقائد میں مطابقت پیش کرنے کے عمل کا نام مباحثہ ہے۔

۷۔ حصول علم کے اصول:

جو شخص اس علم کو حاصل کرنا چاہتا ہو اس کو چاہئے کہ ہر ایک شخص کے سامنے زانوائے کھنڈ نہ ملے کرے بلکہ دیکھے لے کہ جس شخص سے یہ علم حاصل کرنے لگا ہے وہ اس علم میں معروف ہو اور درجہ کمال رکھتا ہو، اور اہل السنۃ والجماعت کے اصول و فروع سے مکمل آگاہی رکھتا ہو اور اس علم میں شہرت کے بلند مقام پر فائز ہو، بعض علماء کی کسی ایک مسئلہ میں تو

مہارت ہوتی ہے لیکن بعض دوسرے مسائل میں وہ بالکل کورے ہوتے ہیں اسی وجہ سے آج اہل السنۃ والجماعت انتشار اور افتراق میں حلقہ ہیں اور ایک ایک مسئلے کی بنا پر ایک غیبتی بحثیں معترضہ وجود میں آرہی ہیں جو دوسرے سب لوگوں کو قانع و فاجر اور بدعتی تو کہا کا فر تک کہنے سے گریز نہیں کرتے اس لئے ضروری ہے کہ اس شخص سے یہ علم حاصل کیا جائے جو اس علم میں بلند ترین درجے پر فائز ہو۔

۷۔ شرع میں اس علم کے حصول کا حکم:

حضرت امام اعظم نے اپنی کتاب 'العالم بالمسلم' میں فرمایا ہے کہ اس علم کے حصول میں کوئی حرج نہیں ہے اس علم کے بارے میں چونکہ اس زمانے کے بعض محدثین میں طرغ طرح کی برائیاں مشہور تھیں اس لئے ابومقال نے حضرت امام صاحب سے اس کے بارے میں تفصیل چاہتے ہوئے سوال کیا:

ابومقال: میں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے جو اس علم کو نہ تو خود سیکھتے ہیں اور نہ ہی اس کے سیکھنے کو جائز سمجھتے ہیں، اور اپنے اس عمل پر وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ صحابہ کرام اس علم کے سیکھنے میں جب نہیں لگے تو ہمیں بھی اس کے سیکھنے کی طرف توجہ نہیں ہونا چاہئے لہذا اس مشقت میں ان کے لئے کیسے وسعت پیدا کی جائے گی اور اس کا ان کو کیا جواب دیا جائے گا؟
امام اعظم: نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: آپ ان کو جواب دیتے ہوئے یوں کہو کہ اگر ہم ان کے زمانے میں ہوتے تو ہمیں بھی وہی طریقہ اختیار کرنا لازم تھا جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا تھا۔

لیکن جو معاملہ ہمیں درپیش ہے وہ ان حضرات کو درپیش نہیں تھا کیونکہ ہمیں تو ایسے لوگوں کا سامنا ہے جو ہمیں طعن و گفتوج کرتے ہیں اور ہمارے خون بہانے کو بھی جائز سمجھتے ہیں تو کیا ہم یہ بات لازم نہیں کہ ہم آپس میں یہ واضح کریں کہ کون قطعی پرہیزگار کون رافضی پرہیزگار ہے؟
اور دوسری بات یہ ہے کہ ہم امام ابوحنیفہ کی اتباع کرتے ہیں اور جس طرح وہ ہمارے فردی مسائل میں امام ہیں اسی طرح وہ ہمارے اصولی مسائل میں بھی ہمارے امام ہیں اور

جب انہوں نے اس علم کے سیکھنے اور سکھانے کو جائز قرار دیا ہے اور اس میں تصانیف کا نہ صرف یہ کہ حکم دیا بلکہ خود بھی تحریر فرمائی ہیں۔

لیکن انہوں نے اپنی آخر عمر میں خود بھی مناظرہ کرنا چھوڑ دیا تھا اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس سے منع فرما دیا تھا کہ وہ دوسرے لوگوں سے مناظرہ نہ کیا کریں۔

پھر اس علم عقائد کا حکم بقدر ضرورت تو فرض میں ہی حکم میں ہے اور جو اس سے زیادہ ہو وہ فرض کفایہ کے حکم میں ہے اور اس علم میں احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے جتنی اور جس مادہ میں بھی کوشش کی جائے وہ مباح ہے۔

۸۔ علم کلام کی تصویر مسائل:

اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات کو ایک خاص مقصد کے پیش نظر خلق کیا ہے: اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا۔ لہذا ہر انسان پر لازم ہے کہ اپنے مقصود اصلی کے حاصل کرنے کے لئے انسانی طاقت میں ممکن حد تک اللہ تعالیٰ کی معرفت کے حصول کی کوشش کرے: اور دنیا کی زندگی اللہ تعالیٰ کے خوف میں اور اس کی محبت میں گزارے: اور اسکے احکامات صحت پر دل و جان سے یقین رکھے: اور اس کے اوامر کی اتباع کا عزم مصمم کئے رہے: اور بن تمام باتوں کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور ملائکہ اور اس کی طرف سے نازل شدہ کتب ہیں: اور اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اس بات کی ذمہ دار ہے اپنی ذمہ داری پوری کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو مالک یوم الدین ہے اور اس نے ہر شخص سے اس کی ذمہ داری کے بارے میں پوچھا ہے اور جو درست جواب دینے میں کامیاب نہ ہوگا اس کو عذاب اور کامیاب ہونے والے کو داغی اور ابدی کامیابی کی نوید کے ساتھ جنتی قرار دے دیا جائے گا: اللہ ہمیں اور تمام مسلمانوں کو اس نعمت سے نوازے

۹۔ اس علم کی فضیلت اور غرض و نفع:

۱۔ یہ بات آپ کے علم میں ہونی چاہئے کہ جب اصولی مسائل کا علم حاصل کیا جائے تو ضروری ہے کہ اس کے باقی لوازمات کا علم بھی حاصل کیا جائے اور خاص طور پر

موجودہ زمانے میں اس کی اہمیت بہت زیادہ ہو جاتی ہے کیونکہ موجودہ زمانے میں اصولی مسائل میں سب سے مشکل مسائل اصول توحید کے متعلق مسائل ہیں۔ اور اب اس علم کے مسائل کے بارے میں کسی امام کا قول بغیر دلیل کے قابل قبول نہیں ہوتا تو یہ لازم اور ضروری ہے کہ اصولی مسائل کے جاننے کے ساتھ ساتھ اس کے لئے ضروری دلائل بھی جانے جائیں تاکہ یہ بات معلوم ہو سکے کہ ہم میں سے کوئی شخص کس نوعیت اور کس درجے کا مسلمان ہے۔

۲- اسی طرح جب ہم کسی ایسے مقام پر ہوں جہاں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ کفار بھی رہتے ہوں اور وہاں کوئی کافر یا ہمارے اپنے ملک میں رہنے والا کوئی کافر دین کے اصولی مسائل کی تفصیلات جاننے کے لئے کسی شخص سے سوال کر دے تو ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اس قابل ہو کہ وہ اپنے دین کے اصولی مسائل سے آگاہی مہیا کر سکے اور اس پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جواب دے سکے:

اور علامہ عضد الدین: رحمہ اللہ کے بقول:

اس علم کی اہمیت اس لئے بھی بہت زیادہ ہے تاکہ اس کی صحیح قدر و قیمت جانی جاسکے اور اس کے لئے جو حقوق لازمہ ہیں ان کو بھرپور طریقے سے ادا کیا جاسکے: جیسا کہ آپ اس علم کے موضوع کو جان چکے ہیں اور یہ اہم ترین اور اہل ترین کام ہے: اور اس کی فرض و غایت، نفع مندی کے لحاظ سے بلند ترین فرض ہے: اور اس کے دلائل و ثبوت عقل کے ساتھ مستحکم ہوتے ہیں اور کبھی کبھی نقل کی قوت بھی ان کے ساتھ اس میں اور زیادہ وثوق پیدا کر دیتی ہے، اور یہ مضبوط ترین افروض میں سے ایک فرض ہے: اور اسی وجہ سے اس علم کی سب سے بلند و برتر مقام حاصل ہو جاتا ہے اس لحاظ سے علم کلام کو ہم سب سے افضل علم قرار دیتے ہیں اور تمام علوم کی تمام برمانچوں میں سب سے بہتر اسی علم کو قرار دیتے ہیں۔

۱۰- علم کلام کے حصول کا فائدہ:

اس موجودہ زمانے میں علم کلام کے حصول میں بہت زیادہ فائدہ ہے: کیونکہ اس

موجودہ زمانے میں لوگوں کے افکار منتشر اور عقائد بھول بھلا چکے ہیں لہذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اس علم کو حاصل کرے اور سکھے: جیسا کہ اس کی تفصیلات ارشاد فرماتے ہوئے امام معتمد الدین عبدالرحمن بن احمد لائچی نے کہا ہے علم کلام کی وضاحت شرع عقد یہ میں فرمائی ہے۔

۱- اس علم کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ تہلیلہ کی لذت سے ترقی کرتے ہوئے یقین کے اصلی ترین درجات تک رسائی حاصل کرنا:
تا کہ اللہ تعالیٰ کے قول:

وَرَفَعَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ

اور اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ایمان والے لوگوں کا درجہ بلند کیا ہے: اور جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا ہوا علم ہے ان کے درجات اور بھی زیادہ بلند ہیں اس آیت کا حقیقی معنوں میں مصداق بن سکے: جس میں ایک عام شخص کی فہمی قوت کو مد نظر رکھتے ہوئے ایمان کیا گیا ہے اور اہل یقین علماء کو ہا و جو اس کے کہ وہ مؤمنین کے قطع میں مذکور ہو چکے تھے خاص طور سے ذکر کرنا اس وجہ سے ہے کہ وہ اس میدان کے صحیح معنوں میں شہسوار ہوتے ہیں۔

۲- اس علم کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ واضح دلائل کے ذریعے ہدایت کے طالبین کی راہنمائی کرنا اور دلائل ظاہرہ و باہرہ کے ذریعے متاخرین و مخالفین کے الزامات کا رد کرنا: تاکہ مخالف کے شکوک شبہات دور ہو کر امن کے ایمان کی تکمیل ہو سکے:

۳- اس علم کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ: دین اسلام کے اصول و فروع کی ایسے شکوک و شبہات سے حفاظت کرنا جو قصصین کو رد ہدایت سے حوٹل کر کے راہ حق سے گمراہ کر دیں:

۴- اس علم کا چوتھا فائدہ یہ ہے کہ: اس کو سمجھنے کے بعد علوم شریعیہ کی بنیاد اس پر رکھی جاسکتی ہے: کیونکہ اصول اسلام کے تاویل و تخریج اس علم کے فروعات کے ذریعے سمجھنا مفید اور آسان ہے۔

۵۔ اس علم کا پانچواں قاعدہ یہ ہے کہ انسان اپنے اعتقاد کی درستی کے ساتھ نیت کو درست کر سکتا ہے اور نیت ایسی چیز ہے جو عمل کی قبولیت کے لئے معیار ہے اور اس کی درستی کے بعد کسی شخص کے قوتِ عملیہ کے پیش نظر بہدی کا سرمایہ کی امید کی جاسکتی ہے۔

یہ تمام اس علم کی غایت اور اس کے مقاصد اور بنیادی قاعدے ہیں اور ان میں اہم ترین یہ ہے جو سب کا مرکزی نقطہ ہے کہ آدمی کو داریں کی سعادت اور خوش خمتی اور فوز و صلاح میسر آجاتی ہے:

۱۱۔ فضائل العلم:

۱۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ اتَّوَّا الْعِلْمَ

درجات (المجادلہ: ۱۱)

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کا درجہ بلند کر دیا ہے اور ان میں سے جن کو علم دیا گیا ہے ان کے بلندی تو کی مراجب کے لحاظ سے ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

انما يعشى الله من عباده العلماء (الفاطر)

اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں لیکن ان میں سے علماء کا

اللہ تعالیٰ کے ڈرنے کے لحاظ سے وہ بندے بہت بلند مقام پر قاتر ہوتے ہیں۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

قل هل يسعوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون انما يخذلهم

اولوا الالباب (الزمر: ۹)

اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ کیا جاننے والے اور ایمان برابری ہوتے ہیں بے شک صحت

صرف محض والوں کے لئے ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

فقہ کبر و لہط ————— ۱۰۱

والراسخون فی العلم بقولون آصابہ کل من عند ربنا وما یدکر
الا اولوالالباب (المرین: ۷)

اور جو لوگ میدانِ علم میں مضبوط ہیں وہ کہہ دیتے ہیں ہم تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے
سب کچھ اللہ رب العالمین کی طرف سے ہوتا ہے اور ان باتوں سے صرف اور صرف حل
دے دی صحت حاصل کرتے ہیں۔
۵۔ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

لکن الراسخون منهم..... لولئک منوٰئہم اجر اعظیما
(احزاب: ۱۶۴)

لیکن وہ لوگ جو علم میں رسوخ رکھتے ہوئے..... یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے اللہ
تعالیٰ کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔

تیسرا حصہ

فقہ اکبر پر کیے گئے اعتراضات کا علمی جائزہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على من كان نبيا و
رسولا و آدم منجد بن الماء والطين و على آله اجمعين
برحمتك يا ارحم الراحمين
الحمد:

بلا حدود و قیاس تعریفیں اس خالق پر دوسرا کو سزاوار ہیں جو کل کائنات کے پیدا کرنے
والے ہیں، اور تمام موجودات کے موجد مخلوقات کے خالق، اور تمام محدودات کے مدیم
ہیں، اور ان سب کے گزاران حیات کیلئے شریعت کا کامل و مکمل اور پاکیزہ راستہ متعین کرنے
کے ایسا انسانوں کو اس راستے کا راہی بنایا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اقتصاد و بے حساب رحمتوں، برکتوں کا نزول و حمد و اور ہستی کے
مستحق محمد مصطفیٰ پر ہوں جو ہدایت کے راستوں کے راہی اور گمراہی اور فساد کے مافی

ابتدائے ابتدا سے آخر آؤ آخر تک ان پر ایسے درود و سلام ہوں جو انسانوں کی مشکلات
آپ کی پاکیزہ آل و مال بیت پر بھی ازل ہوں جو قیامت کے روز گناہ گاروں کے
محنت کرنے والے ہوں گے۔

امت کے ائمہ اعظم میں اس مسئلے پر اختلاف چلا آرہا ہے کہ فدا کبر کون سی فدا کبر
تھیں انکے معصوم کون سے ابو حنیفہ ہیں، اور کون سی فدا کبر درست ہے جس کے راہی ابو
سید محمد بن ابو حنیفہ (۶ عہد) ہیں؟ یا جس کے معصوم ابو طلحہ حکم بن عبد اللہ بن مسلم بنی
سہلی (۱۶۹ھ) ہیں؟

بعض اصحاب نے امام محمد بن ابو حنیفہ (۶ عہد) کو اہل فدا کبر کو امام صاحب کی تحفہ

فہرست و اہم ————— ۱۰۶

ماننے سے ان کا کر دیا ہے، اور وہ اس کو اہمیت بخاری کی تصنیف قرار دیتے ہیں بلکہ وہ
محررات اپنے اس دعویٰ کے حق میں کئی دلائل، اور اس سے اختلاف کرنے والوں پر کئی
اعتراضات کرتے ہیں۔

ان کے اس اختلاف کی نوعیت اور ان پر دلائل پیش کرنا تو ایک مفید عمل ہے جس کی
مخالفت کرنا بے معنی اور لایعنی ہے جبکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان اعتراضات کا یک جا
تفصیلی رد کر دینے کے بعد ان کا اجمالی انداز میں علمی تجزیہ کیا جائے اور اس کے بعد حق کو
واضح اور باطل کو عیاں ہو جانے کے بعد رہ حق کی روایت کی دعا اور باطل سے روگردانی اور
رب کی پناہ مانگی جائے۔ و ما توفیق الا باللہ

وہا اللہم الصبح لنا العبر ، وانشر لنا الرحمة ، ہا دلیل المنحیرین ،
وہا رب العالمین۔

تعارف امام ابو حنیفہ اور ان کی کتاب فقہ اکبر:

فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف ہے اور امام اعظم وہ ہستی ہیں جو اماموں کے امام اور استاد ہیں۔ اور امت کیلئے گمراہی کے اندھیروں میں چراغ ہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی منہاج ہیں۔

اس گمراہی نعمان بن ثابت الکوفی ہے آپ تابعین کی جماعت میں سے ہیں، اپنی جوانی میں اللہ کی عبادت میں مصروف اور تزکیہ باطن کیلئے زہد و ریاضت میں مشغول رہے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دن خواب دیکھتے ہیں کہ ”ریاض الجوز“ میں تشریف فرما ہیں اور وہاں سید ولید بن ولید الخزین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ مبارکہ اوپر سے کھلا ہوا ہے۔

اور اس قبر مبارکہ میں کچھ چھوٹی اور کچھ بڑی ہڈیاں ہیں، اور ان میں سے امام اعظم چھوٹی ہڈیوں کو الگ کرتے ہیں اور بڑی ہڈیاں جن کو اپنے پاس جمع کرتے جاتے ہیں،

یہ خواب بڑا پریشانی والا تھا اس لئے اس کی تعبیر معلوم کرنے کی طرف متوجہ ہوئے لہذا اس وقت خوابوں کی تعبیر کے سب سے بڑے امام محمد بن سیرین کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے اس کی تعبیر بتاتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو ایک عظیم اشارے اور ایک حقیقی عبادت میں یہ خوشخبری فرما رہے ہیں کہ

آپ نئے نئے مسائل کے اجتہاد اور ان کے حل دریافت کرنے میں مشغول ہوں گے، بطوریکہ احادیث پر عمل کرنے اور ضعیف احادیث، یا ان باتوں پر جن میں محدثین نے قیل و قال اور شک و شبہ ظاہر کیا ہے ان روایات پر عمل چھوڑ دیں گے۔

(یہی وجہ ہے کہ جب امام نے اپنے اصول حدیث ترتیب دیے تو اس میں بہت زیادہ سختی کی)

اس لئے معروف ہے:

”كان ابو حنيفة شديدًا للتحصن عن التامخ والمسخ من الحديث، فيعمل بالحديث المأثوث عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم وعن اصحابه، وكان عارفاً بحديث اهل الكوفة“

(موفق ص ۳۳۱)

امام ابوحنیفہ تابع و منسوخ احادیث کے بارے میں بہت زیادہ تحقیق اور تحقیق کرتے۔ جب نئی اور اصحاب ائمہ کے پاس سے کوئی حدیث ملنے کے نزدیک ثابت ہو جاتی تو اس پر عمل کرتے تھے، اور اہل کوفہ کے اثر اور صحابہ کرام کی احادیث کو کثرت سے جاننے والے تھے۔ اسی لئے امام صاحب کے اصول حدیث کو ایک جگہ جمع کر کے ہم نے امام اعظم کے اصول حدیث کے عنوان سے الگ ایک رسالہ مرتب کیا ہوا ہے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی بارگاہ اقدس میں قبول فرمائے اور عام و خاص کے لئے علمی راہنمائی و استفادہ کا باعث بنے۔

یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا ہو جاتا ہے کہ امام صاحب نے جو کچھ فرمایا اس سے یہ بات تو معلوم ہو گئی ہے کہ صحیح احادیث عمل کے لئے اختیار کر لی جائیں لیکن اس بات کا علم عقائد سے کیا تعلق ہے جو یہاں علم عقائد کے شروع میں یہ صحیح حدیث والی بات جان کی جارہی ہے؟؟؟

توضیح: اس سوال کی توضیح کو ہم نمونہ درجات میں بیان کریں گے۔
پہلی بات: حضرت امام اعظم کے نزدیک صحیح حدیث وہ ہے جو عام محدثین کی نظر میں درجہ تواتر تک پہنچ جاتی ہے کیونکہ عام محدثین صحیح حدیث کی تحریف و انحراف سے کرتے ہیں:

لَا يَصِحُّ مَا لَيْتَ يَنْقُلُ عَنْهُ عِلَلُ تِلْكَ الْعِلَلُ ، غَيْرُ مُعَلَّلٍ وَلَا مُطَابِقٍ

(مقدمہ الحکومۃ)

صحیح وہ حدیث ہوتی ہے جس کو نقل کرنے والے عادل و ضبط تام والے افراد ہوں، اور ان میں کوئی راوی کسی قسم کی قلیل یا افرادیت سے محفوظ ہو۔

لیکن حضرت امام اعظم کے نزدیک اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں جس کی امام صاحب کے پاس سو سے زیادہ اسناد موجود ہوں، اور عام محدثین کے نزدیک متواتر وہ حدیث ہوتی ہے۔

وَأَنْ يَمْلِكُوا رِوَايَةَ فِي الْكُثْرَةِ أَلَيْسَ أَنْ يَسْتَعِجِلَ الْعَادَةُ تَوَاضِعَهُمْ عَلَى

الْكُذْبِ (مقدمہ الحکومۃ ۶)

”جس کے روایت کرنے والے ہر زمانے میں اس قدر کثیر ہوں کہ ان سب کے

مجموع پر اتفاق کر لینے کو عقل سلیم محال سمجھے“ (نہر الاصول ۳)

دوسری بات: علم حقائق کے اصول میں سے دوسرا اصول یہ ہے کہ وہ عقیدہ حدیث متواترہ سے ثابت ہوتا ہو، پس جب کوئی بات کسی حدیث متواترہ سے معلوم ہو جائے وہ عمل کے لئے کافی ہے۔

تیسری بات: عمل دوم کا ہونا ہے یا وہ عمل از قسم عمل جسمانی ہوگا اور یا وہ عمل از قسم اعتقادی و از عانی باطنی ہوگا پس حدیث صحیح ہمارے نزدیک عمل کے لئے بنیاد یا سرگ عمل کی حیثیت رکھتے ہیں، تفصیل بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے حرید وضاحت کے لئے ہماری کتاب اصول الدین از امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرمائی جاسکتی ہے۔

اس وقت ہمارے سامنے ایک اہم ترین مسئلہ درپیش ہے جس کو حل کرنا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ امام اعظم کی فقہ اکبر کون سی کتاب ہے؟ کیونکہ فقہ اکبر نام کی دو کتابیں ہیں اور دونوں کا اعتبار حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی طرف ہے ان میں سے ایک کے ربوی امام اعظم کے صاحبزادے حضرت حماد بن ابی حنیفہ ہیں اور اس کی شرح کرنے والوں میں سب سے معروف نام ملاحی قاری ہردی کا ہے جبکہ دوسری فقہ اکبر کے ربوی حضرت امام ابو مطیع عہد بن عبد اللہ علی ہیں اور اس کی سب سے معروف شرح ابوالہیث مرقدی کی ہے جس کو ملاحی سے بعض علماء نے امام ابو منصور ماتریدی کی طرف منسوب کر دیا ہے۔

ایک طبقے کا یہ دعویٰ ہے ”وہ فقہ اکبر جس کے ربوی حماد بن ابوحنیفہ ہیں اور جس کی شرح ملاحی قاری نے کی ہے وہ امام اعظم کی کتاب نہیں ہے“ اور اس مسئلے کی شدت اس وقت اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے جب ہم اس میں اپنے ہی اکابر کو مختلف الخیال دیکھتے ہیں اور موافق و مخالف دونوں اطراف میں ہم خود ہی کھڑے نظر آتے ہیں، اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ الجھتے نظر آتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دست بستہ دعا ہے کہ میرے اس عمل کو خالص اپنی ذات کے لئے قبول فرمائے اور امت محمدیہ میں اتفاق اور یکجہت پیدا کئے جانے کا سامان بنائے آمین

کیا فقہ اکبر امام صاحب کی تصنیف ہے

- ۱- کیا فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف ہے یا نہیں؟
- ۱۲- اگر امام اعظم کی تصنیف ہے تو وہ کون سی فقہ اکبر ہے؟ یا امام حماد دہلی جس کی شرح ملاحی قاری کی ہے یا ابو مطیع علی والی جس کی شرح ابوالایض سر قندی نے کی ہے؟
- اس کے بارے میں ہمارے سامنے چار رائے آتی ہیں جن کو ہم قارئین کی سہولت کے لئے مختصر انداز میں پیش کرتے ہیں اور اس کے بعد اصل مدعا کی طرف متوجہ ہوں گے۔
- پہلی رائے: یہ ہے کہ کوئی بھی فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف نہیں ہے۔
- دوسری رائے: یہ ہے کہ امام حماد والی فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف ہے لیکن اس سے زیادہ کی وضاحت نہیں ہے۔
- تیسری رائے: یہ ہے کہ امام ابو مطیع والی فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف ہے لیکن امام حماد والی فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف نہیں ہے۔
- چوتھی رائے: یہ ہے کہ فقہ اکبر چاہے امام حماد والی ہو یا امام ابو مطیع علی والی دونوں امام اعظم کی تصانیف ہیں۔
- مندرجہ بالا افعال کی تفصیل یوں ہے:
- نوٹ: اس موقع پر یہ بات واضح ہونا از حد ضروری ہے کہ امام حماد والی فقہ اکبر کا نام کبھی تو فقہ اکبر حمادی اور کبھی فقہ اکبر ملاحی قاری کا نام لے کر بیان کی جائے گی اسی طرح فقہ اکبر امام ابو مطیع علی والی کبھی تو فقہ اکبر مرویہ اور کبھی فقہ اکبر ابو مطیع علی اور کبھی فقہ اکبر سر قندی والی اور کبھی فقہ اہم کے نام سے ذکر کی جائے گی اس لئے پہلے سے یہ بات ذہن نشین ہو جانی چاہئے تاکہ بعد میں الجھن پیدا نہ ہو)
- پہلی رائے: فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف نہیں ہے۔

اس رائے کے حاملین افراد میں سب سے معروف ایک تو فرقہ معتزلہ کے لوگ تھے دوسرے علامہ شبلی نعمانی، اور تیسرے اکثر مستشرقین یورپ ہیں۔ فرقہ معتزلہ کا ان کتابوں کے امام صاحب کی تصنیف ہونے سے ان کا رد کرنے پر جو پس منظر ہے وہ ہمارے سامنے ہے۔

جس کی تفصیلات علامہ کردری یوں بیان فرماتے ہیں:

فلان قلت : لیس لابی حنیفة کتاب مصنف ؟

قلت : هذا كلام المعتزلة ، ودعواهم انه ليس له في علم الكلام

تصنيف ، و غرضهم بذلك نفى ان يكون الفقه الاكبر و كتاب

العالم و المعلم له . (المکردری الساقب صفحہ: ۸۰ مطبوعہ حیدرآباد دکن)

گر تو یہ سوال کرے کہ امام ابوحنیفہ کی تصنیف شدہ کوئی کتاب نہیں ہے؟

تو میں جواب دیتے ہوئے کہتا ہوں کہ یہ رائے معتزلہ کی ہے کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ

امام صاحب کی کوئی تصنیف شدہ کتاب نہیں ہے، اور اس دعویٰ کے پیچھے ان کی غرض یہ ہوتی

ہے کہ فقہ الاکبر اور العالم والاسلم کی امام صاحب کی تصنیف ہونے سے لٹی کی جائے کہ یہ

کتب امام صاحب کی نہیں ہیں۔

ان کے اس دعوے کی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب نے اہل السنۃ والجماعت کے اکثر

موسول وضوابط کی تفصیل ان کتب میں ذکر فرمادی ہے اور معتزلہ کے دعویٰ کی اصل یہ ہے کہ

آپ محمد امام صاحب خود معتزلہ تھے لہذا اس قسم کی کوئی کتاب امام صاحب نے تحریر نہیں فرمائی

بلکہ جنہوں ان کے یہ ابوحنیفہ البخاری کی تصنیف ہے جبکہ یہ دعویٰ ظلالاً اور باطل ہے۔ کیونکہ

باجہول علامہ کردری ”میں نے علامہ برائے کھلی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ دونوں کتب اپنی آنکھوں

سے دیکھی ہیں اور ان پر یہ بھی لکھا ہوا دیکھا ہے یہ دونوں امام ابوحنیفہ کی تصنیف شدہ ہیں، اور

اس بات پر امت کے علماء کی ایک کثیر جماعت کا اجماع چلا آ رہا ہے جس کا خلاف کرنا ممکن

نہیں ہے۔

اور علامہ شلی خذا کبر کے تعارف میں فرماتے ہیں:

”فقہ اکبر مظاہد کا ایک مختصر رسالہ ہے مسائل اور ترتیب قریب قریب وہی ہے جو مقام نسبی وغیرہ کی ہے، یہ سالہ چھپ گیا اور ہر جگہ مل سکتا ہے لوگوں نے اس پر شرح بھی لکھی ہیں، مثلاً شیخ الحدیث محمد بن بہاء الدین الحنفی ۹۳۵ھ، مولیٰ الیاس بن ابوالہیثم السنبلی، مولیٰ احمد بن محمد المغنیساوی، حکیم اسحاق، شیخ اکمل الدین، ملا علی قاری، ملا علی قاری کی شرح حداول ہے یعنی اور شرحوں کے نسخے بھی جہاں جہاں پائے جاتے ہیں، حکیم اسحاق کی شرح کو ابوالہیثم البقاء احمد نے ۹۱۸ھ میں نظم کیا اور اصل کتاب کو ابوالہیثم بن حسان نے جو شریفی کے نام سے مشہور ہیں“

اس دعویٰ کے بعد علامہ شلی نعمانی سی چند صفحات پر مشکل بحث میں یہ ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں فقہ اکبر نام اعظم کی تصنیف نہیں ہے، اور اپنے اس دعوے کے اثبات میں جو دلائل آپ نے پیش فرمائے ہیں ان کا خلاصہ یوں ہے:

آپ فرماتے ہیں فقہ اکبر کو اگرچہ فقہ الاسلام بزدوی، مجدد اہل، بحر العلوم، موشاویہین فقہ اکبر نے امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے لیکن مشکل سے ہم یقین کر سکتے ہیں:

(۱) فقہ اکبر جو امام حماد بن ابوالضیفہ کی روایت سے ہے اس کے رد میں علامہ شلی کی تحقیقات کا خلاصہ یوں ہے:

۱- یہ کتاب جس زمانہ کی تصنیف بیان کی جاتی ہے اس وقت تک یہ طرز تحریر یہ نہیں ہوا تھا۔

۲- یہ کتاب بطور ایک متن کے ہے اور اس اختصار اور ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہے جو متاخرین کا خاص انداز ہے۔

۳- ایک جگہ اس میں جو ہر عرض کا لفظ آیا ہے حالانکہ یہ فلسفانی الفاظ اس وقت تک زبان میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

(۲) وہ اکبر جو ملط ابو مطیع حکم ملتی کی روایت سے ہے اس کے رد میں فرماتے ہیں:

- ۱- اصول روایت کے لحاظ سے بھی یہ امر ثابت نہیں ہوتا..... ابو مطیع ملتی جو اس کتاب کے راوی ہیں حدیث و روایت میں چند اس معتبر نہیں کتب رجال میں ان کی نسبت محدثین نے نہایت سخت ریمارک (تجید) کی ہے۔ اگرچہ میں ان کو کفایت تسلیم نہیں کرتا تاہم ایک ایسی معتبر کتاب جس کا ثبوت صرف ابو مطیع ملتی کی روایت پر منحصر ہو محمد ثناء اصول پر قابل تسلیم نہیں ہو سکتی، میرا خیال ہے کہ ابو مطیع نے ایک رسالہ میں بطور خود حاکم کے مسائل قلم بند کئے تھے رد و رد وہ امام صاحب کی طرف منسوب ہو گیا۔
- ۲- میرا یہ بھی خیال ہے فقہ اکبر کی موجودہ ترتیب و عبارت ابو مطیع کے زمانہ سے بھی بہت بعد کی ہے۔

- ۳- بلاشبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔
(سیرۃ اہل بیت ۸۶، ۵۲، ۵۱ ص ۸۶، ۵۲، ۵۱ مطبوعہ کتب خانہ انجمن حمایت اسلام لاہور)

دکتر محمد بن عبدالرحمن النیس اصول الدین عندہ بی حنیفہ کے حاشیے میں رقم طراز ہیں:

"ممن تکلم فی نسبة هذه الکتاب الی الامام ابی حنیفہ من الکتاب المعاصرین 'کارل بروکلمان' فقد نفی نسبة هذه الکتاب کلها الی ابی حنیفہ، و تبعه علی ذلك 'لؤاد سیزکن'، حيث یری ان هذه الکتاب من عمل تلامذۃ الامام ابی حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ سوی رسالته الی عثمان البعی، فالها من عمل یله، اما ارلذجان ونفسک' فقد نفی صحة کتاب الفقه الاکبر وصحح نسبة الفقه الاوسط الیه، و تابعه 'محمد ابو زهره' فی تشکیک فی نسبة الفقه الاکبر الی الامام ابی حنیفہ، اما 'احمد امین' یری ان الفقه الاکبر الذی بنی اہلنا اساسه

صحيح النسبة الى ابي حنيفة وانه زيد عليه؛

انظر تاريخ الادب العربي لسروكلمان ۲۳ ج ۳، وتاريخ

الضرائع للفوائد ۳۱، ۳۲ ج ۲ وعقيدة الاسلام ۱۱۶،

۲۳ وكتاب ابو حنيفة وآراؤه الفقهية لابي زهرة

۱۸۶، ۱۸۷ وضحى الاسلام لاحمد امين ۱۹۸ ج ۱

(اصول الدين: ۱۱۵)

مستشرقین میں سے جن لوگوں نے امام اعظم کی طرف ان کتب کی نسبت سے بحث کی ہے ان میں کارل برڈکلان وہ شخص ہے جس نے تاریخ الادب العربی ۲۳ ج ۳ میں ان کتب کی امام صاحب کی طرف نسبت سے ان کا رد کیا ہے، اور اس کی جردی کرتے ہوئے فقہ اور زمین نے تاریخ التراث ۳۱، ۳۲ ج ۲ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ کتب امام صاحب کے علاوہ کی مرتب کردہ ہیں سوائے حنن الحق کے نام لکھے ہوئے خط کے، کیونکہ وہ امام صاحب کا اچھا لکھا ہوا ہے اور ازاد خان دہلوی کے بارے میں صاحب عقیدۃ الاسلام ۱۱۶، ۱۱۷ نے لکھا ہے کہ اس نے فقہ اکبر کی امام صاحب کی طرف نسبت کرنے سے ان کا رد کیا ہے لیکن فقہ اہل کو امام صاحب کی تصنیف مانتا ہے اور استاذ ابو زہرہ نے اپنی کتاب ابو حنیفہ وآراؤہ العقبیہ ۱۸۶، ۱۸۷ میں فقہ اکبر کے امام صاحب کی طرف منسوب کرنے کے بارے میں شک ظاہر کر کے ناجی کی تھکید کی ہے، مابین احمد امین مصری نے مخی الاسلام ۱۹۸ ج ۱ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ فقہ اکبر جو ہمارے ہاتھوں میں ہے وہ امام صاحب کی تصنیف ہے۔

دوسری رائے، دونوں فقہ اکبر امام اعظم کی تصانیف ہیں:

دوسری رائے اس رائے کے دوسرے ہیں:

پہلا حصہ یہ ہے کہ فقہ اکبر امام اعظم کی تصنیف ہے لیکن اس دعوے میں یہ وضاحت

نہیں ہے کہ وہ کون سی فقہ اکبر ہے؟

دوسرا حصہ یہ ہے کہ دونوں فقہ اکبر چاہے امام حاد کی روایت کردہ ہو یا امام ابو سلیمان

کی روایت کردہ جو دونوں امام اعظم کی تصانیف ہیں۔

دوسری رائے کا پہلا حصہ:

شیخ ابن ندیم نے اپنی معروف زمانہ کتاب غام فہرست میں فرمایا:

وللإمام رحمه الله تعالى اللقب الأكبر، وكتاب رسالة البني،

وكتاب العالم والمعلم رواه عنه أبو مائل، وكتاب الرد على

المقدريه، والعلم برأ وبحزأ، شرقاً وغرباً ولربناً وبعداً، تدوينه

رضي الله عنه

اور امام اعظم کی تصانیف میں سے ”فقاہ کبر“ ”رسالہ غام عثمان الہی“ ”عالم و معلم“ ”رسالہ

رد علی قدریہ“ ہیں بلور بروجر، مشرق و مغرب، دور و نزدیک، ہر طرف پھیلا ہوا علم آپ ہی کی

تدوین کا ثمرہ ہے۔

ان دونوں فقاہ کبر نامی کتب میں حضرت امام اعظم نے علی السنۃ والجماعت کے

اٹھارہ نظریات کی توضیح و تشریح کی ہے، اور اس زمانے میں موجود بعض فرق باطلہ کے عقائد

و حرمانات کی تردید و تنہید کی ہے اور ان کے بارے میں پیدائے دنیا کے

”امام اعظم کی کوئی کتاب نہیں ہے یہ دراصل معتزلہ کی اڑائی ہوئی بات ہے، اس امر

میں من کا مقصد صرف یہ تھا کہ وہ حضرت امام اعظم کی تمام تصانیف سے اعتماد ختم کرنا چاہتے

تھے۔ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ امام اعظم نے کوئی کتاب ہی نہیں لکھی۔“

علامہ عبدالقدور قرشی فرماتے ہیں:

هذا كلام المحتزلة ودعواهم انه ليس له في علم الكلام له

لتصنيف (المجمل المجلد ۶، ص ۳۶۰)

یہ معتزلہ کی طرف سے اڑائی ہوئی بات ہے اور ان کا یہ دعویٰ ہے کہ امام اعظم کی علم کلام

کی کوئی تصنیف نہیں ہے۔

اور ان کے اس دعوے کی وجہ یہ ہے کہ وہ امام اعظم کے نام کو اپنے حرموم مقام صدی

اشاعت کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے۔
اسی طرح کی بات علامہ بخاری نے بھی ارشد فرمائی:
آپ فرماتے ہیں:

”والما انکرها المعزلة ونسبوا الی محمد بن یوسف البخاری
المعروف بابی حنیفة لما فیها من ابطال اصولهم الزائفة“

(اشترک الایم: ۲۳)

اور اس بات کا معزلہ نے ان کا رکھا ہے کہ فدا کبر امام صاحب کی تصنیف ہے اور
انہوں نے اس کو محمد بن یوسف بخاری کی تصنیف قرار دیا ہے جن کی کثرت ابو حنیفہ قس۔ اور
معزلہ کی طرف سے اس طرح کی حرکت کے وجہ یہ تھی ان کتابوں سے ان کے حرمات کا رد
ہوتا تھا اس لئے انہوں نے دعویٰ کر دیا کہ امام صاحب نے کوئی کتاب ہی نہیں لکھی تاکہ نہ
رہے بانس اور نہ بچے بانسری۔

اور اسی طرح کی بات علامہ کردری نے بھی کہی ہے ان کے الفاظ یوں ہیں:
فان قلت لیس لابی حنیفة کتاب مصنف؟ قلت هذا کلام
المعزلة، ودعویهم انه لیس له فی علم الکلام تصنیف،
وغرضهم بملک لابی ان یکون القفہ الاکبر و کتاب العالم
والمعلم له (الواقف کردری: ۱۰۸)

اگر یہ کہے کہ امام صاحب کی تصنیف کہ کوئی کتاب نہیں ہے؟ تو میں یوں کہوں گا کہ یہ
معزلہ کا کلام ہے کیونکہ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ امام اعظم کی علم کلام میں کوئی تصنیف نہیں ہے۔
معزلہ کے اس قول کی وجہ یہ ہے وہ فدا کبر اور العالم والمعلم کی امام صاحب کی تصنیف شدہ
کتاب ہونے سے نفی کرنا چاہتے تھے

☆ ☆

دوسری رائے کا دوسرا حصہ اور بھی ہماری رائے بھی ہے اور وہ یہ کہ دونوں فدا کبر امام

اہل مطہر لکھی دہلی اور امام محمد بن مہدی ابو حنیفہ دہلی ہوا امام اعظم کی تصانیف میں سے ہیں۔
ہمارے اس دعوے کے پس منظر میں علامہ عبد الرشید نعمانی، مولانا محمد حسن خان نوکی
علامہ زہد الکوثری، علامہ عبد المعز خنی، علامہ بیاضی اور دکتور محمد بن عبدالرحمن انیس، علامہ
محمد علی کاندھلوی، دہلی سلیمان قادری، اور علامہ ظفر احمد عثمانی کے خیالات قابل ذکر ہیں:
ہم نے اس موضوع پر دیکھا ہے کہ جتنے حضرات نے بھی ایک فقہ اکبر کو امام اعظم کی
تصنیف مان کر دوسری کا انکار کیا تھا ان کی بنیادی طور پر درج ذیل وجوہ میں سے کوئی ایک
وجہ تھی:

- (۱) بعض حضرات نے ایک کتاب سے آگہی ہو کر دوسری تک نامرسانی کی وجہ سے ایک
کتاب کا امام اعظم کی تصنیف ہونے سے انکار کیا اور دوسری کا اقرار کیا ہے۔
- (۲) بعض حضرات نے ان کتب میں مذکور ایک مسئلے سے اتفاق یا عدم اتفاق کی وجہ سے
ایک کا امام اعظم کی تصنیف ہونے سے اقرار اور دوسری کا انکار کیا ہے۔
- (۳) بعض حضرات نے ان کتبوں کی اسناد کو دیکھ کر ایک کی نسبت امام اعظم کی طرف جائز
خیال کی اور دوسری کی ناجائز سمجھی۔
- (۴) بعض حضرات نے تقلید محض کی وجہ سے ایک کتاب کے امام اعظم کی تصنیف ہونے کا
اقرار اور دوسری کا انکار کیا ہے۔

• ہمارا موقف جن حضرات کے خیالات سے ثابت ہوتا ہے انہوں نے ہر دو کتب کو
ماننے رکھا اور ان کے بارے میں پوری معلومات حاصل کرنے کے بعد یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ
دونوں کتابیں امام اعظم کی تصانیف ہیں۔ ان کی تفصیل حسب ذیل میں پیش خدمت ہے

- (۱) علامہ زہد الکوثری نے اپنی تصانیف میں متعدد جگہ اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ
یہ تمام کتب حضرت امام اعظم کی ہی ہیں لہذا العالم والسمیع کی تحقیق کے ساتھ مقدمہ
میں آپ نے ان کی اسناد سے بحث کی ہے جس کو یہاں ذکر کرنا موضوع کو طویل
کرنے کے مترادف ہے۔ اس کا خلاصہ یوں ہے کہ فقہ اکبر محمدی ہو یا فقہ اکبر مطہری،

یا العالم والمعلم ہو یا رسالہ عام عثمان الحق، یا وصیت عامہ تمام حضرت امام کی تصانیف ہیں اس میں ان کے مضامین کے پیش نظر کوئی ایسی بات نہیں جس سے ایک کالان کار اور دوسری کا اقرار کیا جائے۔

علامہ اہل الکثری ایک جگہ فرماتے ہیں:

ومما يذكر من مؤلفات الأئمة من كتب أبي حنيفة رحمه الله تعالى 'كتاب الرأي' ذكره ابن أبي العوام وكتاب 'اختلاف الصحابة' ذكره أبو العاصم الطبري ومسعود بن أبي شيبة و'كتاب الجامع' ذكره العباس بن مصعب في تاريخ مرو و'كتاب السير' و'كتاب الاوسط' و'الفقه الاكبر' و'الفقه الاوسط' و'كتاب العالم والمعلم' و'كتاب الرد على القدرية' و'وله رسالة الى عثمان بن النضر في الاجراء، وهذه وصايا كتبها لعدة من اصحابه' وهذه الكتب المشهورة (سير امام اہل بیت: ۱۸)

قدیم احباب میں سے امام اعظم کی کتب کی فہرست جن لوگوں نے مرتب کی ہے اس میں ابو العوام کے بقول کتاب الرأے ابن ابی العاصم کے بقول اختلاف الصحابة اور عباس بن مصعب کے بقول کتاب الجامع اور علاء الدین کتاب میر "فخاکبر" قدس سرہ کے نام ایک رسالہ، امام وحکم "کتاب رد قدریہ" مسئلہ ارجاء میں امام صاحب کا عثمان الحق کے نام ایک رسالہ، اور متحد احباب کے نام متحدہ وصیتیں امام اعظم نے تحریر فرمائی ہیں، یہ امام صاحب کی مشہور کتب ہیں۔

علامہ اہل الکثری اشارات الراءم کے مقدمے میں فرماتے ہیں:

"ومن الكتب المعروفة عن أبي حنيفة في الفقه كتاب الفقه الاكبر ورواية..... وكتاب الفقه الاوسط ورواية..... والعالم والمعلم ورواية..... ورساله إلى عثمان بن النضر

روایۃ ولابی حنیفۃ وصلیا اخری لعلۃ من اصحابہ

(اشادت الہرام ۶)

امام ابوحنیفہؒ کے علم و عقائد میں ہمیں بطور علمی وراثت جو کتب ملی ہیں ان میں سے ایک تو فقہ اکبر ہے..... دوسری کتاب فقہ رابط ہے اور العالم والمسلم ہے اور ایک رسالہ ہے جو عثمان بن علی کے نام آپ نے تحریر فرمایا تھا اور اس کے علاوہ بھی کچھ وصایا ہیں جو آپ نے اپنے مختلف شاگردوں کو تحریر فرمائی تھیں۔

اس عبارت میں جو خالی جگہیں ہیں اس مقام پر علامہ کوثری نے ان کتب کی اسناد اور ان کے مخلوط دنیا میں جہیں محفوظ ہیں ان کے بارے میں تفصیلات ذکر کی ہیں۔

اس عبارت پر حاشیہ لکھتے ہوئے علامہ کوثری فرماتے ہیں:

شرحہ بعض الحشویۃ ، ودست کلمۃ من الشرح فی رواۃ عبد

اللہ المہروی المجسم فی (الفاروق) بہاسم الفقہ الاکبر ،

لصلالہا الحشویۃ مدی الدہور ، وہی مدرجۃ فی الروایۃ ، کما

یظہر من صروح اہل السنۃ للکتاب

اس کی بعض اہل حشو نے شرح لکھی ہے ، اور عبد اللہ ہروی جو اہل ہجرہ میں سے ہے

اس نے الفاروق نامی کتاب میں فقہ اکبر کے الفاظ کا اضافہ کر دیا ہے اور ایک زمانے سے

اسی عبارت کی نقل در نقل ہوتی چلی آ رہی ہے اور یہ بات اہل السنۃ کی شروح سے صاف طور پر ظاہر ہوتی ہے ۔

(۲) مولانا محمد بن عبدالرحمن النیس: ان احباب میں سے ہیں جنہوں نے استاد کی بنا پر ان

د مسائل کو قبول یا رد کرنے کا معیار مقرر فرمایا ہے آپ نے جامع ملک سعود سے بی ایچ ڈی کی

ڈگری حاصل کرنے کے لئے اصول الدین محمد علامہ ابی حنیفہؒ کے عنوان پر مقالہ لکھا ہے ۔

اور انہوں نے اس مقالے میں بادل خواست ان کتب کو امام اعظمؒ کی تصانیف میں ہی تسلیم کیا

ہے اور جن لوگوں نے ان کو امام اعظمؒ کا تسلیم نہیں کیا ان میں زیادہ تر مستشرقین ہیں جن کی

تفصیل انہوں نے حاشیے میں تحریر فرمائی ہے آپ فرماتے ہیں:

"بنتسب الی الامام ابی حنیفۃ الکتاب الثالث : ۱. الملقبہ الاکبر
بروایۃ حماد بن ابی حنیفۃ . ۲. الملقبہ الاکبر بروایۃ ابی مطیع
البلخی وسمی باللقبہ الابط . ۳. العالم والمعلم بروایۃ ابی
مقاتل السمرقندی . ۴. رسالۃ الامام ابی حنیفۃ الی عثمان بنی
بروایۃ ابی یوسف . ۵. الوصیۃ بروایۃ ابی یوسف . والیک
العرف یمکن بکمل کتاب مع بیان نسبۃ الی مؤلفہ نستخرج منه
النتیجۃ وهل ھی صحیحۃ النسبۃ الی ابی حنیفۃ ام ھی باطلۃ
غیر صحیحۃ " (اصول الدین: ۱۱۵)

امام اعظم کی طرف جو کتب منسوب کی جاتی ہیں وہ یہ ہیں: ۱. فدا کبر حماد بن ابی حنیفہ کی
روایت کے ساتھ ۲. فدا کبر ابو مطیع علی کی روایت کے ساتھ اور اس کو فدا ابط کا نام بھی دیا
جاتا ہے ۳. العالم والاعلم ابو مقاتل سمرقندی کی روایت کے ساتھ ۴. امام ابو حنیفہ کا عثمان بنی
کے نام علی امام ابو یوسف کی روایت کے ساتھ ۵. اور وصیت امام ابو یوسف کی روایت کے
ساتھ اور آپ کے سامنے ہر ایک کتاب کی حقیقت بیان کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ کس کا
اتساہل امام اعظم کی طرف درست ہے اور کس کا درست نہیں ہے

دکتر صاحب فدا کبر کا تعارف پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں

وهی رسالۃ تشتمل علی اصول الدین ، کماتل الصفات
والایمان والفسر والنوۃ والمعاد بعبارة سهلة وجیزة من غیر
ادلة تفصیلیة وقالت هذه الرسالة شهرة واسعة وتصدی
لشرحها غیر واحد من اهل العلم حتی بلغ عدد شروحها حوالی
خمسة عشر شرحا لازال کثیرا منها مخطوطا ما عدا شرحی
القاری والمفسلوی فهما مطبوعان (اصول الدین: ۱۱۶)

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جو اصول دین کے مسائل پر مشتمل ہے جس میں مسائل صفات ہادی، ایمان، تقدیر، نبوت، معاد، یوم المیاد، کو مختصر لیکن آسان عبارت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور اس میں تفصیلی دلائل نہیں بیان کئے گئے..... اور اس رسالے کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہو گئی ہے اور بہت سارے اہل علم نے اس کی شروحات بھی لکھی ہیں جن کی تعداد پندرہ کے قریب ہے اور ان میں سے اکثر مخطوط ہیں البتہ ان میں ملاحظی قاری اور علامہ مغلطائی کی شرح طبع ہو گئی ہے

یہ دو کتب مصائب کی تحقیق ہے لیکن اب تو اور بھی شروع چھپ چکی ہیں جن میں القول الفصل ترکی سے اور نور الہم پشاور علامہ عبدالحی فرنگی محلی المعروف بحر العلوم کی شرح کراچی سے چھپ گئی ہیں

اور مصنفین میں سے جس نے اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے ان کے نام بھی ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے جن کی تفصیل یوں ہے

ابن ندیم اپنی کتاب الفہرست ۲۵۶ میں
عبد القادر بغدادی و شافعی نے اپنی کتاب الفرق بین الفرق: ۲۲۰ اور اصول الدین: ۲۴۸ میں

ابو المنظر اسراکسی نے اپنی کتاب الفہرست فی الدین: ۱۱۳ میں
بخاری نے اپنی کتاب اصول الدین میں اور کشف الاسرار: ۱۷۱ میں
ابن تیمیہ نے اپنے مجموعہ فتاویٰ: ۳۶ ج ۵ میں
ابن القیم نے اپنی کتاب اجتماع جوش الاسلامیہ: ۱۳۸ میں
علامہ ذہبی نے اپنی کتاب المستمب: ۱۳۷ ج ۱ میں
ابن ابی اسر نے اپنی کتاب شرح حقیقۃ طحاویہ: ۵۰، ۱۰۸، ۱۵۳ میں
اسامیل بغدادی نے اپنی کتاب حدیث العارفین: ۳۹۵ ج ۲ میں
حاجی خلیفہ نے اپنی کتاب کشف ظنون: ۱۲۸ ج ۲ میں

محمود شکر علی آلوی نے اپنی کتاب غایۃ الامانی: ۳۳۸ ج ۱ میں
 من تمام حضرات نے امام اعظم کی اس فقہ اکبر کا تعارف پیش کیا ہے جو امام حماد بن ابی
 حنیفہ کی روایت سے منقول ہے اور جس کی شرح طاعلی قاری نے کی ہے، اور دکتور نے خود بھی
 لفظ المسیر کے نام سے اس کتاب کی شرح کی ہے جو مطبوع ہے اور سعودی عرب کی وزارت
 مذہب الاسلام میں اس کو حجاز کرام میں کئی بار تقسیم بھی کر چکی ہے۔
 پورے فقہ اکبر جو ابو مطیع خللی کی روایت سے منقول ہے اس کا تعارف کرواتے ہوئے دکتور
 محمد الخیس فرماتے ہیں:

وهو رسالة بحسب فيها الامام ابو حنيفة، عن مسئلة تلمیذه ابی
 مطیع البلخی، وهی مهابرة تماما لرواية حماد بن ابی حنيفة،
 حيث ان هذه الرسالة عبارة عن اجوبة مفصلة لاسئلة ابی مطیع،
 بخلاف رواية حماد بن ابی حنيفة فهی عبارة عن عرض مجمل
 وسهل لمسائل اصول الدين، والآراء التي تحتويها هذه الرسالة
 لا تختلف غالبا عن الآراء الموجودة في رسائله الاخرى
 المنسوبة اليه بخير انه اسهب في مسائل القضاء والقدر وبعض
 مسائل الايمان، ويظهر. والله اعلم. انها ليست من تاليف
 الامام مباشرة، بل من تاليف تلمیذه ابی مطیع البلخی، جمع
 فيها امالي الامام واقراله. لنا يقول الذهبي عن ابی مطیع البلخی
 : (صاحب كتاب اللغة الاكبر)، فهی اشارة منه الى ان الكتاب
 ليس من تاليف الامام رحمه الله تعالى، وانما هو تاليف ابی
 مطیع البلخی. وكذا قال اللكنوي: (ابو مطیع صاحب ابی
 حنيفة وصاحب كتاب اللغة الاكبر) (اصول الدين: ۱۴۰)

یہ ایک ایسا رسالہ ہے جس میں امام ابو حنیفہ اپنے شاگرد ابو مطیع کے سوالات کے

واللہ فی العلو: ۱۰۱، وسموہ الفقہ الاکبر ہذا وقد نشرہ
محمد زائد الکولری فی القاہرۃ سنۃ: ۱۳۳۸ھ، و طبع فی
الہند مع شرح محمد بن محمود الحنفی السمرقندی سنۃ
: ۱۳۲۱ھ؛ ولہ کذلک شرح آخر بعنوان نظم الدرر فی شرح
الفقہ الاکبر تالیف عبید اللہ المطعی طبع: ۱۴۰۵ھ

(اصول الدین: ۱۱۹)

یہ رسالہ فقہ ابطہ کے نام سے بھی چمپا ہوا ہے اور اس کے اس نام سے حماد بن ابی ضیفہ
والی فقہ اکبر سے فرق کیا گیا ہے، اور فقہ ابطہ کا نام بعض متاخرین اسرافت نے استعمال کیا
ہے، ان میں علامہ بیاضی، اشارات الرام: ۳۸۸ میں: اور علامہ زبیدی، اتحاف سادات
المکتبین ۱۳ ج ۱ میں: اور انہی سے امام ابن حمیہ نے الحمویہ میں مجموعہ الفتاویٰ ج ۶ ص ۵ کے
حصن میں نقل کیا ہے: اور امام ابن قدامہ اپنی کتاب الملو: ۱۰۱ میں: اور امام ابن القیم نے اپنی
کتاب اجتماع الجہوش: ۳ میں نقل کیا ہے، بلکہ علامہ ذہبی نے اپنی کتاب الملو: ۱۰۱ میں
اسی کو فقہ اکبر کے نام سے نقل کیا ہے:

یہ تو ائمہ قدیم کی بات ہے لیکن جدید ائمہ و اکابر میں سے اسی کتاب کو علامہ محمد زاہد
الکولری نے قاہرہ سے سنۃ: ۱۳۳۸ھ میں فقہ ابطہ کے نام سے شائع کیا ہے: بلکہ ہندوستان
کے حیدر آباد کن میں محمد بن محمود خلی سمرقندی کی شرح کے ساتھ سنۃ: ۱۳۲۱ھ میں طبع ہوئی ہے:
اور اس کی ایک اور شرح ہے جو نظم الدرر فی شرح الفقہ الاکبر کے عنوان سے عبید اللہ المطعی
کی تالیف ہے۔

دکتر محمد احمیس اس کتاب سے دو جہ سے اپنا استناد رکھتے ہیں:

پہلی جہ یہ ہے کہ ان کے خیال میں یہ امام ابو حنیفہ کی تصنیف نہیں ہے؟ ہم اس کا جواب
تو بعد میں مفصل دیں گے لیکن فی الوقت اسکا عرض کئے دیتے ہیں کہ یہ بات صدر اول میں
کتب کی انداز تالیف سے دکھ کر صاحب کی نا آشنائی کا نتیجہ ہے کیونکہ مسند احمد بن حنبل بھی تو

ان کے بیٹے اور کئی دوسرے علما کی خاصہ فرمائشوں کا نتیجہ ہے اسی طرح بخاری بھی تو کئی
 علما کے نسخوں کو سامنے رکھ کر اس مقام تک پہنچی ہے اسی طرح مؤطا امام مالک بھی تو پندرہ
 خلف علما کی محنت کا ثمرہ ہے اور امام اعظم کو اگر ایسے علما میسر نہیں آئے جو ان کی سترہ
 مسانید کو جمع کرتے۔ اس سے یہ تو نہیں اخذ جاسکتا کہ وہ مسانید یا وہ کتب جو امام اعظم کی
 صحبت سے فیض یابی کا نتیجہ ہیں وہ امام اعظم کی تصنیف ہی نہیں ہیں۔ اصل میں صدر اول میں
 تمام ساتھ اپنے علما کو ان کا سبق اعلیٰ ہی کروایا کرتے تھے۔ بعد میں کوئی صاحب فن اس
 کو مرتب کر لیا کرتا تھا اس طرح کتاب وہی مصنف کی ہوتی تھی جس نے اس کو لکھوایا ہوتا۔
 اسی طرح فقہ اکبر یا فقہ واسطہ حضرت امام ہی کی کتاب ہے اس کو جمع کرنے یا مرتب کا کام ابو
 مطیع مکی کے حصے میں آیا ہے۔

اور دوسری وجہ یہ کہ ابو مطیع مکی پر جو تنقید کی جاتی ہے:

"فما اهل العلم مضطرون على الله لا يهتج به في الرواية لكونه معهم
 . بل كلبه ابو حاتم . وتابع اهل العلم على تضعيفه . فمفله لا
 يعمد عليه " (امول الدین ۵۳)

کہ اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ ان کی روایت کو قابل اعتناء نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ
 ان کو معمم راوی کہا گیا ہے اور ابو حاتم نے ان کی تکذیب کی ہے۔ اکثر اہل علم نے ان کی
 تصحیف کی ہے

اگر اس تنقید کو مبنی بر حقیقت مان بھی لیا جائے تو یہ ساری تنقید ان کے روایت حدیث
 کے حوالے سے ہے جبکہ علم فقہ میں ان کو امام قرار دیا جاتا ہے اور ان کے اس رسالے میں مذکور
 مسائل کو تو ذکر صاحب خود فرما چکے ہیں

"والآراء التي تضمنها هذه الرسالة لا تختلف غالبا عن الآراء
 الموجودة في رسائله الاخرى المنسوبة اليه ، هير انه اسهب في
 مسائل القضاء والقلم وبعض مسائل الايمان " (امول الدین ۱۲۰)

اس رسالے میں جتنے مسائل مذکور ہیں وہ دوسرے مسائل میں مذکور مسائل سے مختلف نہیں ہیں اگرچہ اس رسالے میں فقہاء قدرا اور بعض مسائل ایمان کو وسعت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں دکتور صاحب تنہید کس بنا پر فرما رہے ہیں۔ اگر ان کے بیان کردہ مسائل امام صاحب کی طرف منسوب دوسری کتب سے مختلف نہیں ہیں، بلکہ بعض مسائل میں ابو طبع نے زیادہ وضاحت کی ہے تو یہ شخصیت قابل اعتماد ہونی چاہئے۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ ائمہ جاہل نے ان پر تنہید کی ہے تو اس سلسلے میں مقدمے میں حضرت الاستاذ سرفراز صفدر کی تحقیقات قابل دید اور تہمید نواظر ہیں۔

(۳) علامہ وہبی سلیمان غامدی امام اعظم کی سوانح ابو حنیفہ عثمان میں آپ کی چالیس کا تذکرہ کرتے ہوئے مقدمہ تعلیم کی تعلقات مصنفہ علامہ عبدالرشید نعمانی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

لقد لبث الله رحمه الله تعالى الف في علم الكلام القله الاكبر
والفقه الاوسط وكتاب العالم والمعلم وكتاب الرسالة الى
مقتل بن سليمان صاحب الضر . وكتاب الرسالة الى عثمان
لفقه بصرة . وكتاب الوصية وهي وصايا عدة لاصحابه رحمهم
الله تعالى (ابو حنیفہ عثمان: ۳۴)

یہ بات ثابت ہے کہ امام اعظم نے علم کلام میں فقہ اکبر، فقہ ایضاً، کتاب العالم والاعلم
ما یک رسالہ مقابل بن سلیمان صاحب تفسیر کے نام اور ایک رسالہ فقہ امرہ عثمانی کے نام
اور اپنے متعدد احباب کے نام مختلف دستیں تحریر فرمائی ہیں۔

(۴) علامہ یوسف عبدالرزاق محقق اشارات المرام اپنی اسی تحقیق کے مقدمے میں
تحریر کرتے ہیں:

شرح به مختصره الموسوم "بالاصول المنبذة للامام ابی حنیفہ

”الذی جمعه من نصوص کتب الامام ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ
، المسمی املاھا علی اصحابہ من الفقہ الاکبر رواۃ ابنہ حماد
، والفقہ البسط رواۃ ابی مطیع الحکم بن عبد اللہ البلخی ،
والوصیۃ ، والرسالة الی ابی عثمان البتی فی الارجاع ، کلّھما
روایۃ الامام ابی یوسف الانصاری ، والعالم والمعلم رواۃ ابی
مقال حفص بن مسلم السمرقندی . (اشارات الروام ۱۳)

علامہ بیاض نے اپنے اس مختصر رسالے ”اصول منہ“ کی شرح نکلی یہ رسالہ
انہوں نے امام صاحب کی کتب کی عبارات میں سے جمع کیا تھا جس کو خود امام صاحب نے
اپنے حلفاء کے ذریعے لکھوایا تھا ، اس میں امام صاحب کی کتب میں سے ایک تو فقہ اکبر ہے
جس کو امام صاحب کے بیٹے حماد نے روایت کیا تھا اور فقہ البسط جس کو امام ابو مطیع بلخی نے
روایت کیا ہے ، اور وصیت اور رسالہ بنام عثمان بن عقی جو مسئلہ ارجاع پر لکھا تھا یہ دونوں امام ابو
یوسف کی روایت کے ساتھ منقول ہیں : اور العالم والمعلم جو ابو مقال کی روایت کے ساتھ
منقول ہے۔

(۵) شارح عقیدہ طحاوی کا دعویٰ :

شارح عقیدہ طحاوی علامہ عبد المعز (حنفی مذہب ، ضلی عقیدتا) نے اپنی کتاب شرح
عقیدہ طحاویہ میں چار مقامات پر اسی طحاوی قاری والے نسخے سے استدلال کیا ہے اور ایک
تمام پر ابو مطیع والے نسخے سے استدلال کیا ہے :

پہلا مقام :

”فانه لما كان علم اصول الدين اشرف العلوم اذ شرف العلم
بشرف المعلوم ، وهو الفقه الاكبر بالنسبة الى فقه الفروع ،
ولهذا سمي الامام ابو حنيفة رحمه الله تعالى ما قاله وجمعه في
اوراق من اصول الدين الملقب الاكبر “ (شرح عقیدہ طحاویہ ص ۴)

لہذا جب علوم میں سے افضل ترین علم اصول الدین کا علم ہے اور جب یہ ہے کہ کسی طرح کی فضیلت اس کے ذریعے جانے والی شخصیت کے لحاظ سے ہے اسی لئے فروعات کی فقہ کے مقابلے میں اس کو فقہ اکبر کہا گیا ہے، اور اسی لئے امام اعظم نے جو کچھ کہا ہے، اور جو کچھ ان کے علاوہ نے ان کے کہے ہوئے کو وراثت میں جمع کیا ہے اس کو اصول دین کے نام سے جمع فرمایا ہے، اور یہی وہ کتاب ہے جو بعد میں فقہ اکبر کہلائی ہے۔

اس عبارت میں چونکہ کسی خاص مسئلے کی وضاحت نہیں ہے اس لئے یہاں سے کوئی مخصوص نوسر اور لٹکادست نہیں ہے۔

دوسرا مقام: ”امام ابو حنیفہ کا فقہ اکبر میں اس طرح کلام ہے:

لا یشبہ فیہا من خلفہ.... و صفات کلہا خلاف صفات

المخلوقین ”یعلم لا کعلمنا و بقدر لا کقدرنا و یری لا کروی

ہتا....“ (شرح عقیدۃ الہادیہ ص ۵۰)

اس کی تلوقات میں سے اس کے مشابہ کوئی چیز نہیں ہے۔۔۔۔ اور اس کی ساری

صفات اس کی تلوقات کی صفات کے خلاف ہیں، وہ جانتا ہے لیکن ہمارے جاننے کی طرح

نہیں جانتا، اور وہ قدرت رکھتا ہے لیکن ہماری طرح کی قدرت نہیں رکھتا، اور وہ دیکھتا ہے

لیکن ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں دیکھتا۔

یہ مسئلہ ابو مطیع والی فقہ اکبر میں موجود نہیں ہے البتہ حادین ابو حنیفہ میں یہ مسئلہ

موجود ہے۔

تیسرا مقام:

شارح عقیدہ و طحاویہ اند تعالیٰ کے کلام کی حقیقت بیان کرنے کے دوران ارشاد فرماتے

تین:

”ہل کلام اللہ محفوظ فی الصور، محفوز باللسن، مکبوب فی

المصاحف“ (شرح عقیدۃ الہادیہ ص ۱۰۸)

بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام سینوں میں محفوظ ہوتا ہے زبانوں سے تلاوت کیا جاتا ہے، اور مصاحف میں لکھا جاتا ہے۔

یہ عبارت بھی امام ابو حنیفہ کی ماضی قاری و ملی فقہ اکبر میں ہے ابو مطیع غنی دہلی فقہ اکبر میں لکھتے ہیں۔
چوتھا مقام:

شارح عقیدہ طحاوی اس مقام پر جہاں اللہ تعالیٰ کے اعضاء کا تذکرہ ہے وہیں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "امام ابو حنیفہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں

"لہ ید و وجہ و نفس کما ذکر تعالیٰ فی القرآن من ذکر الہد
و الوجہ و النفس فہو لہ صفة بلا کیف ولا یقال ان بدہ لہ رتہ
و نعمتہ لان فیہ ابطال الصفة (شرح عقیدہ طحاوی ص ۱۵۳)

اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھ ہیں چہرہ ہے نفس ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہاتھ چہرے اور نفس کے بارے میں بیان کیا ہے، اور یہ تمام اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات ہیں جو بلا کسی کیفیت کے ہیں، اس کے بارے میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس سے مراد ان کی قدرت یا نعمت کا ہاتھ ہے کیونکہ ایسا گمان کرنے سے اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کا بطلان لازم آتا ہے۔

یہ مذکورہ مسئلہ اگرچہ فقہ اکبر اور فقہ اہل دونوں میں مقبول ہے لیکن الفاظ صرف امام عطاء دہلی فقہ اکبر میں مذکور ہیں: یہی رائے ہماری طرف سے ہے اب اور اگر کوئی صاحب اتنی واضح بات کو بھی تسلیم نہ کرے تو اپنی ہمت دھری کا جواب دینا اس کا حق ہے؟

پانچواں مقام:

ایک مقام پر شیخ عبد العزیز نے فقہ اکبر ابو مطیع غنی سے استدلال کیا ہے، آپ شرح عقیدہ طحاویہ میں باری تعالیٰ کے استوی علی العرش کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انہ سال اہا حلیفۃ عنہ قال : لا اعرف دہی فی السماء ام فی

الارض فقال قد كفر لان الله يقول في الرحمن على العرش استوى فهو عرشه فوق سبع سمواته قلت : فان قال انه على العرش ولكن لا ادري العرش في السماء ام في الارض قال هو كافر لانه انكر انه في السماء فمن انكر انه في السماء فقد كفر ، وزاد غيره : لان الله في اعلى العليين وهو يدعى من اعلى لا من اسفل (شرح عقيدہ امامیہ ۲۳۰)

ابو مطیع فرماتے ہیں: میں نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا: اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو یہ کہتا ہے 'مجھے نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہے یا زمینوں میں ہے؟' آپ نے جواب دیا کہ ایسا شخص کافر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو رب زمین و عرش پر ہیں پرستوی ہو گا اور اللہ تعالیٰ کا عرش ساتویں آسمان سے اونچا ہے۔

ابو مطیع فرماتے ہیں: میں نے پوچھا: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں یہ تو جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کا عرش آسمانوں میں ہے یا زمینوں میں ہے تو اس کے بارے میں کیا رائے ہونی چاہئے؟

آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ایسا شخص بھی کافر ہے۔ کیونکہ اس نے عرش کے آسمانوں پر ہونے سے انکار کیا ہے۔ اور جو شخص عرش کے آسمانوں میں ہونے سے انکار کرتا ہے وہ بھی کافر ہے۔ (بعض نسخوں میں عبارت کا مزید اس طرح اضافہ ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ العلیین میں ہیں اور ان سے دماغی اوپر کی طرف منہ کر کے لگتی جاتی ہے نہ کہ نیچے کی طرف منہ کر کے۔

یہ عبارت فقہ اکبر مرویہ میں مذکور ہے لیکن فقہ اکبر ملاحی قاری میں نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ شیخ دولوں فقہ اکبر کو امام اعظم کی تصنیف مانتے ہیں

(۶) علامہ بیاضی نے امام اعظم کی علم کلام پر جن کتب کی نشان دہی کی ہے وہ تعداد میں پانچ ہیں اور انہی پانچ کتابوں کو سامنے رکھ کر انہوں نے ایک نیا متن مرتب کیا تھا جس کا نام

’الاصول المفیدۃ لایامام اعظم ابی حنیفہ‘ ہے اور وہ بھی مطبوعہ ہے اور اس کے بعد اس کی خود ہی ایک شرح آئی جسکا نام اشارات الرام من عبارات الامام نور علامہ یوسف عبد الرزاق کی تحقیق کے ساتھ مصر سے ۱۹۴۹ء علامہ زبد الکثری کے مقدمے کے ساتھ شائع ہوئی ہے جس میں تینوں احباب نے اس بات کا اصرار کیا ہے کہ

امام اعظم نے علم کلام کے موضوع پر متحد کتب تحریر فرمائی ہیں جن میں سے (۱) فقہ اکبر، (۲) فقہ اوسط، (۳) العالم والکسمل، (۴) رسالہ بنام عین حق، (۵) الوصیۃ، خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

علامہ بیاضی اصول منہج میں لکھتے ہیں:

”لہذا ما سئل جمعه وترقیہ ونہیہ عن المکررات ، وترقیہ من الاصول المفیدۃ لایامام ابی حنیفہ ، جمعہا من لصوص کتبہ النبی املاہا علی اصحابہ من الفقہ الاکبر ، والفقہ الاوسط ، موکتاب العالم ، والوصیۃ ، بروایۃ الامام حماد بن ابی حنیفہ ، وابی یوسف الاتصاری موابی مطبع الحکم بن عبد اللہ البلخی ، وابی مقاتل حفص بن سلم السمرقندی“ (الاصول المفیدۃ:)

یہ وہ رسالہ ہے جس کو جمع کرنے اور مرتب کرنے کے بارے میں اور ان میں سے مکرمات کو ختم کر کے ایک یا دو سالہ مرتب کرنے کے بارے میں مجھے بہت لوگوں نے کہا تھا ، اور امام اعظم کے مختلف رسائل کو جمع کر کے جو رسالہ بنام اصول منہج میں نے مرتب کیا تھا اور اس میں امام صاحب کی وہ کتب جن کو انہوں نے اپنے اصحاب کو ملایا کر دیا تھا ان میں فقہ اکبر، فقہ اوسط ، عالم وحکمل ، اور وصیت حکم امام حماد بن ابی حنیفہ ، ابو یوسف انصاری ابو مطیع ثعلبی ابو مقاتل نے روایت کیا ہے۔

ایک بہت بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ان کتب کو اثر احتاف میں سے کسی نقل نہیں کیا جس کی وجہ سے ان پر احاد نہیں کیا جاسکتا اس کے لئے علامہ بیاضی کی کتاب میں ایک طویل

ہجرا کر اف ہے جس کا ترجمہ یہاں ہدیہ کار میں کرتے ہیں:

”امام بزدی نے ’اصول‘ کے ابتدا میں فقہ اکبر کا اور کتاب العالم، اور رسالہ کا ایک جملہ نقل کیا ہے، اسی طرح مذکورہ کتب میں سے بعض مسائل اور حسام الدین سلطانی نے ’الکافی‘ میں: اور قوام الدین نقاشی نے ’الاشل‘ میں: اور جلال الدین کرلائی نے ’الغنی‘ میں: اور قوام الدین الکاشی نے ’میان الاصول‘ میں: بخاری نے ’البرہان‘ میں: علاء الدین بخاری نے ’الکھف‘ میں: اکمل الدین بابرانی نے ’المقریر‘ میں نقل کیا ہے۔

(۱) امام بخاری نے پورا رسالہ ’خزانہ الاکمل‘ میں نقل کیا ہے: اور امام ناظمی نے ’الاجناس‘ میں نقل کیا ہے۔

(۲) کتاب العالم کے بہت سارے مسائل علامہ نسفی نے ’المنقب‘ میں: اور خوہرزی نے ’منقب‘ اور کروری نے ’منقب‘ میں اور امام سبزوئی نے ’الکھف‘ میں: اور اس کے بعض مسائل محیط برفانی کے باب ’کلام اہل الکتاب‘ میں۔

(۳) اور فقہ اکبر کے بعض مسائل محمد بن الیاس نے اپنے ’فتاویٰ‘ میں: اور ابن ہمام نے ’المسایرہ‘ میں۔

(۴) اور فقہ اہل بیت کے بعض مسائل امام نسفی نے ’المصنوع‘ کی فصل ’التقید‘ میں: نور الدین بخاری نے ’الکفایہ‘ کی فصل ’الترغیب‘ میں: حافظ الدین نسفی نے ’الاحتماد‘ میں: اور ’شرح احمد‘: اور ’کشف المنار‘ میں ابو العابد الناطلی نے ’الاجناس‘ میں: کاظمی ابو العطاء ماصاہری نے ’کتاب الاقصاد‘ میں: ابو شامہ الناصری نے ’برہان سامع‘ میں: اور امام طحاوی نے ’شرح مختصر‘ میں: محمود القوری نے اپنی ’شرح مختصر‘ میں: علاء الدین بن علی جوزجانی نے اپنی ’شرح مختصر‘ میں۔

(۵) امام اعظم کی وصیت تمام کی تمام صاخرہ مصری نے اپنی ’علم البیان‘ میں نقل کی ہے: اور قلی الدین مصری نے ’طبقات المسیح‘ میں: محمد بن محمد طبری نے ’شرح الہدایہ‘ کے ابتدا میں: اور اس کے بعض مسائل ابن ہمام نے ’المسایرہ‘ میں: اور اکمل الدین بابرانی نے اس کی ’شرح

نکلی ہے۔

یہ تمام ائمہ جنگی تعداد تقریباً تیس کے قریب بنتی ہے انہوں نے امام اعظم کی علم کلام پر نکلی گئی کتب کا اپنی تصانیف میں تذکرہ کیا ہے اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے ائمہ دین ہیں۔ ان کو یہاں اگر ذکر کیا جائے تو بات بہت طویل ہو جائے گی لہذا علامہ بیاضی کے کلام کا ترجمہ کرنے پر ہی اکتفا کیا جاتا ہے“ (اشارات المرآۃ: ۳۳، ۳۴)

امام اعظم کی علم کلام پر کتب کی دریافت:

امام اعظم کی تصانیف کی تعداد تو بیسیں بنتی ہے لیکن علم کلام و فقہ میں جن کی کتب کی تعداد چھ ہیں: (۱): الفقہ الاکبر (۲): الفقہ الاکبر معروف بالفقہ الاوسط (۳): العالم والحکم الوصیۃ بمجمع الامۃ (۴): الرضوی القدر یہ (۶): الرسائل الی محن الحق ان میں سے پانچ تو مطبوعہ حالت میں مل جاتی ہیں مثلاً

(۱): فقہ اکبر (۲): فقہ اوسط، (۳): عالم وحکم اور (۶): رسائل عام محن حق جن میں سے ۶ سے ۶ تک ایک جرد میں ”الرحیم اکیڈمی لیاقت آباد کراچی“ سے طبع شدہ ہیں، اور مجموعہ الفقہ الاکبر کے نام سے فقہ اکبر، فقہ اوسط، عالم وحکم، اور الوصیۃ بمجمع الامۃ راقم کی تحقیق سے طبع ہوئی تھی، اور اس کی طباعت کانپور کے لئے مذکورہ چار کتب کے علاوہ رسائل عام محن حق اور اس کے مقدمہ کے طور پر اصول منہجہ از علامہ بیاضی تیار کیا جا رہا ہے اور دماغہ کے کوئی عربی میں کتب شائع کرنے کا شائق میسر آ جائے تو اس کی طباعت بھی آسان ہو جائے۔

اس کے علاوہ انہیں امام حاد والانسہ الفقہ الاکبر کے نام سے ۱۳۳۳ھ میں قاصرہ سے طبع ہوا، اور ۱۳۳۲ھ میں حیدر آباد کن سے طبع ہوا اور دہلی میں ۱۳۸۹ھ میں اردو میں ترجمہ کیا گیا، اور پنجابی زبان میں اس کا ترجمہ ۱۸۹۰ء میں لاہور سے طبع کیا گیا، ایک اردو ترجمہ سید امیر علی نے مبین الحدیث کے شروع میں کیا، اور ایک اردو ترجمہ جو فارسی ترجمے سے کیا گیا تھا جو مکتبہ انطاس ترکی سے مقادہ نظامیہ کے نام سے طبع ہوا ہے اور ایک اردو ترجمہ مفتی محمد سعد اللہ کے مطبع محمدی لاہور سے طبع ہوا جس کے آخر میں وصیت نامہ بھی ہے اور الوصیۃ بمجمع الامۃ

و ہام' علامات اہل سنت' کے نام سے جمعہ جہلی یکشنبہ نے بڑے خوبصورت انداز میں طبع کر دیا ہے۔ اور فقہ اکبر کو ملاحظی قاری کی شہرت کے علاوہ بھی کئی شروعات کے ساتھ صیغ شدہ، البتہ اہل بیت قدر یہ پر امام صاحب کا رسالہ نامعلوم ہے، بعض حضرات نے تو فقہ اہل بیت یعنی فقہ اکبر ابو مطیع کو ہی اہل بیت قدر یہ کہا ہے۔

هَذَا مَا عِنْدِي وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِالْصَّرَاحِ

تیسری رائے امام حماد والی فقہ اکبر امام صاحب کی ہے:

یہ رائے اگرچہ زیادہ واضح نہیں لیکن گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو زیادہ واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔

خاص طور پر استاد ابو زہرہ کی تصنیف 'ابو حنیفہ' کا مطالعہ کریں یا ڈاکٹر محمد اقبیس کی 'اصول الدین' دیکھیں اس میں ابن کی تحریرات اس بات کی شکایت کرتی ہے کہ یہ صاحبان امام اعظم کی تصانیف میں دونوں فقہ اکبر کو شامل تو کرتے ہیں لیکن حوالہ دیتا ہو یا علم عقائد میں امام صاحب کی رائے بتاتا ہو تو فقہ اکبر مرویہ بروایت امام ابو مطیع کی بجائے امام حماد والے نسخے سے استدلال کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں حضرات اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ امام اعظم کی علم کلام پر متعدد کتب ہیں لیکن سند میں قسم بہر ضعف کے پیش نظر فقہ وسط یعنی فقہ اکبر مرویہ کو اپنے استدلال میں لانے کی بجائے صرف فقہ اکبر امام حماد کو وہ اپنے دعوں میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں متعدد عرب اہل علم کا بھی یہی حال ہے کہ وہ امام حماد والے نسخے کو امام اعظم کا نسخہ مانتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ملاحظی قاری والا نسخہ آپ کو اکثر عربی ویب سائٹس پر مل جائے گا اور عرب مملکت میں زیادہ تر مطبوعات فقہ امام حماد والا نسخہ ہی ملتا ہے اگر اس نام سے آپ حنیفہ میں سرچ کریں تو اسی قصہ سے زیادہ نتائج میں وہ امام حماد والا نسخہ ہی سامنے آئے گا اور امام حماد والا نسخہ دنیا میں جن مخطوطات کی بناء پر دنیا میں رائج ہے وہ مندرجہ ذیل تاریخوں کے اس وقت دنیا میں پائے جاتے ہیں۔

اس نسبت کے صحیح ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں حتیٰ کہ وہ لوگ جو امام اعظم کے آچار و کتب کی محاش و جستجو کے بارے میں بہت محنت کرتے ہیں ان میں سے بھی کسی نے اس بات پر اتفاق کا دعویٰ نہیں کیا۔

ہاں جو وہ اس کے کہ استاد ابو ذہرہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کتب کی امام صاحب کی طرف نسبت کے بارے میں اتفاق نہیں ہے لیکن جب امام اعظم کی رائے کو ظاہر کرنے کی بات آتی ہے تو اسی فقہ اکبر کو امام اعظم کی تصنیف قرار دیتے ہوئے اسی سے اپنے استدلالات نقل کرتے ہیں، جو امام حاکمی کی روایت سے ہے اور جس کی تشریح ملاحظہ فرمائی جائے گی۔

اور اس خیال کے لوگوں میں نظر اصل محل نظر امام ابو مطیع علی کی ذات ہے انہی کو وہ مورد طعن قرار کرتے ہیں اور اس پر جرح و دفع کرتے ہیں کہ اگر اصل راوی کو بھروسہ قرار دے دیا جائے تو اصل بنیادی فہم ہو جائے گی اس لئے انہوں نے امام ابو مطیع علی پر زیادہ سے زیادہ الزامات لگانے کی بھرپور کوشش کی ہے ہم نے بڑی محنت سے امام ابو مطیع کی شخصیت کو نکھار کر آئندہ صفحات میں پیش کر دیا ہے اور امام ابو مطیع کو جرح و دفع مل کے سمیت پیش کر دیا ہے لہذا اب فیصلہ کرنا وقت کے ہاتھ میں ہے کہ آئندہ وقت ان کے بارے میں کیا ثابت کر سکتا ہے اور کیا زائل کرتا ہے۔

چوتھی رائے: فقہ اکبر، ابو مطیع علی والی امام اعظم کی تصنیف ہے

اس بارے میں چوتھی رائے یہ ہے کہ صرف ابو مطیع علی والی فقہ اکبر جس کو فقہ اکبر مرویہ بھی کہا جاتا ہے امام اعظم کی تصنیف ہے، مگر وہ فقہ اکبر جس کو امام حماد نے اسچے والد امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے اور ملاحظہ فرمائیے جس کی شرح کلکس ہے وہ امام اعظم کی تصنیف نہیں ہے۔

یہ نسخے اگر دنیا کی مختلف لائبریریوں میں دیکھا جائے تو قدیم نسخے اسی کے دستیاب ہوتے ہیں مثلاً:

اس کا سب سے باوجود اور قدیم نسخہ ۷۶۱ھ کا لکھا ہوا ہے ایک نسخہ ۹۹۶ھ کا لکھا ہوا ہے اور

فقا کبر و اہل ————— ۱۳۷

بعض اس سے بھی قدیم نسخے کاہرہ، لیڈن، لندن اور دوسرے کئی مقامات پر محفوظ ہیں۔
اور اس نسخے کی شروحات والے نسخے ۶۸۷ھ اور ۶۹۶ھ ۷۰۷ھ ۷۱۲ھ اور

بعض اس سے بھی قدیم نسخے ہیں جو دنیا کی مختلف لائبریریوں میں محفوظ ہیں
اور اس رائے کے کالمین میں زیادہ تر ہمارے ہندو پاکستان کے بعض علماء ہیں۔ جن
میں سے خاص طور سے علامہ وکیل احمد سکندر پوری نے 'مہر انوار شرح فقا کبر' میں اور حضرت
مفتی عزیز الرحمن نے اپنی تصنیف 'امام اعظم ابوحنیفہ' میں، حضرت مفتی محمد عیسیٰ نے 'المعجم
الدرر شرح فقا کبر' میں اور قاضی سجاد نقوی نے 'ہفتہ الکبر' میں اس بات پر بڑا زور دیا ہے
کہ حضرت امام کی طرف ملاحظہ قاری دہلی فقا کبر کا احتساب بالکل غلط ہے اور یہ کہ یہ سرے
سے امام صاحب کی کتاب ہی نہیں ہے۔

اس دعوے میں ان حضرات نے جتنے دلائل بھی دیے ہیں، اس باب میں ہم ان کا
مجاہب دینا چاہتے اور اس سلسلے میں ہماری کوشش ہوگی کہ ان کے اعتراضات کا عقلی جواب
پیش کریں اور ہمارا موقف یہ دونوں فقا کبر امام صاحب کی تصانیف ہیں، کو واضح کریں
بہتہ الموفق والہمسن

دہلہ، ہفتہ

فقہ اکبر پر اعتراضات اور جوابات

پہلا اعتراض

امام ابو مطیع کی شخصیت کا تنقیدی مطالعہ:

اس اعتراض کے سب سے بڑے مدعی حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے اپنی کتاب 'امام اعظم' میں اس پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے اور انہوں نے اپنی اس تحقیق کی بنیاد علامہ شبلی نعمانی کی تحقیق پر رکھی ہے،

اگرچہ قبل ازیں علامہ شبلی کی پوری تحقیقات کا خلاصہ تو بیان ہو چکا ہے اور اس میں وہ تمام اعتراضات جو فقہ اکبر کے امام اعظم کی طرف احتساب کے حوالے کئے جاتے ہیں، ایک جگہ جمع کر دئے گئے ہیں۔

اس ساری تحقیق میں عجیب بات یہ ہے 'جس مہارت کو بنیاد بنا کر حضرت مفتی صاحب مٹھی دہلی فقہ اکبر کو امام صاحب کی تصنیف قرار دیتے ہیں علامہ شبلی کی اس مہارت سے اپنا مدعا ثابت تو کیا کرتے بلکہ اسکا سرے سے ان کا رد ثابت ہو رہا ہے کیونکہ فقہ اکبر مٹھی کے امام صاحب کی طرف احتساب کیلئے سند کو بنیاد بنایا گیا ہے اور اسی سند کی وجہ سے فقہ اکبر مٹھی کو جمت و برہن مانتے ہیں جبکہ علامہ شبلی نے اس - سند کے راوی اول ابو مطیع پر عام محمد ثنین کی تنقید کا سامنا نہ کرتے ہوئے اس پر مہر توثیق مہر کر دی ہے، اور یوں فقہ اکبر مٹھی کے امام صاحب کی طرف احتساب کو سرے سے غلط قرار دے دیا ہے۔

علامہ شبلی فرماتے ہیں:

”اس کے علاوہ ابو مطیع مٹھی جو اس کتاب کے راوی ہیں حدیث و روایت میں چنداں مستند نہیں کتب رجال میں ان کی نسبت محمد ثنین نے نہایت سخت تنقید کی ہے۔ اگرچہ میں ان کو کلج حلیم نہیں کہتا تاہم ایک ایسی مشہور کتاب جس کا ثبوت صرف ابو مطیع مٹھی کی روایت پر منحصر ہو محمد جانا اصول پر قائل حلیم نہیں ہو سکتی“ (سیر و نہمان ۱۸۸)

اس سے بھی زیادہ مغل نوائی و کتور محمد انھیں کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

”امام روایۃ ابی مطیع لللفظ الاکبر و کتاب العالم و المعلم لابی
مقابل السمرقندی، فهما الکذابين والوضاعین جزم غیر واحد
من اهل النقد بذلك“ (اسول الدین: ۱۳۳)

وہ فقہ اکبر جس کو ابو مطیع نے یا عالم و معلم جس کو ابو مقابل نے روایت کیا ہے یہ دونوں
احباب تو (معاذ اللہ) کذاب اور وضاع لوگوں میں سے تھے، اور اہل تنقید میں سے کئی
لوگوں نے یہ بات بڑے ہلوق سے کہی ہے۔

ابو مطیع مغلّی پر تنقید کی نوعیت:

بعض محدثین نے امام ابو مطیع مغلّی پر جرح کرتے ہوئے بہت سارے الزامات لگائے
ہیں ان الزامات کی چارج شیٹ کارمین کی خدمت میں پیش نظر ہے کل ازمین امام ابو مطیع کے
حالات میں اس پر سیر حاصل گفتگو کی جا چکی ہے لہذا اس تحقیق کے بعد ہم کارمین سے انصاف
کے خدوہاں ہیں کہ بلا مجاہد ایک عظیم ہستی پر الزامات لگا کر آخر میدان تحقیق میں کیا ثابت کرنا
چاہتے ہیں۔

امام ابو مطیع مغلّی پر الزامات کی چارج شیٹ

پہلا الزام: یہ مرجیہ ہیں۔

دوسرا الزام: یہ ضعیف ہیں۔

تیسرا الزام: نقل روایت میں ان کا کوئی تابع نہیں ہے۔

چوتھا الزام: یہ جمہ میں سے ہیں

پانچواں الزام: یہ ملت سے بغض رکھتے تھے۔

چھٹا الزام: یہ ہمدردی کی باتیں اپنی طرف منسوب کر لیا کرتے تھے۔

ان الزامات کے تفصیلی جوابات امام ابو مطیع مغلّی کے حالات میں گزر چکے ہیں لہذا اگر حریہ

مخصوص ہو تو اسی کتاب کے تیسرے حصے میں باب سوم میں دوبارہ ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔

خلاصہ کلام :

اہل تحقیق جب تاریخ بغداد، یا لسان المیزان کے حوالے سے امام ابو مطیع پر نقد کرتے ہیں، اور اس تنقید کو صاحب اصول الدین محمد انیس، یا دوسرے طائے تحقیق من و عن نقل کر دیتے ہیں، تو ان کو کم از کم ان سطروں کی طرف بھی ایک نظر ڈال لینی چاہئے جو تاریخ بغداد، اور لسان المیزان والے احباب نے ان کی توثیق کے حوالے سے نقل کی ہیں، بلکہ ہم ان کو ابو مطیع کے حالات میں نقل کر چکے ہیں، لیکن مطالعہ کی کمی، یا تحقیق کی عدم جستجو، اور یا بغض باطن، اور یا اندھی تقلید، کی وجہ سے ہمیں اتنی توفیق نہیں ملتی کہ جہاں سے ایک حوالہ نقل کیا جا رہا ہے اس سے پہلے ایک یا دو صفحات کو بھی دیکھ لیں جن میں امام ابن مبارک اور امام مالک جیسے نابغہ روزگار ہستیاں امام ابو مطیع کا کس شاندار انداز سے تعارف کرواتی ہیں اور ان کو خراج عقیدت پیش کرتی ہیں، اس سے ہمارے اس روایتی الزامات سے بھی جاہن جھوٹ سکتی ہے۔

وما توفیق الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

دوسرا اعتراض :

- علامہ ابن قیمی کے ہاتھ سے تحریر کا مسئلہ
- اس اعتراض کے سب سے بڑے مبلغ مفتی عزیز الرحمن ہیں جنہوں نے اپنی کتاب میں اس پر بڑی مفصل گفتگو فرمائی ہے آپ فرماتے ہیں

علامہ کردری نے مناقب کے صفحہ ۱۰۸ پر تحریر فرمایا ہے :

فان قلت : لیس لابی حنیفۃ کتاب مصنف ؟

قلت : ہذا کلام المحترلة ، ودعواہم انہ لیس لہ فی علم الکلام لاصنف ، وحرصہم بذلک ظنی انی یکون الفقه الاکبر وکتاب العالم والمتعلم لہ ، لانہ صرح فیہ ہاکثر قواعد اہل السنۃ والجماعۃ ، ودعواہم انہ کان من المحترلة ، وذلك الكتاب لابی حنیفۃ البخاری ، وهذا غلط صریح ، لانی راہت بحظ

العلامة مولانا شمس الملة والدين المكرمى البر الهى المعادى
هلمن الكتابين ، وكتب فيهما انهما لاهى حنيفة، وقد توأطا على
فالملك جماعة كثيرة من المشايخ.

علامہ کردری صاحب مناقب کہہ رہے ہیں کہ میں نے ان دونوں کتابوں (یعنی فقہ
اکبر از ابو حنیفہ بخاری، اور فقہ اکبر از امام ابو حنیفہ) کو علامہ برائقی عمادی کے پاس دیکھا ہے
کہ ان کتابوں پر موصوف کے قلم سے لکھا ہوا تھا "فقہ الاکبر لابی حنیفہ" علامہ برائقی عمادی
صاحب ہایہ کے شاگرد ہیں، سن وفات ۵۵۹ ہے۔ ایک مستبر فیہ اور محدث ہیں، ان کی
فرض ان دونوں کتابوں پر فقہ الاکبر لکھنے سے ہرگز یہ نہیں ہو سکتی کہ یہ دونوں کتابیں امام ابو
حنیفہ کی ہیں یا یہ دونوں کتابیں ابو حنیفہ بخاری کی ہیں، بلکہ فرض ان کی ظاہر ہے کہ ایک فقہ
اکبر کے مصنف ابو حنیفہ بن یوسف بخاری ہیں اور ایک فقہ اکبر کے مصنف امام ابو حنیفہ الکوفی
ہیں، اور اس بات پر کہ فقہ اکبر دو ہیں جس کے مصنف علیحدہ علیحدہ ہیں مذکورہ دونوں صاحب
مشارع کی ایک جماعت کثیر نے اتفاق کیا ہے۔

مذکورہ بالا دونوں عبارتوں اور فقہ اکبر کے حقیقی اختلاف آراء کو دیکھنے کے بعد ایک
محقق یہاں یہاں ہے کہ حقیقت کیا ہے، کوئی فقہ اکبر کو ابو حنیفہ بخاری کی کتاب بتاتا ہے، اور کہتا
ہے کہ دونوں کتابیں علیحدہ علیحدہ مصنفوں کی ہیں، کوئی کہتا ہے کہ ایک فقہ اکبر ابو حنیفہ بن
یوسف کی ہے اور ایک ابو مطیع بن یحییٰ کی ہے، اور ہر ایک کے پاس کچھ دلائل اور قرآن ہیں،
(۱) امام عظیم ابو حنیفہ (۳۶۱)

اس کے بعد حضرت مفتی عزیز الرحمن فرماتے ہیں
فقہ اکبر دو ہیں اور اتفاق سے دونوں کے مصنف کا نام ابو حنیفہ ہے، فرق اتنا ہے کہ
ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوئی المعروف بالامام الاظم صاحب مسلک حنفیہ، اور دوسرے
ابو محمد بن یوسف البخاری المعروف بابی حنیفہ ہیں، ان دونوں حضرات کی کتاب کا نام بھی
اکبر ہے، اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، امام صاحب کی فقہ اکبر کا طرز عبارت
تقریباً ہے، یعنی تمام مسائل اس کے حدیث کہہ کر بیان کئے گئے ہیں جس کے راوی ابو مطیع بن یحییٰ

ہیں جنہوں نے ہر مسئلہ کو امام صاحب سے روایت کیا ہے، چنانچہ علماء نے اس کی تصدیق کی ہے۔ (امام اعظم ابوحنیفہ: ۲۶۳)

(۲) بہت سارے علماء ملاحظی قاری والے نسخے کو محمد بن یوسف بخاری کا نسخہ قرار دیا ہے جنکا لقب ابوحنیفہ بخاری تھا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ نسخہ امام ابوحنیفہ کا نہیں ہے بلکہ ابوحنیفہ بخاری کا ہے؟

کچھ انہی سے ملتے جلتے اعتراضات علامہ وکیل احمد سکندر پوری نے مہر انور میں، اور انہی اعتراضات کو حضرت مفتی محمد عیسیٰ گورمانی نے لکھنؤ کے صفحہ ۱۵ پر نقل کیا ہے، اس اعتراض میں جو مسائل اٹھائے گئے ہیں وہ یہ ہیں:

خلاصہ اعتراض:

- (۱) ابوحنیفہ نام کے دو افراد ہیں اور دونوں کی کتاب کا نام فقہ اکبر ہے
- (۲) دونوں فقہ اکبر میں زمین و آسمان کا فرق ہے
- (۳) طرز عبارت قدیم ہے۔
- (۴) تمام مسائل حدیث کا کہہ کر امام صاحب سے بیان کئے گئے ہیں۔

الجواب

مذکورہ تمام اعتراضات کی ہم نام بہ نام وضاحت کریں گے۔

اعتراض کا پہلا حصہ: ابوحنیفہ نام کے دو افراد ہیں

ابوحنیفہ نام کے دو اشخاص نہیں بلکہ دو سے زیادہ ہیں، اور مؤرخین مؤرخین میں سے کسی نے بھی زیادہ کی کوئی حد یا تعداد متعین نہیں فرمائی، ہاں البتہ ایک بات بہت مشترک ہے کہ ابوحنیفہ بخاری کو مؤرخین میں سے کسی نے بھی صاحب تصنیف شمار نہیں کیا اور نہ ہی ان کی تصانیف میں فقہ اکبر نامی کسی کتاب کا تذکرہ ان کے حوالہ میں کسی بھی مؤرخ نے نہیں کیا ہے۔ ابوحنیفہ افراد زیادہ کتنے ہیں، یہ مسئلہ ہماری اس بحث سے خارج ہے لیکن مؤرخین نے ائمہ جہل کی کتب میں جن کے نام درج کئے ہیں ان میں سے چھ ایک یہ ہیں:

- ۱- ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کو فی امام حنفیہ اور امام اعظم
- ۲- ابو حنیفہ جو جسر بن مطعم کے جنازے میں شامل ہوئے، بلور ان سے مغیرہ بن مسلم روایت نقل کرتے ہیں۔
- ۳- ابو حنیفہ یہ مسلم بن مغیرہ کے بھائی تھے۔
- ۴- ابو حنیفہ محمد بن حنیف بن داہان، قصی واسطی، چکا کا نام محمد اور کنیت ابو حنیفہ تھی۔
- ۵- ابو حنیفہ کو فی جن کا بیٹا عبدالاکرم ہے جو سلیمان بن مرد سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ان کا بیٹا عبدالاکرم روایت کرتے ہیں
- ۶- ابو حنیفہ الامامی: جسکے بیٹے کا نام عبدالکریم، اور یہ طمس لائتمہ عبدالعزیز طلوانی کے شاگرد، مکرساناف میں سے تھے۔ (جواب المسئ: ۲ ج ۶۰)
- ۷- ابو حنیفہ احمد بن دودو بنوری، صاحب تاریخ الاخبار الطوال، متحد تصانیف کے مصنف ہیں۔
- ۸- ابو حنیفہ نعمان بن عبداللہ مامی
- ۹- ابو حنیفہ نعمان بن ابی عبداللہ قاضی شافعی
- ۱۰- ابو حنیفہ نعمان بن محمد بن منصور مطری قاضی مصر: فرقی باطنیہ سے تعلق رکھتا تھا اور امام ابو حنیفہ کے رو میں تصانیف لکھی تھیں۔ (الجمہلۃ ج ۱۰ ج ۳)
- ۱۱- ابو حنیفہ الاصغر بخاری معروف: بکر بن محمد بن علی، ابو جعفر، بخاری زرنجری (علم البلدان ۱۳۸ ج ۳، سیر اعلام النبلاء ۱۹ ج ۱۵)
- ۱۲- ابو حنیفہ حسین بن علی بن نعمان، مطری، قاضی (رافضی)
- ۱۳- ابو حنیفہ سلیم، محمد بن عبداللہ بن محمد بن علی التونی ۳۶۲ھ
- ۱۴- ابو حنیفہ محمد بن علی الاصغری التونی ۵۷۱ھ (سیر اعلام النبلاء ۱۶ ج ۱۶، وفیات الامامین ۳۲۲ ج ۵)
- ۱۵- ابو حنیفہ محمد بن علی الاصغری التونی ۵۷۱ھ (سیر اعلام النبلاء ۱۶ ج ۱۶، وفیات الامامین ۳۲۲ ج ۵)
- ۱۶- ابو حنیفہ محمد بن علی الاصغری التونی ۵۷۱ھ (سیر اعلام النبلاء ۱۶ ج ۱۶، وفیات الامامین ۳۲۲ ج ۵)

و لیے تو یہ تمام ابو حنیفہ نامی افراد اپنی اپنی جگہ بڑی اہمیت کے حامل تھے اور ان میں سے

بعض لوگوں نے تو بہت ساری کتب بھی تحریر فرمائی ہیں لیکن آخری ابو حنیفہ ہیں جن کی وجہ سے امام اعظم کی فقہ اکبر ممتاز رہن مئی ہے، کیونکہ بعض حضرات اس کتاب کا مصنف یوسف بخاری کو مانتے ہیں۔

اور اس میں سب سے عجیب اس لحاظ سے کہ مفتی صاحب علامہ کردری کی عبارت کا مفہوم سات سو برس کے بعد متعین کرتے ہوئے مارشال فرماتے ہیں:

پیلا استدلال: "علامہ کردری صاحب مناقب کہہ رہے ہیں کہ میں نے ان دونوں کتابوں (یعنی فقہ اکبر از ابو حنیفہ بخاری اور فقہ اکبر از امام ابو حنیفہ) کو علامہ برائقی عمادی کے پاس دیکھا ہے کہ ان کتابوں پر مصنف کے قلم سے لکھا ہوا تھا:

"الفقه الاکبر لابی حنیفہ"

دوسری عبارت: ان کی فرض ان دونوں کتابوں پر فقہ الاکبر لکھنے سے ہرگز یہ نہیں ہو سکتی کہ یہ دونوں کتابیں امام ابو حنیفہ کی ہیں یا یہ دونوں کتابیں ابو حنیفہ بخاری کی ہیں، بلکہ فرض ان کی ظاہر ہے کہ ایک فقہ اکبر کے مصنف ابو حنیفہ بن یوسف بخاری ہیں اور ایک فقہ اکبر کے مصنف امام ابو حنیفہ کوئی ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عربی عبارت لکھ کر اس کا آسان انداز میں ترجمہ پیش کر: تحقیق کا کونسا طریقہ ہے، اور امام صاحب پر کونسا احسان چڑھایا جا رہا ہے۔ اصول تو یہ ہے کہ آپ اختلاف کے دوران جو عبارت بطور حوالہ پیش کریں تو کم از کم اس کا مفہوم تو درست بیان کریں، ہاں اس میں اختلاف کا حق استعمال کرتے ہوئے آپ جو رائے بھی قائم کرنا چاہیں اس میں کوئی پابندی نہیں ہے۔

امام کردری کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

"فانی راہب حفظ العلامة مولانا شمس الملہ و الدین المکروری

السر القسسی العمادی، ہنن الکتابین، کتب فیہما اتھما لابی

حنیفہ"

ترجمہ کرتے ہوئے علامہ مفتی عزیز الرحمن فرماتے ہیں:

”علامہ کروری صاحب مناقب کہہ رہے ہیں کہ میں نے ان دونوں کتابوں (یعنی فقہ اکبر از ابوحنیفہ بخاری اور فقہ اکبر از امام ابوحنیفہ کو علامہ برائلی عمادی کے پاس دیکھا ہے کہ ان کتابوں پر موصوف کے قلم سے لکھا ہوا تھا ”فقہ الاکبر لابی حنیفہ“

(ان کی غرض ان دونوں کتابوں پر فقہ الاکبر لکھنے سے ہرگز یہ نہیں ہو سکتی کہ یہ دونوں کتابیں امام ابوحنیفہ کی ہیں یا یہ دونوں کتابیں ابوحنیفہ بخاری کی ہیں، بلکہ غرض ان کی ظاہر ہے کہ ایک فقہ اکبر کے مصنف ابوحنیفہ بن یوسف بخاری ہیں اور ایک فقہ اکبر کے مصنف امام ابوحنیفہ لکھنوی ہیں)!

سوال یہ ہے کہ بین قوسین جو مفتی صاحب نے امام کروری اور علامہ برائلی کی غرض بیان فرمائی ہے بھلا کوئی ذی علم شخص یہ واضح کر سکتا ہے کہ وہ کس عبارت، یا عبارت کے کس جملے، یا جملے کے کس حرف، یا کس حرف کے بین طور میں مندرج ہے؟ کیا محققین اس کو تحقیق کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں اور انصاف کا خون کرنا نہیں کہیں گے؟ جبکہ خود علامہ کروری کا مقصد ان کی اپنی زبانی یوں ہے:

اگر تو یہ سوال کرے کہ امام ابوحنیفہ کی تصنیف شدہ کوئی کتاب نہیں ہے؟

تو جواب دیتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ یہ معقولہ کی ازائی ہوئی بات ہے اور ان کی رائے ہے، کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ امام صاحب کی تصنیف شدہ کوئی کتاب نہیں ہے، اور اس دعویٰ کے پس منظر میں فرقہ معتزلہ کے لوگوں کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ فقہ الاکبر اور العالم واسلم کے امام صاحب کی تصنیف ہونے سے نفی کرتے ہیں اور وہ یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ کتب امام اسلم کی تصنیف نہیں ہیں، ان کے اس انکار کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ امام صاحب نے اہل سنت والجماعت کے اکثر اصول ان کتب میں ذکر فرما دیئے ہیں، جبکہ فرقہ معتزلہ کے لوگوں کا دعویٰ مورثن کی اس بات سے غرض یہ ہے کہ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ چونکہ امام اسلم خود معتزلہ فرقہ سے تھے لہذا اس قسم کی کوئی کتاب امام صاحب نے تحریر نہیں فرمائی، بلکہ

بقول ان کے یہ ابو حنیفہ البخاری کی تصنیف ہے، جبکہ یہ دعویٰ فلفہ اور باطل ہے۔ کیونکہ میں خود علامہ برائعی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ دونوں کتب اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں، اور میں پر یہ بھی لکھا ہوا دیکھا ہے یہ دونوں ابو حنیفہ کی کتابیں ہیں، اور اس بارے میں امت میں علماء کی ایک کثیر جماعت کا اجماع چلا آ رہا ہے جس کا خلاف کرنا ممکن نہیں ہے۔

اگر قارئین اس سیاق و سباق کو پڑھ لیں تو مفتی عزیز الرحمن کی رائے کی سطحیت کو اچھی طرح جان سکتے ہیں۔

کیونکہ علامہ کردری اس رائے میں درج ذیل باتیں ثابت کرنا چاہتے ہیں:

(۱) علامہ کردری نے یہ حوالہ اپنے ثبوت اور حمایت کے طور پر درج کیا ہے نہ کہ فریق مخالف کی حمایت کی غرض سے۔

(۲) فریق مخالف کا دعویٰ ہے کہ یہ کتب: **فلفہ** اکبر اور **العالم** والی **المسلم** امام صاحب کی نہیں ہیں بلکہ ابو حنیفہ البخاری کی ہیں۔ اور ان کا کہنا یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی تو معتزلی تھے جبکہ یہ کتب **المسند** والی جماعت کی آراء پر مشتمل ہیں۔

(۳) علامہ کردری نے معتزلی کی اس رائے کا رد کرتے ہوئے چار باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔

(۱): **هذا غلط صریح**۔

یہ بات کہنا صریح طور پر فلفہ ہے۔

(۲): **فانی دلت علی حفظ العلامة**

میں نے علامہ شمس الملک والدین الکردری البرائعی اعمادی کی ہاتھ کی لکھی ہوئی **فلفہ** اکبر اور **العالم** والی **المسلم** دیکھی ہیں۔

(۳) **وكتب لهما انهما لا یس حبیہ**

اور ان پر یہ بھی علامہ کردری کے ہاتھ سے لکھا ہوا دیکھا ہے کہ یہ دونوں کتابیں امام ابو حنیفہ کی کتب ہیں۔

(۳) ہو قد نواطا علی ذلک جماعة کثیرة.

مشائخ کی ایک بہت بڑی جماعت کا لیے زمانے سے اجماع چلا آ رہا ہے کہ یہ کتب امام ابوحنیفہ کی ہی ہیں۔

اگر مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی رائے لی جائے تو آخری چھ اجلاس میں علامہ کروری نے مشائخ کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے وہ تو معتزلہ کے قول کی تائید بن جائے گا، اور دعویٰ نمبر ۳ بھی انہی کی دلیل بن جائے گا۔

مگر اس صورت حال میں یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ امام ابوحنیفہ کے معتزلہ ہونے کے قائل حضرت مفتی عزیز الرحمن رحمۃ اللہ علیہ ہیں یا علامہ کروری ہیں یا دونوں ہیں؟ لیکن اصل بات یہ ہے کہ عبارت کے معنی میں غلطی پیدا ہو رہی ہے، اگر حضرت مفتی صاحب کی نظر سے اصل کتاب المناقب گزری ہوتی تو کاتب المردف اس بات کی قوی امید کر سکتا ہے کہ اس قسم کا تنازع نہ ہوتا۔

یہ بات تو معتزلہ کی ہے جو اس کتاب کو امام صاحب کی کتاب ماننے سے انکاری ہیں اور ہمارے لئے ہرگز یہ بات جائز نہیں ہے کہ کسی کے کہنے پر امام صاحب کی طرف کسی کتاب کے احتساب کا ختم کر دیں جبکہ اس کتاب کے مسائل اصول اور عقائد میں اہل اہلسنت والجماعت کی تائید کرتے ہوں اور پھر اس کو کسی ایسے شخص جو خود اس کا مدعی نہ ہو کی طرف منسوب کرنا اور بھی عجیب ہے۔

یہ تو مدعی مستحور گواہ چست والی بات بن گئی ہے

واللہ تعالیٰ اعلم

اعتراض کا دوسرا حصہ: دونوں فقہ اکبر میں زمین و آسمان کا فرق ہے

جہاں تک مذکورہ اعتراض ہے، یہ سوائے انجان پنے کے اور کچھ بھی نہیں ہے، اس لئے کہ ایک مصنف ایک ہی موضوع پر دو کتابیں لکھے تو اس کو دو لکھنے کی ضرورت بھی پیش آتی ہے جب ایک کتاب میں وہ کچھ مسائل اور دوسری میں کچھ دوسرے مسائل بیان کرنا چاہے گا

اس لحاظ سے تو زمین و آسمان کا فرق کہا جاسکتا ہے۔ ورنہ

- ۱- دونوں کتابوں کا موضوع علمِ عقائد ہے۔
 - ۲- دونوں میں عقائد کے اکثر مسائل مثلاً: اللہ تعالیٰ کی توحید، کلام اللہ کی حقیقت، انبیاء و رسل کی تعلیم، وغیرہ ہی بیان کئے گئے ہیں۔
 - ۳- دونوں فقہ اکبر علمائے امت میں مقبول و معروف ہیں۔ ایک کا ان کارکر کے دوسری کا اثبات یا دوسری کا انکار کر کے ایک کا اثبات ائمہ کرام میں معروف ہے۔
 - ۴- دونوں فقہ اکبر عربی زبان میں لکھی گئی ہیں، امام حماد والی فقہ اکبر بیاضیہ ائمہ از میں ہے جبکہ امام ابو مطیع والی فقہ اکبر کا انداز چھبکی ہے
 - ۵- دونوں فقہ اکبر کا انتساب حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کی طرف ہے۔
- اس صورت حال کے بعد یہ اعتراض کرنا کہ:

ان دونوں حضرات کی کتاب کا نام بھی فقہ اکبر ہے، اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ (امام اعظم ابو حنیفہ ۲۱۳)

اس عبارت سے معلوم نہیں حضرت مفتی صاحب کیا واضح کرنا چاہتے ہیں؟ یا مفتی صاحب کی نظر میں زمین و آسمان کا فرق کچھ زیادہ نہیں ہے جیسا ان دونوں کتب میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔

اسی طرح زمین و آسمان کا فرق اسی وقت ہو سکتا ہے کہ دونوں کا موضوع بھی جدا جدا ہو اگر دونوں کا موضوع ایک ہی ہے تو زمین و آسمان کا فرق تو نہیں ہو سکتا۔ تیسری بات یہ کہ کیا دونوں کی تصانیف معرض نے دیکھی ہیں؟ جس سے جواب دیا جا رہا ہے، اور اگر دیکھے بغیر دعویٰ کیا جائے تو یہ انصاف کے مین خلاف ہے۔ کہ نام مناسبت دیکھ کر ایک کی کتاب دوسرے کے نام منسوب کر دی جائے۔ یہ تو ایسا طریقہ ہے جس سے فقہ کا دروازہ کھل جائے گا اور کوئی بھی شخص نام کی مناسبت سے ایک کتاب کو دوسرے کی طرف منسوب کر دے گا۔

بات کو سمجھنے کے لیے اس بات کا جواب اگر مل جائے کہ کیا وجہ ہے امام صاحب کی

طرف فقہ اکبر کو منسوب نہ کیا جائے۔

۱- کیا اس کتاب کا مضمون ایسا ہے جس سے امام صاحب کے عقائد کے خلاف عقائد بیان کئے گئے ہیں؟

۲- کیا کوئی شخص اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ میں اس کتاب کا مصنف ہوں؟

۳- کیا اس کتاب کے امام صاحب کی طرف منسوب ہونے پر کوئی نقص یا رد لازم آتا ہے؟
جلی بات: جہاں تک جلی بات کا تعلق ہے تو یہ کتاب مکمل طور پر امام صاحب کے عقائد کی تسنن اور توثیق ہے۔ نہ کہ معارض اور مخالف ہے اس بات کو تمام ائمہ تسلیم کرتے ہیں۔ اور جو ایک آدھ مسئلہ میں اختلاف کیا جاتا ہے اس کا جواب اور وضاحت امام ابو مطیع جلی نے امام صاحب سے سوال کر کے فقہ اہل سنت میں وضاحت فرمادی ہے اور بعض مسائل جنہوں کے اختلاف کی وجہ سے نظر آتے ہیں وہ ہماری اسی شرح میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

دوسری بات: تاریخ اسلامی میں اس بات کا دعویٰ کرنے والا کوئی نہیں کہ یہ میری کتاب ہے۔ البتہ بعض لوگ ہیں جو دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ کتاب امام صاحب کی ہے یا بعض لوگ ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ امام صاحب کی نہیں ہے مگر دونوں اس بات کے قائل ہیں کہ امام صاحب کے عقائد یا فقہ وغیرہ اس کے علاوہ نہیں ہیں مگر نہ جانے جب کیا ہے؟

ایک طبقہ اس بات کا مدعی ہے کہ یہ کتاب امام اعظم کی تصنیف کردہ کتاب ہے ان کا دعویٰ بلا دلیل ہے، مگر جو لوگ اس کے منکر ہیں ان کا دعویٰ بھی بلا دلیل ہے؟

دعویٰ بلا دلیل دونوں طرف ہے جو منکر ہیں وہ بھی خفی ہیں اور نہ جانے جب کیا کہ کیوں ان کا کیا جا رہا ہے اگر جب ابو حنیفہ البخاری کا نام ہے تو تمام کی سوانح و جد ان کا کوئی وجہ دلیل نہیں ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ یہ امام صاحب کی تصنیف ہی ہے تو اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا سوائے چھ ایک عقائد کے مگر وہ چھ عقائد بھی وضاحت طلب ہیں اور یہ وضاحت بھی اس بارے میں ہے کہ آیا امام صاحب کے عقائد بیان فرمودہ درست ہیں یا کسی دوسرے امام کے مگر اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ امام صاحب کی کتاب ہے۔

آخری بات: اور امام صاحب کی طرف اس کتاب کے منسوب کرنے سے کوئی نقص یا رد لازم نہیں آتا اس لئے جمہور امت کے ائمہ اہل سنت والجماعت مآثر یہیہ اشعر یہ اور حجابہ اور صوفیا اس بات کے قائل ہیں یہ امام صاحب کی تصنیف ہے اور امام کردری نے تو یہ وضاحت کر دی ہے کہ جو لوگ یہ دھوئی کرتے ہیں کہ یہ امام صاحب کی طرف نسبت ملتا ہے وہ قول معتزلہ کا ہے کیونکہ معتزلہ اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ امام صاحب کی قلم سے ان کے عقائد کا رد مطلق ہو لہذا انہوں نے آسان راستہ تلاش کیا کہ سرے سے اس کتاب کی نسبت امام صاحب کی طرف مطلقاً رد کی جائے۔

رد دھوئی زمین و آسمان کے فرق کا تو اس کا ثبوت مدعی پر ہے کہ وہ ثبوت نہیں کرے کہ کہاں اور کیا فرق ہے؟

اور یہ بھی بیان کرے کہ زمین و آسمان میں کس قدر فرق ہے؟ اور اس میں کیا ہے؟ اور اگر تائید میں کسی صاحب کو مزید تحقیق کا شوق ہو تو راقم کی تحقیق سے مجموعہ فقط اکابر میں ان دلوں نسخوں کو جمع کر دیا گیا ہے وہاں بیان کا مقابلہ کرنا بھی آسان ہے اور وہاں یہ فیصلہ کرنا بھی ممکن ہے کہ زمین و آسمان کا فرق کتنا ہوتا ہے تاکہ حضرت مفتی صاحب کی اس عبارت کے مفہوم کو سمجھنا آسان ہو۔

☆☆☆

اعتراف کا تیسرا اور چوتھا حصہ: طرز عبارت قدیم ہے۔

اور تمام مسائل حد تک کہہ کر امام صاحب سے بیان کئے گئے ہیں۔

البتہ مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ

”امام صاحب کی فقہ اکبر کا طرز عبارت قدیم ہے، یعنی تمام مسائل اس کے بعد فنا کر

جان کئے گئے ہیں جس کے ردوی ابو مطیع الہی ہیں جنہوں نے ہر مسئلہ کو امام صاحب سے

روایت کیا ہے، چنانچہ علامہ نے اس کی تصدیق کی ہے۔ (ماہنامہ اہل سنت: ۲۷۳)

اس عبارت میں ہمارے نزدیک تو دو اعتراف بنتے ہیں:

پہلا یہ کہ: طرز عبارت قدیم ہے۔

دوسرا یہ کہ: تمام مسائل حدیثاً کہہ کر امام صاحب سے بیان کئے گئے ہیں۔

جبکہ حضرت مفتی صاحب نے اس کو ”یعنی“ کہہ کر ایک ہی اعتراض بنا دیا ہے، گو یا مفتی صاحب کا غٹائے اعتراض یہ ہے کہ ابو مطیع علی دہلوی فقہ اکبر کی عبارت کا انداز قدیم طرز کا ہے اور قدیم سے مراد یہ ہے کہ اس میں ”حدیثاً“ کی تعبیر سے مسائل بیان کئے گئے ہیں۔

کتنا اچھا ہوتا کہ: حضرت مفتی صاحب قدیم کی بھی کوئی حد بندی کر دیتے اور پھر اس حد بندی میں امام اعظم کو بھی پابند کرتے کہ آپ ان حدود کو نہ بھلائیں؟؟؟

لیکن تقلید کے شوقین ہم لوگ یہ بھول جاتے ہیں امام ابو حنیفہ کو امام اعظم کیوں کہتے

ہیں؟

کیا وہ تمام علوم عربیہ اور علوم دینیہ کے امام نہیں ہیں؟

ہمارے سے اچھی ان کے بارے میں رائے تو اہل شوافع کی ہے اور ان میں سے جو فراج حسین ابن جبر کی نے امام اعظم کو پیش کیا ہے وہ قابل قدر اور قابل بیان ہے، آپ فرماتے ہیں:

احسن من ان نعولهم من ذلك ان ابا حنيفة لم يكن له خبر تام

بغير الفقه ، حاشا لله ، كان في العلوم الشرعية من التفسير

والحديث والآلة من العلوم الادبية والمطاييس الحكمية بحراً

لا يجارى واعلم لا يجارى (مجموعہ فقہ اکبر ص ۱۳)

اس وہم میں جکڑ ہونے سے بچنا چاہئے کہ ہم یہ کہنے لگیں: امام اعظم کو فقہ کے علاوہ کسی اور علم میں کوئی خاص دسترس نہیں تھی، آپ تو امام علوم تفسیر اور علوم حدیث میں تھے اور علوم ادبیہ اور علوم عقلیہ میں آپ سند کا وہبہ دیتے تھے، بلکہ آپ تو ایک علم کا بحر ہے کہ اس سے اور بلاشبہ آپ امام کل تھے۔

اس قدر بڑی شخصیت جو علوم ادبیہ اور علوم دینیہ کے امام اعظم ہوں ان کے بارے میں

یہ اعتراض کرنا کہ ان کی عبارت ہدیہ انداز کی ہے قدیم نہیں ہے کس قدر تعجب انگیز بات ہے یہ امام اعظم کی شخصیت کے صحیح طور سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے ہے ورنہ حضرت امام اعظم کو اللہ تعالیٰ نے علم قراءت میں پہلا مقام دیا اور ان کی قراءت علامہ مکی نے مناقب میں اور علامہ کردری نے اپنی کتاب مناقب میں نقل کی ہے وہاں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

اور علم حدیث میں سب سے پہلے امام صاحب کی تصنیف ہے، علم فقہ میں سب سے پہلے امام صاحب کی تدوین ہے، اور بہت سارے دوسرے علوم عربیہ میں تدوین و تہذیب کا کام سب سے پہلے امام اعظم نے کیا تھا اور آپ کے اس کام کرنے کا وہ زمانہ تھا جبکہ پوری دنیا علم کی تدوین کے لحاظ سے ابھی سو رہی تھی۔

اور یہ کہنا کہ ابو مطیع ولی کتاب میں فقہ اکبر کے تمام مسائل حدیثا کہہ کر بیان کئے گئے

ہیں؟

کیا اس کے بارے میں مطعی صاحب اس کتاب کو دیکھ کر کوئی مثال پیش کر سکتے ہیں پوری کتاب فقہ اکبر جو ابو مطیع علی نے روایت کی ہے اس میں کتنی بار فقط حدیثا استعمال کیا گیا ہے؟ مگر کوئی صاحب انصاف اس کتاب فقہ اکبر مردیہ کو دیکھ لے تو اس کو خود اندازہ ہو جائے گا کہ اس کتاب کا سارا انداز: کھٹک، میں نے پوچھا؟ نور: کل: اس نے کہا: پر مشتمل ہے، اور اس میں کھٹک کہہ کر ابو مطیع سوال کرتے ہوئے کہتے ہیں یعنی میں نے امام صاحب سے سوال کیا؟ تو جب امام صاحب کا جواب نقل کرتے ہیں تو کمال کے الفاظ استعمال کرتے ہیں اور امام صاحب بعض اوقات اپنے جواب کو مدلل کرتے ہوئے اپنی سند کے ساتھ حدیث بیان کرتے ہیں وہاں حدیثا کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، اور اس پوری فقہ اکبر یا فقہ بوط نامی کتاب میں کل صرف سترہ احادیث ہیں۔

لیف: لطف کی بات یہ ہے کہ جو علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کو سترہ احادیث آتی تھیں انہوں نے امام صاحب کی اسی کتاب فقہ اکبر کو دیکھ کر یہ کہا ہوگا۔

جہاں تک حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کا اعتراض ہے کہ اس سے مراد ابو حنیفہ بخاری ہیں

اور یہی مراد علامہ شمس اللہ الکروری کی اسکا آسان جواب تو یہ ہے کہ صاحب کتاب کو یہ چھ لپکا جائے کہ صاحب آپ کی رائے اس عبارت میں کیا ہے؟
نیز یہ کہ ہر وہ شخص جو امام صاحب کی تصانیف میں گہری نظر رکھتا ہو وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ حماد بن ابی حنیفہ والی فقہ اکبر جو ملاحظی قاری کی شرح کے ساتھ معروف ہے وہ امام صاحب کی تصنیف ہونے میں زیادہ معروف اور مشہور ہے؛ بلکہ اس فقہ اکبر کے جو ابو مطیع ثعلبی نے روایت کی ہے اس کی دلیل چاہئے تو میدان تصانیف تالیف حاضر ہے کسی زمانے کے علماء کا ذہن میں رکھئے اور ان کی تصانیف میں تلاش کیجئے کہ کس کا احتساب امام صاحب کی طرف زیادہ کیا جا رہا ہے؟

اور کیا جس کتاب کا احتساب کسی اور کی طرف ہو گا اس کو امام صاحب کی تصنیف ہونے سے ہم ان کا رد کریں گے؟ جبکہ یہ کوئی محققین کا وضع کردہ اصول اور طریقہ نہیں ہے اسی لئے علامہ کروری نے المناقب میں فرمایا:

وهذا ليس اصل من الاصول

یعنی یہ اصولی علماء کا اصول نہیں ہے کہ اس طریقہ سے کوئی کتاب کسی کی طرف منسوب ہونے کی جائے۔

☆ حضرت مفتی عزیز الرحمن مدنی بجزری صاحب اپنی تصنیف امام اعظم ابو حنیفہ کے مطبوعہ نمبر ۳۶۳ پر اس بحث کے نتائج نکالتے ہیں کہ کون سی فقہ اکبر امام صاحب کی تصنیف ہے؟ اور انہوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ فقہ اکبر مرویہ ہے جس کو امام صاحب سے امام ابو مطیع نے روایت کیا ہے، نہ کہ وہ فقہ اکبر جس کو امام حماد بن ابی حنیفہ نے روایت کیا ہے، ان کے یہ نتائج بڑے دل چسپ ہیں، جن کو قارئین کرام کے مطالعہ کے لئے ہم ذیل میں نقل کرتے ہوئے ان پر تبصرہ بھی کرتے ہیں۔

فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے:

۱: حسب صاحب کا یہ قول کہ (امام ابو حنیفہ کی کوئی تالیف بھی بسط صحیح ماثر نہیں اور

ایک جماعت علماء نے اس سے انکار کیا ہے (پاپے اہبار سے ہاگل جاری ہے کیونکہ اہل سنت والجماعت میں سے کوئی ان کی تالیف سے منکر نہیں ہوا، صرف بعض معتزلہ لوگوں نے ان کا رد کیا ہے۔) ان کا انکار قابل اہبار نہیں، امام ابوحنیفہ کی تالیفات میں سے کتاب فقہ اکبر، کتاب العالم والمسلم، کتاب الاوسط، کتاب الوصیۃ، کتاب المقصود، ایسی مشہور و معروف ہیں کہ محتاج سند نہیں، اگر ان کی سند ہی دیکھنی ہو تو قاضی ابو زیہ الدہلوی کی کتاب الزکوٰۃ کے باب زکوٰۃ الخراج، اور ابو یوسف الخزاز کی کتاب الطہارۃ کا باب النجس، اور ابو یوسف الخزاز کی کتاب النکاح کے باب العدة، اور ابو منصور ماتریدی کی کتاب الزکوٰۃ کے باب زکوٰۃ الموات، اور کتاب الوکالۃ، باب الوکالۃ بالبیع والشراء، اور ابو الیث سرقدی کی کتاب النکاح کے باب المهر کو دیکھو (حوالہ اصل کتاب حدائق الحنفیہ سے نقل ہے)

تیسرے: حضرت مفتی صاحب نے فقہ اکبر مردیہ کے ثبوت میں حدائق الحنفیہ صفحہ: ۹۸ کی مندرجہ بالا عبارت پیش کی ہے بعض نقلی اختلاف کے پیش نظر ہم نے حوالہ اصل کتاب سے نقل کر دیا ہے۔ افسوس ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے یہ غور نہیں کیا کہ مذکورہ عبارت میں سے یہ بات کہیں بھی ثابت نہیں ہوتی کہ فقہ اکبر معروف امام صاحب کی کتاب نہیں ہے، البتہ عبارت میں مذکور کتاب الاوسط کے بارے میں بعض علماء کرام جیسے علامہ زہد الکلوثری وغیرہ نے یہ عندیہ دیا ہے کہ یہ فقہ اوسط یا فقہ اوسط اصل میں فقہ اکبر مردیہ کا ہی دوسرا نام ہے، نیز مرقاۃ کے حوالے سے خود مفتی صاحب نے امام محمد کی کتاب الاوسط کے بارے میں عبارت سے اس کا حجم تخمین فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں:

اللہ استعان منی کتابة الاوسط لایسی حبیفة وحفظہ فی یوم وليلة
امام شافعی نے مجھ سے امام ابوحنیفہ کی کتاب الاوسط عاریتاً لی تھی، اور اس کو ایک دن اور ایک رات میں یاد کر لیا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا حجم زیادہ نہیں تھا اور اگر کتاب فقہ اکبر مردیہ کو دیکھا جائے تو اس کا حجم بھی اتنا ہی ہے اور جن حضرات نے اس کا فقہ اوسط یا اوسط کہا ہے میں

مکن ہے کہ ان کی رائے درست ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۲- علامہ کروری برائٹی حمادی نے ہر دو فقہ اکبر کے اوپر اپنے قلم سے لکھا تھا کہ یہ کتاب امام صاحب کی ہے۔ علامہ برائٹی صاحب ہدایہ کے شاگرد ہیں ۵۵۹ھ میں وفات پائی، ایک ثقہ محدث اور فقیہ ہیں ان سے یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ انہوں نے غلط لکھ دیا ہے۔
تہمید: حضرت مفتی صاحب نے مذکورہ عبارت میں دعویٰ تو یہ کیا کہ "ہر دو فقہ اکبر کے اوپر اپنے قلم سے لکھا تھا کہ یہ کتاب امام صاحب کی ہے" لیکن ایک فقہ اکبر کا امام صاحب کی تصنیف ہونے سے اقرار اور دوسری فقہ اکبر کا ان کا رد جانے کس وجہ سے فرما رہے ہیں؟ کم از کم اپنے دعوے میں تمویزی سی وسعت پیدا کر لیتے تو کتنا اچھا ہوتا اور دعویٰ اور دلیل موافق بھی ہو جاتے۔

۳- فقہ اکبر مردیابو مطیع کی روایت سے مردی ہے نہ کہ فقہ اکبر مشہور۔
تہمید: "فقہ اکبر ابو مطیع علی کی روایت سے مردی ہے تو فقہ اکبر مشہور امام حماد بن ابی حنیفہ کی روایت سے مردی ہے" یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ، بھلا اس دعویٰ یہ بات کہاں سے نکل آئی ہے کہ فقہ اکبر مشہور امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے؟
۴- "فقہ اکبر مشہور میں جہاں کہیں "قال ابو حنیفہ قدوة الامام" لکھا ہے وہ اقتباس ہے فقہ اکبر مردی کا، اور بعض جگہ تخمین کا تصرف ہے"

تہمید: یہ بات تو حضرت مفتی صاحب فقہ اکبر مشہور سے لاطمی کی بنا پر فرما رہے ہیں کیونکہ فقہ اکبر مشہور میں صرف ایک جگہ یہ عبارت ہے اور وہ بھی بالکل ابتداء میں اور اگر مفتی صاحب کی یہ بات تسلیم کر لی جائے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس عبارت کے بعد ساری فقہ اکبر مشہور فقہ اکبر مردی کا اقتباس ہے جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ اور فقہ اکبر مشہور کی ابتداء یوں ہوتی ہے "قال الامام الامام" اور مفتی صاحب کے فرمان "بعض جگہ تخمین کا تصرف" سے کیا معاد ہے؟ یہ بات شاید حضرت مفتی صاحب کو بھی واضح نہیں ہے کہ وہ اس عبارت میں کیا کہنا چاہتے ہیں۔

۵۔ جو جرح اور تنقید فقہ اکبر پر کی جاتی ہے وہ فقہ اکبر مشہور پر منطبق ہوتی ہے نہ کہ فقہ اکبر مرویہ پر۔

تہرہ: یہ بات تو اپنے اپنے ذوق سے قطع رکھتی ہے تنقید کرنے والوں نے دونوں فقہ اکبر پر تنقید کی ہے اور اس میں سے جو تنقید جس فقہ اکبر پر منطبق کرنی ہو اسی پر کی جاسکتی ہے، کیونکہ بعض لوگوں نے فقہ اکبر مرویہ پر تنقید کی ہے اور بعض لوگوں نے فقہ اکبر مشہور پر تنقید کی ہے۔

واللناس لہما یعتنقون مذاہب

اس سلسلے میں ہمارا موقف واضح ہے کہ ہم دونوں فقہ اکبر امام اعظم کی ہی تصانیف مانتے ہیں لہذا جس نے بھی ان پر تنقید کی ہے ہم اس کا جواب یہاں اسی باب میں اور ان کی شروع میں ان عبارات کے ذیل میں بھی دیں گے۔

۶۔ ابن تیمیہ نے مویہ میں فقہ اکبر مرویہ کی جو خصوصیات لکھے ہیں وہ فقہ اکبر مشہور پر منطبق نہیں ہوتے۔

تہرہ: اس مقام پر تو انہوں نے اپنا مدعا ثابت کرنے کے لئے بنیاد رکھی ہے اور وہ مسئلہ 'استوی باری تعالیٰ علیٰ الطرفین' ہے جبکہ یہ مسئلہ فقہ اکبر مشہور میں نہیں ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ کوہی صاحب خانہ کی محترمہ ہوتی ہے امام ابن تیمیہ باوجود علم و حکمت کا پہاڑ ہونے کے امام صاحب سے علاحدہ عمل دونوں میں اختلاف کرتے ہیں۔ وہ علاحدہ میں بھی ضعیف ہیں اور عمل میں بھی ضعیف ہیں اور ان کے متبادل (یا محدثین) کی تنقید امام اعظم پر کسی سے قوی نہیں ہے۔

۷۔ فقہ اکبر مرویہ کو چند اصحاب اہل حنفیہ نے ابو مطیع سے روایت کیا ہے جو مجروح نہیں ہے تہرہ: یہ تو حضرت مفتی صاحب نے بڑی خوبصورت بات کہی ہے اور نہ اس لئے رجال کے لحاظ سے جو تنقید امام ابو مطیع حنفی پر کی گئی ہے وہ امام عابد یا ان کے نسخے کے راویوں پر نہیں کی گئی، تفصیل امام ابو مطیع کے احوال میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

۸۔ شیخ الاسلام ابو اسماعیل انصاری ہروی نے فقہ اکبر مرویہ سے روایت نقل کرتے

ہوئے بیان کی ہے

تجمرہ: پہلی بات تو یہ ہے کہ شیخ الاسلام انصاری نے اپنی کتاب 'الغاروق' میں جو اپنی سند کے ساتھ مسئلہ بیان کیا ہے وہ مسئلہ عموماً وہی ہے جس سے حناہ اپنے عقیدہ استوی و ربی تعالیٰ کے بارے میں استدلال کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

انه سال اما حنيفه عن قال : لا اعرف ربى فى السماء ام فى الارض فقال قد كفر لان الله يقول فى الرحمن على العرش استوى وكو عرشه فوق سبع سماواته . قلت : فان قال انه على العرش ولكن لا احدى العرش فى السماء ام فى الارض قال هو كفر لانه انكر انه فى السماء فمن انكر انه فى السماء فقد كفر . وزاد غيره : لان الله فى اعلى العلمين وهو يدعى من اعلى لا من اسفل (شرح عقیدہ ہمامیہ: ۲۳۰)

ابو طلیح فرماتے ہیں: میں نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا: کہ وہ شخص جو یہ کہتا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہے یا زمینوں میں ہے اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو آپ نے جواب دیا وہ کافر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رب رحمن عرش بریں پر مستوی ہوا

(اور اللہ تعالیٰ کا عرش ساتویں آسمان سے اوپر ہے۔ پھر میں نے پوچھا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں یہ تو جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے لیکن یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کا عرش آسمانوں میں ہے یا زمینوں میں ہے تو اس کے بارے میں کیا رائے ہونی چاہئے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ شخص بھی کافر ہے کیونکہ اس نے عرش کے آسمانوں پر ہونے سے انکار کیا ہے اور جو شخص عرش کے آسمانوں میں ہونے سے انکار کرتا ہے وہ بھی کافر ہے۔) بعض حضرات میں مہارت کا حریہ اس طرح اضافہ ہے (کیونکہ اللہ تعالیٰ اعلیٰ العلمین میں ہیں اور ان کے ساتھ بھی اوپر کی طرف نہ کر کے مانگ جاتی ہے نہ کہ نیچے کی طرف نہ کر کے۔)

اس مہارت سے فقہ اکبر مشہور کا امام صاحب کی طرف انتساب کرنے سے انکار

کہاں ثابت ہو رہا ہے؟ بلکہ یہ عبارت تو ہمارے دعویٰ کی تائید ہے کہ دونوں فقہ اکبر حضرت امام عظیم کی تصنیفات ہیں۔

۹- حافظ ذہبی نے کتاب مسئلہ طوم میں لکھا ہے:

”روی ابو المطیع الحکم بن عبد اللہ فی الفقہ الاکبر“

معلوم ہوا کہ حافظ ذہبی نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے

تیسرہ: جی ہاں! مسئلہ ”استواء علی العرش“ کا تذکرہ صرف فقہ اکبر مرویہ میں ہے تو جو شخص اس مسئلہ کو بیان کرے گا وہ اسی فقہ اکبر کا حوالہ دے گا نہ کہ وہ دونوں فقہ اکبر کو حادف کر دے گا، لہذا فقہ اکبر مشہور کا ان کا تو اس سے ثابت نہیں ہوتا۔

۱۰- ابن قدامہ مقدسی اور ابن قیم نے بھی فقہ اکبر مرویہ کو تسلیم کیا ہے

تیسرہ: اس لئے کہ انہوں نے بھی مسئلہ استواء باری تعالیٰ علی عرش کو بیان کرنے کے دوران اس فقہ اکبر کا حوالہ دیا ہے لیکن اس سے فقہ اکبر مشہور کا ان کا ثابت نہیں ہوتا۔

۱۱- علامہ قزوینی کی روایت بھی اس قسم کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے:

تیسرہ: علامہ قزوینی کے لقب سے دو افراد معروف ہیں (ایک): محمود بن احمد قزوینی متوفی ۷۷۷ھ، اور (دوسرے): محمد بن یوسف بن علیاس قزوینی متوفی: ۸۸۷ھ ہیں، اس کی تعیین لازم ہے کہ کس نے اور کہاں فقہ اکبر مرویہ کو امام صاحب کی تصنیف قرار دیا ہے۔ اور دوسرا یہ بھی مدعی کے ذمے لازم ہے کہ وہ ثابت کرے کہ ان کی عبارت سے یہ بات کہاں ثابت ہوتی ہے کہ وہ فقہ اکبر مشہور کے امام صاحب کی تصنیف ہونے کا ان کا کرتے ہیں، اور ہو سکتا ہے ان تک دوسری کتاب ہی نہ پہنچی ہو جس کی وجہ سے انہوں نے ایک کتاب کو امام صاحب کی کتاب تسلیم کر لیا ہے؟ اسی لئے عربی محاورہ ہے: اذا جامل الاحمال بطل الاستدلال۔

۱۲- علامہ ابن حجر کی نے اپنے فتاویٰ میں تحریر فرمایا ہے کہ فقہ اکبر مشہور ابو حنیفہ بخاری کی تصنیف ہے اور فقہ اکبر مرویہ امام صاحب کی کتاب ہے

تیسرہ: ابن حجر کا فقہ اکبر مشہور کے امام صاحب کی کتاب ہونے سے ان کا ردی وجہ صرف

مسئلہ والدین مصطفیٰ کے ایمان کی وجہ سے ہے لیکن انہوں نے اگر علامہ شامی کی تحقیق دیکھی ہوتی تو مسئلہ ہی پیدا نہ ہوتا اس مسئلے کی تفصیل ہم آئندہ صفحات میں بیان کریں گے۔

۱۳- جو مسائل فقہ اکبر میں مشہور ہیں مثلاً، کفر والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، وہ فقہ اکبر مرویہ میں نہیں ہیں، امام صاحب کی طرف اس مسئلہ کو منسوب کرنا افتراء ہے یہی حافظ ابن حجر کی نے اپنے فتاویٰ میں اور علامہ طحاوی نے حاشیہ در مختار میں لکھا ہے۔

تجربہ: اس مسئلے کے بارے میں فقہ اکبر مشہور کے مختلف نسخے ہیں، اور اس مسئلے کو بنیاد بنا کر فقہ اکبر مشہور کا امام صاحب کی تصنیف ہونے سے من کار کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا، کیا اس کے من کار کرنے کے بعد والدین مصطفیٰ کا ایمان ثابت ہو جاتا ہے یا نہیں؟ اور کیا فقہ اکبر مرویہ میں والدین مصطفیٰ کے ایمان کی تصریح کی گئی ہے یا نہیں؟

۱۴- فقہ اکبر پر کچھ شکوک و شبہات قائم کئے جاتے ہیں مثلاً علامہ شبلی اور ابو ہریرہ مصری کو اشغال ہے کہ فقہ اکبر میں جن اصطلاحات مثلاً بالکلیف بالعرض بالذات کا ذکر ہے، اور جن مسائل مثلاً کرامات اولیاء اللہ کا ذکر ہے یہ سب بعد کی چیزیں ہیں، امام صاحب کے زمانہ میں من کا وجود نہیں تھا، چنانچہ لیکن یہ شک فقہ اکبر مشہور پر کیا جاسکتا ہے نہ کہ فقہ اکبر مرویہ میں نہ یہ اصطلاحیں ہیں اور نہ ان مسائل کا ذکر ہے۔

تجربہ: اگر ملی کو دیکھ کر کبوتر آنکھیں بند کر لے تو کیا اس سے کبوتر موت سے بچ جاتا، اس لئے امام اعظم نے اگر ان مسائل کی نشان دہی کی ہے تو کیا اس کا آسان حل یہ ہے کہ ہم اس کتاب کا امام صاحب کی تصنیف ہونے سے ہی ان کار کردیں، اس کی تفصیل ہم آئندہ صفحات میں بیان کریں گے

☆ ان شاء اللہ ☆

تیسرا اعتراض:

﴿ان دونوں فقہ اکبر کے مسائل ایک دوسرے سے مختلف ہیں﴾

آنہ کرام میں جو کتاب فقہ اکبر کے نام سے معروف ہے وہ ابو طیب علی کی روایت کردہ

ہے، اور وہی امام صاحب سے حقوق ہے اور جس فدا کبر کی ملامت قاری نے تشریح کی ہے اس میں معروف فدا کبر کے علاوہ مسائل ہیں۔

اس اعتراض کی تقریر یوں ہے کہ

۱: اصل فدا کبر وہ کتاب ہے جس کو امام ابو مطیع ثعلبی نے امام صاحب سے روایت کیا ہے

۲: وہ فدا کبر جسکی تشریح ملامت قاری نے کی ہے وہ امام صاحب کی کتاب نہیں ہے

۳: ان دونوں فدا کبر میں ایک دوسرے سے مختلف مسائل ہیں

اب ہم ان میں سے ہر نکتے کا الگ الگ وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں وانہ
الموفق والمعين،

الجواب:

پہلی بات۔ کیا ابو مطیع ثعلبی والی فدا کبر امام صاحب کی ہے اور امام حاد والی نہیں

اس اعتراض کی تحقیق کی نظر میں اتنی زیادہ اہمیت نہیں کیونکہ فدا کبر کا وہ نسخہ جس کو امام

حاد نے امام صاحب سے روایت کیا ہے وہ معرض کی نظروں سے پوشیدہ رہا تھا، ورنہ وہ اس

قسم کا اعتراض نہ کیا کرتے، اور الحمد للہ ہم نے فدا کبر ابو مطیع، اور فدا کبر امام حاد، ہر دو مسائل

کو مجموعہ فدا کبر میں شامل کر کے شائع کر دیا ہے۔ اب آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ مسائل میں

کس قدر فرق اور اختلاف ہے: اس اعتراض کی حقیقت حال قارئین کرام پر اس کتاب کے

مطالعہ کے بعد کھلے گی اور بھی آسانی سے آپ فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اور اصل بات یہ ہے کہ جو

کتاب ابو مطیع ثعلبی نے روایت کی ہے اس کے مصنف امام صاحب ہیں، اور چونکہ ملامت قاری

کی شرن کے ساتھ مرہبہ ہوا ہے وہ بھی امام صاحب کا تصنیف کردہ ہے فرق صرف اتنا ہے کہ

ایک کا اعجاز بیان ہے اور دوسرے کا انداز سوال ہے ویسے دونوں کا موضوع علم حقانہ ہے۔

متن فدا کبر کی حقیقت حال:

فدا کبر جو امام حاد بن ابی حنیفہ کی روایت سے مروی ہے وہ ایک متن ہے، اور اس میں

حادثہ سے متعلق مسائل بیان کئے گئے ہیں اور اس میں سوال و جواب کا طریقہ اختیار نہیں کیا

گیا ہے بلکہ کسی سوال کا تذکرہ کئے بغیر ایک بیان کے انداز میں بات بیان کر دی گئی ہے اور سامع سننے میں مصروف ہے، پھر کسی قسم کا اعتراض کرنے والا بھی کوئی نہیں، لہذا اکلام کی روایت میں کوئی خلل بھی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی توحید سے علامت قیامت تک کے سارے مسائل اختصار کے ساتھ اس زمانہ میں ایک مسلمان کو مسلح بننے کے لئے یا ایک نو مسلم کو جس قدر ضروری ہو سکتے ہیں اس رسالے میں بیان فرمادئے گئے ہیں۔

جب کہ دوسری کتاب جس کے راوی ابو مطیع ہیں اس کا نام آخر تحقیق حلا علامہ بیاضی وغیرہ فقہ حلیہ جو یز فرماتے ہیں، اور اگر اس کو فقہ اکبر بھی کہا جائے تو بھی کوئی اعتراض والی بات نہیں کیونکہ اصل فقہ اکبری قراءت کے دوران ذہن میں وارد ہونے والے شبہات کا جواب شاکر جو ابو مطیع مٹی ہیں وہ پوچھتے جا رہے ہیں اور استاد جو خود حضرت امام عظیم ہیں وہ جواب دیتے جا رہے ہیں،

اصل متن اس کتاب میں بھی فقہ اکبری ہے مگر اس متن میں پیدا ہونے والے شبہات کا جواب مدون شکل میں فقہ ابسط کی صورت میں ہے لہذا ان کو ابو مطیع نے یک جا کر دیا اور قدیم اندک کی عادت کے مطابق اس کتاب کا نام کوئی بھی تجویز نہیں کیا، صرف فن کے نام فقہ اکبری کے بعد سے اس کا نام بھی فقہ اکبر معروف ہو گیا، اس بارے میں دلیل چاہئے تو حاضر ہے امام ابو مطیع مٹی فقہ ابسط کے شروع میں فرماتے ہیں:

سألت أبا حنيفة نعمان بن ثابت عن الفقه الاكبر

(مجموع فقہ الاکبر ۵۵)

میں نے امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت سے فقہ اکبر کے بارے میں پوچھا؟
اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے فقہ اکبر کے مسائل کے بارے میں پوچھا؟ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ میں نے پوچھا کہ فقہ اکبر کہاں پڑی ہے یا فقہ اکبر کیا ہے یا فقہ اکبر کس کو کہتے ہیں بلکہ ایک عام سا مفہوم جو عربی لفظ (عن) کے مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے، کہ میں نے فقہ اکبری قراءت کے بعد اس میں

پیدا ہونے والے سوالات کے بارے میں امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت سے پوچھا تو انہوں نے جو جوابات دیئے ان کو اس رسالے میں جمع کر کے قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ اور کہنے کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ”میں نے امام ابو حنیفہ سے علم مقامہ کے بارے میں پوچھا تو امام صاحب نے جو جواب دیا وہ یوں ہے“ لیکن یہ بات تب فنی جب ایک بار پوچھے اور پھر خاموش رہتے لیکن اس رسالے میں بار بار سوال کیا جاتا ہے اور ان سوالات کی تعداد ستاسی کے قریب فنی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو مطیع علی کے سامنے پہلے سے کوئی امام صاحب کا مجموعہ کردہ کوئی خاکہ موجود ہے جس کو سامنے رکھ کر جو باتیں وضاحت طلب ہیں ابو مطیع صرف ان کے بارے میں استفسار کرتے ہیں اور امام صاحب مختصر انداز میں اس کا جواب دیتے ہیں، اور ان سوالات کے مجموعے کا نام فقہ اکبر بھی رکھا گیا، البتہ بعض اصطلاحات جتنی وغیرہ نے اس کا تھوڑا سا اختلاف دیکھ کر نام مختلف کر دیا اور انہوں نے فقہ اوسط کر دیا، اور بعض حضرات اصطلاحات زائد الکثری وغیرہ نے فقہ اوسط بھی اسی کو قرار دیا ہے، اور اسی کتاب کی تخریج امام ابو الیث سرقندی نے فرمائی جو حیدر آباد کن سے امام ابو منصور ماتریدی کے نام سے چھپی ہوئی ہے اس پوری تخریج میں انہوں نے کہیں بھی کتاب کے نام کی وضاحت نہیں فرمائی کہ یہ کون سی کتاب ہے۔

شروحات و تراجم فقہ اکبر کی حقیقت حال:

پھر شروحات کے لحاظ سے دیکھا جائے تو زیادہ شروع متن فقہ اکبر کی ہیں جو سولہ طالع قاری کے نام سے مشہور ہے اور ابو مطیع علی والی شرح چونکہ علم فقہ اکبر پر کئے گئے سوالوں کے جوابات ہیں اور اس کی شرح کی زیادہ ضرورت نہیں تھی لہذا اس کی شروحات زیادہ نہیں لکھی گئی سوائے مولانا ابو الیث سرقندی، قاضی عبید اللہ اعطوی اور خلیفہ محمد السنی المعروف بہ گیسو دراز کی شروحات کے، اور اگر تینوں شروحات پر اجماعی نظر ڈالی جائے تو اس کی صورت یوں فنی ہے:

پہلی تخریج امام ابو الیث سرقندی کی ہے اور وہ اپنی اس شرح میں بعض اجماعی مسائل کی

تفصیل بیان فرماتے ہیں اور اس زمانے کے معروف فرقوں کے دلائل اور ان کے عقائد کا رد فرماتے ہیں اور کتاب کے بعض مقامات سے خاموشی سے گزر جاتے ہیں، اس لئے کہ ان کے زمانے میں ان باتوں کی شرح کی ضرورت نہ تھی اگرچہ آج کے زمانے میں اس کی ضرورت بہت بڑھ گئی ہے، اس شرح کی وسعت اصل کتاب کے متن کے برابر اس لحاظ سے کتاب کا حجم شرح کو طائر و چند ہو گیا ہے۔

دوسری شرح شیخ محترم محمد اسلمی گیسو راز نے کی ہے وہ ابو الیث کی شرح کے بعض مقامات کا فارسی ترجمہ اور بعض اضافات ہیں جو ترجمہ میں بعض ضروری افادات جو شیخ اپنا نام لکھ فرماتے ہیں۔

تیسری شرح قاضی عبید اللہ املوی کی ہے لیکن یہ کتاب دوسروں کی نسبت مفصل ہے اور بعض جگہ تخریج کا مادیت بھی ہے اور بعض جگہ تشریحی اور بعض مقامات پر توضیحی نوٹس ہیں۔ چوتھی شرح راقم نے کی ہے جو انشا اللہ تعالیٰ اکبر کی اس تخریج کے بعد مکمل کی جائے گی اس تخریج میں ابو الیث کی گیسو راز اور قاضی املوی کو شامل کر کے جہاں کی رو گئی ہے اس میں مزید وضاحت کی گئی ہے۔

جس کو شرح کہا جاسکتا ہے وہ صرف امام ابو الیث کی شرح کے ابتدائی چند ابواب ہیں طائر و از میں کوئی شرح ایسی نہیں جو ان تینوں سے بڑھ کر ہو

تراجم فقہ اہل :

پہلا ترجمہ مولانا عبدالغنی رحمانی نے کیا ہے جو آثار الامام نے نام سے مکتبہ شہاب دہلوی نے شائع کیا ہے جو ناایاب ہے۔

دوسرا ترجمہ مولانا وکیل احمد سکندر پوری نے مہر انور کے نام سے کیا ہے اور مطبوع ہے لیکن وہ بھی ناایاب ہے۔

تیسرا ترجمہ ہندو اہم نے کیا جو شرح کے ضمن میں انشا اللہ جلد ہی طبع ہو جائے گا۔

فخراکبر کی شروعات:

البتہ فخراکبر ملاحظی قاری والے نسخے کی تصحیح و شروح ہیں ان میں حکیم اسحاق بن محمد حکیم سرحدی، شیخ اکمل بابرتی، فخر الاسلام بزودی، محی الدین بن بہاء الدین، ملاحظی قاری، عبد الحلیم بحر العلوم ابو خشی، اور اسکا قاری ترجمہ از حضرت علی جھویری، اور ابراہیم بن حسام کی مکتوب شرح نور ظلم شرح سید احمد مرزوقی یہ تمام شروعات اس نسخہ کی ہیں جو ملاحظی قاری کی شرح میں استعمال ہوا ہے۔

اختلاف مسائل:

اور یہ کہنا کہ "مسائل میں اختلاف اس نوعیت کا ہے کہ ایک نسخے میں اور مسائل ہیں اور دوسرے نسخے میں اور مسائل ہیں"

اس کا جواب یوں ہے کہ جب دو کتابیں ایک ہی فن کی ہوں گی اور لکھنے والا بھی ایک ہی ہو تو مسائل میں اضافہ یا کمی ہو؟ ایک فطری بات ہے مگر جب کتاب کی نوعیت بھی مختلف ہو تو اس میں یہ دعویٰ تو نہیں کیا جاسکتا کہ وہ دو مختلف کتابیں ہیں لیکن یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ان دونوں میں ایک دوسرے سے مختلف مسائل ہیں، اور یہ اختلاف ان کتابوں میں کمی یا زیادتی کے لحاظ سے، یا بعض مسائل کے ایک کتاب میں ہونے اور دوسری میں نہ ہونے کے لحاظ سے ہے ان کے علوم کے مختلف ہونے کے لحاظ سے نہیں ہے۔

اس میں کوئی اعتراض اولیٰ بات نہیں جیسا کہ پہلے واضح کیا گیا ہے کہ دو الگ کتب میں اختلاف تو ہوتا ہے البتہ تضاد ہونا قابل اعتراض بات ہے، اور اعتراض ثابت کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے جبکہ دونوں فخراکبر کے نسخے زیرِ غمگی کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکے ہیں، ان کو ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے اور دیکھا جاسکتا ہے کہ ان میں کوئی تضاد ہے؟ لیکن اصل بات یہ ہے کہ ان نسخوں کو دیکھنے کے بعد ہر ذی ہوش آدمی ہمارے اس دعوے کی تائید کرے گا کہ ان نسخوں میں اختلاف تو ہے لیکن ان میں آپس میں تضاد نہیں ہے۔

اکثر علمائے اُمت نے وہ فخراکبر جس کو امام جلال بن ابی حنیفہؒ نے روایت کیا ہے اس کو

امام اعظم کی تصنیف تسلیم کیا ہے اور بعض نے وہ فقہ اکبر جس کو امام ابو مطیع الحلی نے روایت کیا ہے اس کو امام صاحب کی تصنیف تسلیم کیا ہے اس لئے بہت سارے علمائے امت نے ان دونوں کی شرح میں دو ٹوپی ظاہر کی ہے اور ان کی شروحات بھی لکھی ہیں، علامہ عبد القادر بغدادی فرماتے ہیں

”فان ابا حنیفۃ له کتاب فی الرد علی القدرہ سماھا کتاب الفقہ الاکبر، ولہ رسالۃ املاھا فی نصرۃ قول اهل السنۃ، ان الاستطاعۃ مع الفعل“ (امول الدین ص ۳۸۸)

امام ابو حنیفہ نے قدریہ کے رد میں ایک کتاب تصنیف کی تھی جس کا نام فقہ اکبر رکھا تھا اور اس میں اہل السنۃ والجماعت کے قول استطاعت مع الفعل کی بارے میں بھی بحث کی تھی۔

اس عبارت سے دو چیزیں معلوم ہوتی ہیں:

پہلی بات یہ کہ امام صاحب کی تصنیف کا نام فقہ اکبر ہے۔

دوسری بات یہ کہ اس رسالے میں مسئلہ استطاعت پر بھی بحث کی تھی۔

”رسالۃ املاھا فی نصرۃ قول اهل السنۃ، ان الاستطاعۃ مع الفعل“

اب دیکھتا ہے کہ ایسا کون سا رسالہ ہے جس میں مذکور مسئلہ بیان کیا گیا ہے؟

بحمد اللہ تعالیٰ اس بارے میں ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ وہ کتاب جس کا نام فقہ اکبر ہے اور جو امام ابو مطیع الحلی کی روایت کردہ فقہ اکبر ہے اس کے اس نسخے میں جو مجلس علمی نے دوسرے حضرات نے اس کو طبع کیا ہے اس میں یہ مسئلہ موجود نہیں ہے ہاں البتہ جو نسخہ خوبہ گیسو دور از کی شرح کے ساتھ طبع ہوا ہے اس نسخے میں بھی یہ مسئلہ بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہے، اور جو نسخہ بندہ کا جب کی تحقیق سے طبع ہوا ہے اس میں بھی یہ نسخہ موجود ہے

من شاء منکم فیراجع الہ

خلاصہ کلام:

ہر شخص جو امام صاحب کی تصانیف میں گہری فکر رکھتا ہو وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ علامہ ابن ابی حنیفہ والی فقہ اکبر جو ماحل قاری کی شرح کے ساتھ معروف ہے وہ امام صاحب کی تصنیف ہونے میں زیادہ معروف اور مشہور ہے: بہت سہ اس فقہ اکبر کے جو ابو مطیع الجلی نے روایت کی ہے۔ اس کی دلیل چاہئے تو میدان تصانیف تالیف حاضر ہے کسی زمانے کے علماء کا ذہن میں رکھئے اور ان کی تصانیف میں تلاش کیجئے کہ کس کا احتساب امام صاحب کی طرف زیادہ کیا جا رہا ہے؟ اور کیا جس کتاب کا احتساب امام صاحب کی طرف کم ہو گا تو محققین اس کا امام صاحب کی تصنیف ہونے سے انکار کر دیں گے؟ لیکن یہ اصول محققین کا طریقہ نہیں ہے اسی لئے علامہ کردری نے المناقب میں فرمایا:

وهذا ليس اصل من الاصول

یہ اصولی علماء کا اصول نہیں ہے کہ اس طریقہ سے کوئی کتاب کسی کی طرف منسوب یا نہ کیا جائے۔

چوتھا اعتراض:

ائمہ متاہلہ کے استدلال کا مسئلہ

فقہ اکبر کے امام متاہلہ کی تصنیف ہونے کا ان کا ذکر کرنے کے لئے سب سے اہم اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ بہت سارے طالبائے متاہلہ نے جس فقہ اکبر سے استدلال کیا ہے جو امام ابو مطیع کی روایت کر رہے ہیں اور اسی کا نام فقہ اکبر مرویہ ہے پس ان علماء کے استدلال کی وجہ سے یہ کتاب امام اعظم کی تصنیف ہے، جبکہ امام حماد بن ابو حنیفہ والی فقہ اکبر سے کسی حنبلی عالم نے استدلال نہیں کیا لہذا وہ فقہ اکبر امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے۔

اس اعتراض کے تمام جزاء کی تفصیل یوں ہے:

پہلا جزء:

یہ کہ امام ابن تیمیہ نے فدا کبر کی ایک مہارت نقل کرنے کے بعد یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ فدا کبر کی مہارت ہے، لہذا جس فدا کبر میں وہ مہارت پائی جائے وہ امام صاحب کی تصنیف ہے جس میں وہ مہارت نہ پائی جائے وہ حضرت امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے۔

دوسرا جزء:

یہ ہے کہ بعض علمائے حنبلیہ نے امام اعظم کی فدا کبر میں سے اللہ تعالیٰ کے استوائے عرش کا مسئلہ نقل کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے کہ جس فدا کبر میں یہ مسئلہ موجود ہے وہ امام صاحب کی تصنیف ہے اور جس میں یہ مسئلہ نہیں ہے وہ امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے؟ اس جزء کے دو پہلو ہیں:

ایک پہلو: یہ کہ اس مسئلہ کے ایک نسخے میں موجود ہونے سے وہ امام صاحب کا مصنف نہ قرار پائے۔

دوسرا پہلو: یہ ہے کہ اس مہارت کی عدم دستیابی کی وجہ سے فدا کبر کا نسخہ امام صاحب کی تصنیف ہونے سے مردود ٹھہرا جائے؟

الجواب: پھر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے علمائے حنبلیہ کی مہارت کو دیکھا جاتا اور اس کے بعد ان کا حاکم کیا جاتا کہ ان میں سے کون سی مہارت ثابت ہوتی ہے اور کون سی بات ثابت نہیں ہوتی، لہذا جن علمائے حنبلیہ نے اس مہارت سے استدلال کیا ہے ان کی تفصیل حسب ذیل بیان کی جاتی ہے۔

☆ ابن قداما المقدسی (۶۲۰ھ) کا موقف:

موفق الدین ابن قداما مقدسی فدا کبر کے بارے میں فرماتے ہیں:

”یہ بات امام ابو حنیفہ سے مجھے پہنچی ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب فدا کبر میں فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کے آسمان میں ہونے کا انکار کرتا ہے تو وہ کافر ہے“ (ادب المفرد: ۱۶۸)

☆ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) کا فدا کبر کے بارے میں موقف

ایسے تو طوائف متاثرہ میں بہت سے ایسے افراد گزرے ہیں جنہوں نے فہرہ اکبرہ سے استدلال کیا ہے لیکن ان میں امام ابن تیمیہ سب سے معروف اور محاطے میں دوسروں سے مقدم ہیں:

(۱) ابن تیمیہ اپنی کتاب منہاج السنہ میں فرماتے ہیں بلاشبہ امام ابو حنیفہ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے تقدیر کا علم اپنے سے مقدم لوگوں سے حاصل کیا تھا اور ان کے ساتھ اتفاق بھی کیا تھا، اور ان کے ماننے والوں نے اسی روایت کو قائم بھی رکھا تھا، اور قدوسیہ کے بارے جو فہرہ اکبرہ میں انہوں نے رائے دی ہے وہ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں ہے اور انہوں نے اپنی اس کتاب میں جس انداز میں مسئلہ تقدیر کو ثابت کیا ہے اس کا کوئی اور ثابت نہیں کر سکا ہے۔ (منہاج السنہ: ۳/۱۶۳۹، رد المحتار: ۱۸/۱۸۲)

(۲) اپنی ایک اور تصنیف رد المعارض میں اہل عقل والوں میں فرماتے ہیں: ”ابو حنیفہ اپنی اس کتاب فہرہ اکبرہ میں فرماتے ہیں جو ان کے ماننے والوں میں بہت معروف ہے اور وہ کتاب با اہم سندوں کے ساتھ ابو مطیع حکم بن عبد اللہ بخاری نے روایت کی ہے۔“ (رد المعارض میں اہل عقل: ۶۲/۶۳)

(۳) اپنی تصنیف فتاویٰ حویہ کبریٰ میں فرماتے ہیں: فہرہ اکبرہ نامی کتاب میں جو ابو مطیع نے روایت کی ہے اور وہ امام ابو حنیفہ کے علاوہ میں بہت معروف ہے اور یہ کتاب اپنی اسناد کے ذریعے ابو مطیع حکم بن عبد اللہ بخاری تک پہنچتی ہے، اس میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ سے فہرہ اکبرہ کے بارے میں پوچھا؟ (مجموعہ فتاویٰ: ۵۱/۴۶)

(۴) ایک مقام جو عبد المعز حمیدی کی نظر سے نہیں گزری لیکن ابن تیمیہ فرماتے ہیں: امام ابن تیمیہ کا دعویٰ ہے جو انہوں نے ”استوی علی العرش“ کا اثبات کرتے ہوئے اپنے ایک رسالے میں کیا ہے اور وہ رسالہ انہوں نے خاص طور پر مسئلہ استوی پر تصنیف کیا ہے۔ آپ اس میں فرماتے ہیں کہ:

فقہ اکبر میں ابو مطیع سے روایت کیا گیا کہ:

”من لم يقرب من الله على العرش فقد كفر ، لان الله يقول ” الر
حمن على العرش استوى “ و عرشه فوق سبع سموات فقلت:
انه يقول ” على العرش استوى “ ولكن لا يدرك العرش في
السماء ام على الارض ؟ فقال : اذا الكبر انه في السماء فقد
كفر

جو شخص اس بات کا اقرار نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں وہ کافر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا
قرآن ہے ﴿ الرحمن علی العرش استوی ﴾ اللہ اپنے عرش پر مستوی ہو گئے اور اس کا عرش
سماوات آسمانوں کے اوپر ہے میں نے پوچھا کہ اگر کوئی کہے کہ وہ عرش مستوی ہو گیا لیکن وہ
یہ نہیں جانتا کہ عرش آسمان کے اوپر ہے یا زمین کے اوپر؟ امام صاحب نے جواب دیا جب
آسمان پر ہونے کا اس نے ان کا رکھا تو وہ کافر ہو گیا۔ (فتاویٰ کی جلد: ۵)

اور میں مذکور یہ عبارت:

”من لم يقرب من الله على العرش فقد كفر

صرف امام ابو مطیعؒ جلی دہلی فقہ اکبر میں مذکور ہے، یہ عبارت ملاحی قاری والے نسخہ میں
موجود ہے، لہذا ابو مطیعؒ والا نسخہ امام ابو حنیفہؒ کا ہے اور ملاحی قاری والا نسخہ امام صاحب کی
تصنیف نہیں ہے؟ یہاں مدعی کا یہ دعویٰ نہیں کہ فقہ اکبر امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے بلکہ
ابو حنیفہؒ کے امام صاحب کی تصنیف ہونے کا دعویٰ ہے چونکہ اس عبارت سے امام ابن تیمیہؒ کا
مذہب عقیدہ ثابت ہوتا تھا لہذا اس کو استدلال بنا کر امام صاحب کی تصنیف مان لیا ہے۔

اس دعویٰ کے بعد دعویٰ صورتیں باقی رہ جاتی ہیں:

۱۔ صورت: یہ ہے کہ کیا امام صاحب اور ابن تیمیہؒ کا اس مسئلہ میں ایک ہی عقیدہ ہے اس
مسلک میں کئی ائمہ کرام ہیں جنہوں نے امام صاحب کے متعلق یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش
پر نہ رہتے ہیں بلکہ اس بات سے دو یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ائمہ مان رہے ہیں اور

اشعر یہ نے جو انکر حجاب سے اختلافات کیے ہیں ان میں ایک اہم ترین مسئلہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر بیٹھے ہوئے ہونے کا ہے اور عرش ساتویں آسمان سے اوپر ہے۔

اسی مناہر امام بزدوی نے اپنی کتاب اصول الدین میں حجاب کو مجسمہ فرقہ میں ذکر کیا ہے یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے تجسیم کے قائل ہیں اس لحاظ سے دیکھا جائے گا کہ امام صاحب سے یہ بات نقل کرنا کہیں تک درست ہے اور اگر نقل کر بھی لیا جائے تو اس کا حقیقی مفہیم کیا ہوگا اس بات کی توضیح کے لئے مندرجہ ذیل نکات قائل توجہ ہیں۔

(اول): یہ کہ امام صاحب سے حجاب کا اس مسئلہ میں اختلاف تھا حجاب اس بارے میں اللہ تعالیٰ کے عرش کے استوئی کے قائل ہیں جب کہ حضرت امام صاحب کی فقہیت میں یہ عبارت ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کی نسبت اوپر کی طرف اعلیٰ ہونے کی وجہ سے کرتے ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ جہت کو متعین کرنے کی وجہ سے، اور سب اعلیٰ مقام اللہ تعالیٰ کا عرش ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نسبت اس کی طرف کی جاتی ہے نہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ کسی جہت میں محدود ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر کرسی میں محیط ہیں، بلکہ نہ ہی کرسی ذات باری کی لحاظ ہے۔ اس لئے کہ ذات باری کو محیط کرسی یا محدود بالعرش کرنے سے پیغمبر ذات باری تعالیٰ میں کسر شان لازم آتی ہے اور یہ دائے ہرگز ہرگز امام صاحب کی نہ ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔

(دوم): رہا یہ سوال کہ امام صاحب نے ایک رسالہ لکھا جس کا عنوان ہے ﴿عند علی العرش﴾ یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر ہیں اس عنوان کو تسلیم کر لئے جانے کے بعد یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ امام معظم رحمۃ تعالیٰ کے عرش پر محدود ہونے کے قائل ہیں۔

(سوم): امام ابن تیمیہ کا یہ استدلال کرنا کہ وہ فقہ اکبر امام صاحب کی کتاب ہے۔ جس میں استوئی علی العرش کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے۔ امام ابن تیمیہ کی غرض بذات خود اپنا مدعی ثابت کرنا ہے نہ کہ فقہ اکبر کو امام صاحب کی تصنیف ثابت کرنا، اور اس بحث میں سارا زور اس بات پر ہے کہ اگر یہ کتاب امام صاحب کی تصنیف ثابت ہو جائے تو ہمارا دعویٰ خود بخود ثابت ہو جائے گا، اور نہ متاخرین حجاب نے اس کتاب کی اسناد پر بحث و جرح کرنے کے

بعد اس کو امام صاحب کی تصنیف سامنے سے ان کا رد کیا ہے۔

(چہارم): ایک زمانہ میں یہ رواج رہا ہے کہ کوئی بھی فرقہ اپنے آپ کو حضرت امام صاحب کا ہم مسلک ثابت کرنے کے لیے ان کے عقائد کو رد و مؤخر کر چکا کرتا تھا، حتیٰ کہ قدربیان کو اپنا ہمنوا بنا کر پیش کرتے تھے، مرجعہ اپنا ہم خیال ظاہر کرتے تھے، اور جبریہ ان کو اپنا ہمنوا و ہم خیال جانتے تھے۔ اور شیعوں نے حضرات بھی اس میدان میں طبع آزمائی کرنے میں کسی سے پیچھے نہیں رہے ہیں۔ تو بھلا حوالہ کسی سے کیسے پیچھے رو سکتے تھے۔

اس سلسلے میں ہمارا بڑا اسادہ سا جواب ہے۔ کہ کوئی شخص اپنے عقائد ثابت کرنے کی غرض سے ایک نظریہ پیش کرے تو ہم اس بات کو ماننے کے لیے ہر وقت و ہر بہت تیار رہتے ہیں۔ لیکن امام صاحب کے عقائد کو کوئی نیا رخ دے یا ان کو نئے انداز میں پیش کرے یہ کسی صورت کا عمل قبول نہیں ہو سکتا۔

لہذا ابن تیمیہ کا دعویٰ اس قدر تو درست ہے کہ یہ امام صاحب کی تصنیف ہے مگر اس سے اپنے مسئلہ استوی علی العرش کا استدلال کسی طور پر ثابت نہیں ہوتا پھر جبکہ ابن تیمیہ نے مسئلہ استوی علی العرش میں باقاعدہ ایک رسالہ لکھا ہے اور اس میں تو آسمان کے دو عرش و کرسی کہ سن جملہ آسمانوں کے شمار کیا ہے۔

(۵) اپنی کتاب الحویہ میں ایک مقام پر استدلال کرتے ہیں جس کی عربی

مجاہد یوں ہے:

الشفہ الاکبر المشہور عند اصحاب ابی حنیفۃ المذی رواہ
بالاسناد عن ابن مطیع المحکم بن عبد اللہ البلیخی ، قال سالت
ابا حنیفۃ عن الشفہ الاکبر ؟ فقال : لا تکفرون احدا بدنب ، ولا
تلف احدا به من الایمان ، وتامر بالمعروف ونہی عن المنکر ،
و تعلم ان ما اصابک لم یکن لیمضیک وما اعطناک لم یکن
لیسبیک ، ولا نعبر عن احدا من اصحاب رسول اللہ ، ولا نوال

احمداً دون احد۔ وان ترد امر عثمان و علی الى الله عز و حل

(مجموعہ فتاویٰ اکبر) ۱

ترجمہ: امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں جو فتوہ اکبر مشہور ہے یہ وہی فتوہ اکبر ہے جس کو ابو مطیع مٹھی نے اپنی سند سے روایت کیا ہے، اور اس میں وہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہ سے فتوہ اکبر کے بارے میں سوال کیا تو جواب میں امام صاحب نے فرمایا: فتوہ اکبر یہ ہے کہ تو

”گناہوں کی وجہ سے کسی کو کافر نہ کہے اور کسی کو ایمان سے خارج نہ کرے، اور امر معروف اور نہی منکر کو اپنا شعار بنائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا، اور جو اس کی طرف سے نہیں ملے والا اس کو کوئی دے نہیں سکتا، اصحاب رسول میں سے کسی سے تمراء نہیں کرتے اور نہ ہی کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں اور مشاجرات حضرت عثمان اور حضرت علیؓ کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں۔

وضاحت: امام ابن تیمیہ نے جو امام اعظم کی فتوہ اکبر کے یا ان کے حاکم کے بارے میں رائے بیان فرماتے ہوئے استدلال کیا ہے، ان سب مہارت کو جمع کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ فتوہ اکبر کے دونوں نسخوں کو حضرت امام اعظم کی تصانیف مانتے ہیں کیونکہ منہاج السنہ میں مسئلہ تقدیر پر بحث کرتے ہوئے انہوں جس انداز سے استدلال کیا ہے، اور قدر یہ پر امام اعظم کی طرف سے رد کرنا ثابت کیا ہے، وہ مہارت امام اعظم کی امام حماد والی فتوہ اکبر میں ہے امام ابو مطیع مٹھی والے نسخے میں نہیں ہے اور اگر کسی صاحب کو شک ہو تو دونوں نسخے مطلوبہ شکل میں مل جاتے ہیں دلیل مدنی کے ذمے لازم ہے۔

حریہ یہ کہ: امام ابن تیمیہ بذات خود خطی حاکم کے حامل ہیں اس لئے ان کی بات کا ”وہجہ یا احادیث نہیں ہو سکتا جو کسی صاحب مسلک و مذہب کا ہو سکتا ہے کیونکہ ابن تیمیہ کئی مسائل میں حضرت امام صاحب سے اختلاف کرتے ہیں اور وہ مسائل متن فتوہ اکبر میں مذکور ہیں، جبکہ ابو مطیع والی فتوہ ہٹ یا فتوہ اکبر میں مذکور مسائل سے ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے اسی لئے کہ ان کے نزدیک یہ کتاب تو امام صاحب کی تصنیف ہو نا تسلیم ہے اور ان کی اسی بات کو بنیاد

ہے کہ بعض علمائے حنبلیہ ان کو امام صاحب کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔

اس جواب کا خلاصہ کلام یوں ہے:

ہمارے نزدیک میدان تحقیق میں امام ابن تیمیہ کی رائے کا مل جوت و قابل استدلال نہیں ہے اس کی متعدد وجوہات ہیں:

پہلی وجہ: ابن تیمیہ عقائد اور فقہ میں امام احمد بن حنبل کے مقلد ہیں اور اصول یہ ہے صاحب انبیت اور نبی ہما فیہ۔

دوسری وجہ: ابن تیمیہ نے اپنے اس دعوے میں دوسری فقہ اکبر کے امام اعظم کی تصنیف ہونے سے انکار نہیں کیا، لہذا ان کے اس دعویٰ کی بناء پر ہم کیسے ایک کتاب کی نفی اور دوسری کا اثبات کر سکتے ہیں۔

تیسری وجہ: ابن تیمیہ نے یہ دعویٰ امام صاحب کی تمام کتب کا احاطہ کرتے ہوئے نہیں کیا جسکی وجہ سے ان کی رائے کو ایک فقہ اکبر کے امام صاحب کے تصنیف ہونے اور دوسری فقہ اکبر کے تصنیف نہ ہونے پر استدلال کریں، وہاں ایسا ضرور ہے کہ ان کو یہ رسالہ ملا اسی کو جنہوں نے اپنے دعویٰ کی بنیاد بنائی۔

چوتھی وجہ: ابن تیمیہ نے مسئلہ استوی اللہ علی العرش کی وجہ سے خاص طور سے اس مسئلے سے استدلال کیا ہے اور حنبلیہ اسی مسئلے سے استنباط کرتے ہیں کہ جو استوی کے بارے میں ہماری رائے ہے جو ہی امام صاحب کی رائے ہے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک اس مسئلہ میں تاویل یا تفویض جائز ہے، لیکن تعین یا تجسیم جائز نہیں ہے، مابور طامہ یا ماضی اور طامہ زید الکوشی کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں بعض علمائے حنبلیہ تعین اور تجسیم کے قائل ہیں، وہی لئے طامہ الکوشی اشارات المرام کے صفحہ نمبر ۶ کے حاشیہ میں عبد اللہ انصاری ہروی کو اہل جمہور میں شمار کرتے ہیں۔

☆ علامہ ذہبی: ۷۸۸ھ العلو لعلی الغفار میں فرماتے ہیں

ابو مطیع علی جن کا نام حکم بن عبداللہ علی فقیہ مصنف فقہ اکبر جنہوں نے امام اعظم سے فقہ کا علم بھی حاصل کیا اور انہی سے روایت حدیث کی فرمائی ہے

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

”امام ابو مطیع علی جو فقہ اکبر کے راوی ہیں ان سے یہ بات ہمیں پہنچی ہے وہ فرماتے ہیں

کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا“ (العلول علی الطار: ۱۰۱)

☆ نیز امام الدین البانی نے جو مختصر الطوکی ہے اس میں بھی انہوں نے اس کتاب کو ابو

مطیع علی کی تصنیف بتایا ہے (مختصر الطو: ۱۳۶)

☆ ابن قیم جوزی ۷۵۱ھ فرماتے ہیں

ابن قیم نے اجتماع جیوش الاسلامیہ میں تین مختلف مقامات پر من و من وہی عبارات نقل

فرمائی ہیں جو ابن قیم میں اپنی کتب میں نقل کی ہیں اور ابن قیم نے تو حوالہ بھی ابن قیم کی

من عبارات کا دیا ہے جو ابو پر ابن قیم کے حوالے سے نقل کی ہیں اس لئے ہمارے دعوئی اپنی

جگہ پر ہی ثابت ہے کہ حنبلیہ نے صرف ایک مسئلہ نقل و نقل کیا ہے ورنہ اس کے علاوہ کوئی اور

بات ایسی نہیں جو حنبلیہ لال بن سکے۔

من کی ایک عبارت اجتماع جیوش الاسلامیہ ص: ۵۵ پر ہے۔ دوسری عبارت اجتماع جیوش

اسلامیہ ص: ۵۶ پر ہے اور تیسری عبارت بھی اسی کتاب کے صفحہ ۵۶ پر نقل کی گئی ہے

☆ عبدالقادر بن طاہر بغدادی

جو اصول الدین ص: ۳۰۸ کے مصنف ہیں الفرق بین الفرق ص: ۳۳۳ اپنی مذکورہ

دونوں کتابوں میں فقہ اکبر کو امام ابو مطیع والی ہے اس کو امام اعظم کی تصنیف بتاتے ہیں

☆ ابو بکر بن تیمی

تیمی نے بھی امام ابو مطیع علی کے ذریعے روایت کی گئی کتاب فقہ اکبر کو امام ابو حنیفہ کی

تصنیف قرار دیا ہے (اجماع جیوش: ۵۵، الامام والصفحات: ۳۲۶)

☆ ابو اسماعیل انصاری نے الفاروق میں

انہی مسائل کو جو ابن تیمیہ نے اپنی کتب میں نقل کئے ہیں بنیاد بنا کر امام ابو حنیفہ کی اسی فقہ اکبر کو جو ابو مطیع خلجی کی روایت کی ہے اس کو بنیاد بناتے ہوئے اس کو امام اعظم کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ نے اپنی کتب میں متعدد جگہ حضرت امام صاحب سے مہارت نقل کی ہیں جن میں اکثر جگہ وہ فقہ اکبر کا حوالہ دیتے ہوئے دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ امام اعظم کی رائے ہے، لیکن یہ تعین اس وقت تک ممکن نہیں ہو سکتی جب تک ان تمام مہارات کو ایک جگہ جمع کر کے موازنہ نہ کیا جائے اور اس کے بعد ہی کوئی حتمی رائے قائم کی جاسکتی ہے،

اسی لیے خاص طور سے اس نسخے کا متن کے ہاں تذکرہ کیا جاتا ہے ورنہ ابن تیمیہ کے ماننے والے خود حماد بن ابی حنیفہ والے نسخہ کی شرح ڈاکٹر محمد بن الغیس سے کروا کر وزارت شوقین اسلامیہ والا وقف ولید مولانا دارشاد سعودی عرب سے چھپوا کر حجاج کرام کو مفت تقسیم کروا رہے ہیں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ہر دور کے مائل علم کے درمیان معروف فقہ اکبر وہی ہے جس کو مشن فقہ اکبر کہا گیا ہے اسی لیے تو کثیر ائمہ نے اس کی شروحات لکھی ہیں اور اسی سے استدلالا ت کیے ہیں، اور اسی پر بنیاد رکھتے ہوئے امام بزدوی کی کتاب اصول الدین، امام ابو بکر کلاباذی کی کتاب اشرف المصابیح، امام طحاوی کی کتاب بیان السنۃ جو عقیدہ طحاویہ کے نظام سے مشہور ہے، اور محی الدین بن محمد ابن بہاء الدین الترمذی ۹۵۱ھ نے شرح للفقہ اکبر لکھی اور مولیٰ اسحاق نے شرح للفقہ اکبر لکھی ہے۔ (مستشرقین اصحابیہ طاہرہ زبدہ)

اور علامہ نصیر الدین چٹاکی نے فتاویٰ برہنہ میں متعدد جگہ امام حماد دہلی فقہ اکبر کو امام صاحب کی تصنیف مانتے ہوئے استدلال کرتے ہیں، اور امام ابراہیم بن حسان نے محکوم فقہ میں شرح لکھی ہے۔

اور فقہ اکبر مرویہ یا فقہ ابسط کی جن احباب نے تخریجات کی ہیں وہ مکمل شروحات نہیں بن سکیں گے، لہذا امام ابن تیمیہ کی بات کو بنیاد بنا کر ایک فقہ اکبر کو امام صاحب

کی تصنیف ماننا دوسری کارکردہ کسی طرح جائز نہیں ہے۔

(۲): اور اس باب میں بعض علماء نے کچھ عبارات کی عدم دستیابی کو بنیاد بنا کر ملا علی قاری والے نسخے کو امام صاحب کی تصنیف ہونے سے منکر کیا ہے، اس سے مسئلہ میں ہن کی مراد خاص طور سے یہی مسئلہ ہے جو مسئلہ استواء باری تعالیٰ ہے۔

پہلی بات: اگر اس عبارت کی عدم دستیابی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کتاب امام صاحب تصنیف کی نہیں تو کئی نسخے اسی کتاب کے جو امام صاحب سے ابو مطیع نقلی اور ان سے آگے مختلف راویوں نے روایت نقل کی ہیں ہن میں بھی یہ عبارت موجود نہیں ہے مثال کے طور پر وہ نسخہ جو مجلس علمی کراچی سے طبع ہوا ہے اور قاضی عبید اللہ طوی نے اس کے حواشی اور مفتی محمد عینی نے اس پر مقدمہ لکھا ہے اس میں یہ عبارت نہیں ہے لہذا جس طرح اس نسخے کا عبارت کی عدم دستیابی کی وجہ سے امام صاحب کی تصنیف ہونے سے انکار کیا جاتا ہے اسی بناء پر اس کا بھی انکار کرنا چاہئے

دوسری بات: امام صاحب کے زمانے میں علم حقاہ کیلئے کوئی مخصوص مہنت تھا اس لئے جس نے اس دور میں علم حقاہ کے موضوع پر لکھا اس نے اسکا نام فقہ اکبر رکھ دیا اور ممکن ہے کہ اس نام کی کوئی کتاب اور بھی دریافت ہو جائے یا کسی کتاب کے متعدد نسخے مل جائیں اس لئے یہ مسئلہ اتنی پریشانی والا نہیں ہے اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ہی موضوع پر مختلف تصانیف ہوں اور ممکن ہے کہ ایک مسئلہ ابو مطیع کے ہاں ہو اور کسی دوسرے نے اس کو نقل نہ کیا ہو۔

یا ان باتوں کو جواب یوں بھی ہو سکتا ہے:

پہلی بات یہ ہے کہ جو عبارت امام ابن تیمیہ نے نقل کی ہے اس کا مفہیم دیکھ لیا جائے تو مسئلہ کافی حد تک صاف ہو جائے گا اور وہ عبارت یوں ہے:

امام ابو مطیع رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام صاحب سے فقہ اکبر کے بارے میں

پوچھا:

قال سألنا أبا حنيفة عن الفقه الاكبر ؟

اس عبارت میں دیکھنے والی بات یہ ہے کہ اس عبارت میں فقہ اکبر سے مراد کیا ہے؟
(۱) یا تو اس سے مراد فقہ اکبر کا لٹن ہے جس سے مراد اس زمانے میں علم اھلکھاند لیا

جاتا تھا

(۲) یا اس سے فقہ اکبر نام کی کتاب ہے جو حضرت امام صاحب کی تصنیف شدہ تھی
(۳) یا مذکورہ دونوں باتیں مراد ہیں اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ میں علم
مکھاند کی کتاب فقہ اکبر کے بارے میں اسی موضوع کی مزید وضاحت کی غرض سے بعض
باتیں دریافت کیں جن کو بعد میں کتابی شکل دے کر ایک نئی کتاب بنادی اور یہی بات صحیح
مکن اور قرین قیاس ہے، گو یا امام ابو مطیع لینی اس عبارت میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ:

قال ابو مطیع: قرأت الفقه الاکبر، و سالت ابا حنیفۃ عن مآلہ
امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ: میں نے کتاب فقہ اکبر پڑھنے کے بعد علم فقہ اکبر یعنی علم
مکھاند کی مزید وضاحت چاہتے ہوئے امام ابو حنیفہ سے پوچھا؟

اس طرح ساری بات واضح ہو جائے گی اور کوئی تعارض باقی نہیں رہے گا۔
تیسری بات: چونکہ امام ابو مطیع لینی نے اپنی کتاب کا کوئی نام تجویز نہ فرمایا تھا اور یہی سلف
کا طریقہ کار تھا اور بعد والے احباب نے ان کے نام تجویز کیے جیسے کہ پہلے واضح کر دیا گیا
ہے اب بعد والے احباب نے یا تو موضوع کی مناسبت سے اس کا نام فقہ اکبر رکھ دیا اور بعض
نے فقہ اکبر کی بجائے چونکہ یہ بات اس نام کی کتاب امام صاحب سے پہلے متحول تھی جس
کے راوی حماد بن ابی حنیفہ تھے لہذا تھوڑا فرق کرتے ہوئے اس کا نام فقہ اوسط تجویز فرمادیا،
اور یا اس کتاب کے ابتدا میں فقہ اکبر کا نام دیکھ کر اس کتاب کا نام بھی فقہ اکبر سمجھ لیا لیکن یہ
آخری بات انتہائی سلی ہے۔

آخری بات: دوسرے ائمہ حنابلہ نے بھی چونکہ نقل در نقل کے طور پر اس عبارت سے
استفادہ کیا ہے لہذا امید ان تحقیق میں یہ کوئی ایسا سلی اضافہ نہیں کہ اس کو بہت بڑی تحقیق شمار
کیا جاسکتا ہو ورنہ ان میں سے بعض حضرات نے تو سرے سے امام صاحب کی تصنیف

تھرا کبر وابط ————— ۱۷۸

ہونے سے بھی ان کا رکیا ہے لہذا اس کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ فلاں فلاں امام بھی اس بات کا قائل ہیں (جیسا کہ حضرت مفتی عزیز الرحمن نے ارشاد فرمایا ہے) درست نہیں ہے
نوٹ: اسی تحقیق کے دوران انٹرنیٹ سے بھی جب سرچ کی گئی تو وہاں ایک بڑا مفصل مقالہ دریافت ہوا جس کا اصل موضوع ہے

کہ امام ابو حنیفہ کی فقہ اکبر کون سی ہے آیا وہ جس کو ابو مطیع بلخی نے روایت کیا ہے یا وہ جس کو امام حماد نے روایت کیا ہے اس سلسلے میں اس مقالہ نگار کا سارا زور اس بات پر ہے کہ چونکہ دونوں نسخوں میں روایت کرنے والے مادی مجروح ہیں لہذا ان سے اس بات پر استدلال کرنا کہ وہ امام اعظم کے عقائد کا مجموعہ ہیں کسی طور بھی صحیح نہیں ہے باقی اس میں موجود اہم باتوں کو یہاں نقل کر دیا ہے اور بعض باتوں جو قائل روحمیں ان کو پہلے ہی روکیا جا چکا تھا، اور حاکم کی تائید میں انہوں نے جو راستہ اختیار کیا تھا وہ بھی نقل ازیں واضح کر دیا گیا ہے

اب کوئی خاص بات ایسی نہیں جس کو یہاں پیش کیا جاسکے

واللہ الحمد لہدرب کما ینہی لجلالک

پانچواں اعتراض:

مسئلہ عبارات کی عدم دستیابی

علامہ قزوینی نے ارشاد فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اکبر میں ارشاد فرماتے ہیں۔
 ان اہا حنیفۃ سئل : ما تقول فی الخوارج المحکمۃ ؟
 فقال : ہم اخبث الخوارج !
 قال ابو مطیع قلت تکفر ہم ؟
 قال لا ولكن نقاتلہم علی ما لقلہم الا نمتہ من اهل البیتر علی
 بن ابی طالب و عمر بن عبد العزیز "

(مجموعہ فقہ اکبر، ۱۳۳)

”امام ابو حنیفہؒ سے سوال کیا گیا کہ خوارج مکہ کے بارے میں کیا رائے ہے تو آپ
 نے جواب دیا: یہ خوارج کی بدترین قسم ہیں۔

تو پوچھا گیا: کیا ان کو کافر کہا جائے گا یا نہیں؟ تو جواب دیا کہ فرض نہیں کہا جائے گا۔
 لیکن چونکہ وہ انتر حق حضرت علیؑ اور عمر بن عبد العزیزؓ سے قتال کرتے تھے لہذا ان کے
 ساتھ قتال کیا جائے گا“

یہ عبارت بھی ابو مطیع والے نسخے میں ہے، دوسرے نسخے یعنی حماد بن ابی حنیفہ والے نسخے
 میں موجود نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام صاحبؒ کی فقہ اکبر کا اصل نسخہ ابو مطیعؒ لکھی والا ہے نہ کہ حاکم
 قاری والا ؟

واقعی یہ بات صحیح ہے اور مذکورہ عبارت فقہ اکبر مرویہ ابو مطیعؒ میں موجود ہے لیکن فقہ

اکبر مرد یہ امام حماد بن ابی حنیفہ میں موجود نہیں ہے۔ اس میں ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ یہ دونوں نسخے امام ابی حنیفہ کی تصانیف ہیں، ایک کی روایت ابو مطیع اور دوسرے کی روایت حماد بن امام اعظم نے امام اعظم سے کی ہے البتہ دونوں کا موضوع جوا ہے ایک کا موضوع علم حقاہ اور دوسرے کا موضوع علم کلام ہے، ہم ان دونوں میں سے کسی ایک کا رد کرتے ہوئے دوسرے کو قبول کرنے کے دعوے دار نہیں ہیں، نیز ہم تو اس بات کے بھی قائل ہیں کہ امام صاحب سے ان کی مذکورہ کتب کے متعدد نسخے محفوظ ہیں جیسے فقہ اکبر از امام حماد والی کتاب میں والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ میں ہم آئندہ مسئلے میں وضاحت کریں گے، اسی طرح فقہ اہل میں متعدد نسخوں سے مہارت کا فرق ہمارے طبع شدہ نسخے میں فرق بیان کیا گیا ہے اور ہماری تحقیق سے طبع شدہ نسخہ ملاحظہ فرمایا جاسکتا ہے، اسی طرح مجلس علمی کراچی سے طبع شدہ فقہ اکبر و اہل ابو مطیع ملحق والے نسخے میں مسئلہ استوی علی العرش بیان نہیں کیا گیا البتہ حاشیے میں نقل کیا گیا ہے۔

جہاں تک مسئلہ اہل خوارج کا ہے۔ تو یہ فرق حضرت امام صاحب کے زمانہ میں بڑے زوروں پر تھا مگر سوال یہ کہ ایک نسخے میں اس کا ذکر ہونا اور دوسرے میں اس کا تذکرہ نہ ہونا، اس سے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب امام صاحب کی ہے اور وہ نہیں؟

جبکہ امام صاحب کے زمانہ میں اور بے شمار فرق تھے جن سے امام صاحب کے مناظرے ہوئے اور انہوں نے حضرت امام صاحب کو نقل کرنے تک کے پروگرام بنائے، اور ان کا تذکرہ تک امام صاحب نے اپنی اس کتاب میں نہیں کیا تو کیا اس کے بارے میں یہ رائے رکھی جائے گی کہ جس کتاب میں ان کا تذکرہ ہے وہ تو امام صاحب کی تصنیف ہے لیکن دوسری کتاب جو اس کے علاوہ ہے وہ امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے، یہ تو ایسا اصول ہے کہ جس قاری کی نظر سے وہ مہارت گزری ہے اسی کو امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا اور اسی مہارت کو جو ان کی نظر میں تھی اس کو دلیل بنادیا ہے جب کہ یہ اصول نہ تھا اور نہ تھا قابل اعتناء ہے کیونکہ ایک بات کا میرے علم میں ہونا اس کے وجود کی دلیل نہیں اور

میرے علم میں نہ ہوا اس کے عدم کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ حقائق تو اپنی جگہ حقائق ہوتے ہیں دیکھا یہ جاتا ہے کہ مدعی نے آیا یہ نسخہ دیکھا ہے اور اس کی نوعیت بیان کیا ہے، یا اپنے طور پر ایک نسخہ دیکھا اس میں ایک بات دیکھی اور اسی بات کو دعویٰ کی دلیل بنادیا؟
علم عقائد میں امام اعظم کی کتب کی نوعیت:

دیکھا جائے تو فقہ اکبر میں حضرت امام صاحب صرف دعویٰ کرتے ہیں جس کے ساتھ دلیل کبھی ذکر نہیں فرماتے، پوری کی پوری کتاب موجود کا مجموعہ ہے اب فقہ اہل نظر ڈالی جائے تو وہ دلائل کا مجموعہ ہے اسی طرح العالم والاعظم بھی دلائل کا مجموعہ ہے اب ان دونوں میں فرق یہ ہے فقہ اہل میں مومنا نقلی دلائل ذکر کیے گئے ہیں کبھی قرآن سے کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے، اور العالم والاعظم میں جو دلائل ذکر کیے گئے ہیں وہ بالعموم عقلی نوعیت کے ہیں، مگر یہ بھی میرا دعویٰ ہے کہ جو اس کتاب پر مشتمل ہے وہ نہ بعض اوقات فقہ اہل میں عقلی اور العالم والاعظم میں نقلی دلائل بھی ذکر کر دیتے ہیں اس لحاظ سے دیکھا جائے تو فقہ اکبر امام صاحب کی وہ کتاب ہے جو صرف دعاوی پر مشتمل ہے۔ اور اس میں امام صاحب نے عقائد اہل السنۃ والجماعہ کو اجماعاً بلا تذکرہ دلیل ذکر کر دیا ہے۔ اسی کتاب کو جب امام صاحب کے شاگردوں نے دوران تعلیم مطالعہ کیا تو ذہنوں میں سوال و جواب پیدا ہوئے تاکہ اس بات کو سمجھا جاسکے اور ان سوال و جواب کو بعض علماء نے محفوظ کر لیا، اور بعض نے محفوظ نہ کیا۔

ہمارے پاس جو سوال و جواب کی صورت میں محفوظ کلام ہے وہ یا تو فقہ اہل اور یا العالم والاعظم کی شکل میں ہے اور کچھ کام ہے جو تاریخ کی کتب میں بکھرا ہوا ہے اور اس کام کی نوعیت یہ ہے کہ کوئی آدمی امام صاحب کی مجلس میں آتا ہے اور تھوڑی دیر بیٹھ کر کوئی بات سنتا اور چلا جاتا اور بعد میں کسی کے سامنے بیان کر دیتا ہے اور اس کا یہ بیان تاریخ کی کتب میں محفوظ ہو گیا اور تاریخ کا حصہ بن گیا مگر فقہ اکبر میں اول سے آخر تک جنہوں نے امام صاحب سے علم حاصل کیا اور اس کو کھلا وہ کلی احباب تھے مگر جن کا حکام مجموعہ کی شکل میں ہم تک پہنچا وہ

صرف دو حضرات ہیں ایک امام ابو مطیعؒ مکی اور دوسرے امام ابو قتادہؒ سر قندی ہیں، اور ایک کی کتاب فقہ اوسط ہے اس کو فقہ اکبر مرد یہ بھی کہا جاتا ہے اور دوسری کتاب العالم والمصلح ہے اور اس ساری تفصیل کو بہترین اجمالی اعزاز میں امام یزدونی نے اپنی کتاب اصول الدین کے مقدمہ میں ان الفاظ سے تحریر فرمایا ہے:

وكان يعلم اصحابه في الابتداء . وقد صنف فيها كتباً وقع بعضها
الينا . وجمعها معاً وغلها اهل البدع والزيغ

(اصول الدین ۴)

یعنی ابتداء میں امام صاحب اپنے شاگردوں کو علم کلام سکھایا کرتے تھے اور علم کلام میں متحد کتب بھی تصنیف فرمائی ہیں بعض تو ہم تک پہنچ گئی ہیں اور امام صاحب کی عام کتب اہل بدعت اور مکرہ لوگوں نے پانی میں دھو کر مٹا دیں اور یہیں وہ ضائع ہو گئی ہیں۔

اور اگر ابو مطیعؒ نے یا ابو قتادہؒ نے امام صاحب سے سوال و جواب کر کے ان کو تحریر کیا ہو تو وہ کتاب اسی امام کی بھی جائے گی جس کا وہ کلام ہے اور اہل علم کی اصلاح میں اس کو امالی کا نام دیا جاتا ہے:

یہ طریقہ تعلیم تو آج تک بھی سکول و کالج اور مدرس اسلامیہ میں رائج ہے؛ اور اسی طرح حضرت امام صاحب کے امالی مرحب کئے گئے تھے؛ اس سلسلے میں سب سے زیادہ دھوکہ جس مہارت سے ہوا وہ فقہ الاوسط کی عبارت ہے جس میں امام ابو مطیعؒ مکی فرماتے ہیں:

سألت الماحيصة لعثمان بن الطائت عن الفقه الاكبر فقال.....

میں نے امام اعظم ابو حنیفہؒ سے فقہ اکبر کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے

جواب دیا.....

چونکہ یہ ایک جمل سوال ہے اس لئے کہ فقہ اکبر متحدہ متون میں استعمال ہوتا ہے اس لئے اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو فقہ اکبر کے بارے میں دریافت کرنا کئی متون میں ہو سکتا

ہے۔

- (۱) یہ کہ فدا کبر کس علم کو کہا جاتا ہے؟
 (۲) یہ کہ فدا کبر جو آپ کی اضعیف ہے وہ کیا ہے؟
 (۳) یہ کہ میں فدا کبر مطالعہ کرتے ہوئے میرے ذہن میں جو سوالات پیدا ہوئے ان کے بارے میں میں نے امام صاحب سے پوچھا؟
 سوال اول پر امام صاحب کا اسی قدر کہہ دینا کافی تھا ایمانیات کی بنیادی باتیں ماننی جائیں اور اس کی تفصیل جس طرح فدا کبر میں ہے کہ:

اصل التوحید وما یصح الاعتقاد علیہ یجب ان یقول : آمنت
 باللہ وملائکتہ وکتابہ ورسلہ والبعث بعد الموت والقلوب خیرہ
 وخیرہ من اللہ تعالیٰ والحساب والمیزان والجنة والنار حق
 کلام

اصل توحید اور وہ چیز جس کی وجہ سے آدمی کے اعتقادات کے صحیح ہونے کا پتہ چلتا ہے وہ یہ کہ آدمی پر واجب ہے کہ کہے میں ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر، اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی طرف سے نازل شدہ کتابوں پر، اور اس کے تمام رسولوں پر، اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے پر، اچھی اور بری تقدیر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے پر، اور انسانوں کے اعمال کے حساب پر، اور اعمال کے تولے جانے والے میزان پر، اور جنت اور جہنم پر، یہ کہ یہ سب یکم حق اور سچی ہے:

جبکہ فدا ابط میں فرمایا کہ:

لانکفر احدا بذلیہ ، ولانفی احدا من الایمان ؛ وان لامر بالمعروف وتنہی عن المنکر ؛ وتعلم ان ما احببک لم یکن لیحطنک ، وان ما اخطنک لم یکن لیحبک ؛ ولانفرء من اصحاب رسول اللہ ورضی عنہم ، ولانوال احدا دون احدا ؛ وان ترد امر علمان وعلی الی اللہ وهو عالم السر والخصیات

ہم کسی شخص کی اس کے ساتھ ہوں کی کثرت کی وجہ سے تکفیر نہیں کرتے: اور نہ کسی کے ایمان کے اس سے لٹی کرتے ہیں اور اچھائی کا حکم اور برائی سے روکنا: اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جو کچھ ملتا مقدر میں ہے وہ مل کر رہتا ہے اور جو ملتا مقدر میں نہیں ہے وہ کوئی حاصل نہیں کر سکتا: اور اصحاب رسول میں سے ہم کسی سے برائت کا اعلان نہیں کرتے: اور نہ کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت دیتے ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاملہ ہم اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں کیونکہ وہ ذات ہے جو سارے چھپے راز اور غلی مجید جانتی ہے۔

فیصلہ قارئین خود کر سکتے ہیں کہ ایمانیات کا بنیادی تعارف کس صورت میں صحیح اور بہتر انداز میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اور دوسرے سوال کو سامنے رکھتے ہوئے سائل پوچھ رہا ہے آپ کی تصنیف فقہ اکبر کی نوعیت کیا ہے یا وہ کون سی ہے؟ جواب میں اگر اس کا نام یا مضامین کا خلاصہ پیش کر دیا گیا تو کافی قضا کر دی تصنیف میں جا بجا سوال کرتے چلے جانا اور امام صاحب کا تفصیل سے اسکا جواب طلبیت فرمانا کسی اور بات کی نشان دہی کرتا ہے:

اور وہ بات یہی ہے جو ہمارا مدعا ہے کہ اصل کتاب کی غوامہ کی کے دوران پیدا ہونے والے تصحیحات یا سوالات کے بارے میں امام صاحب سے جب دریافت کیا گیا تو امام صاحب کی طرف سے اس کے جوابات ملے: اور ان کو جب تحریر میں لایا گیا تو ایک امالی کی شکل اختیار کر گئی اور اسی کا نام فقہ صط ہے۔

اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے: فقہ اکبر کے بعض مضامین ہیں جن کی تفصیل فقہ صط میں ہے اور اگر دونوں کتابوں کو سامنے رکھ کر پڑھا جائے تو یہیں ملتا ہے فقہ صط امالی اور نوٹس ہیں فقہ اکبر پر اور فقہ اکبر متن ہے فقہ صط کے لئے اور یہی بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے: واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ:

امام صاحب نے ایک رسالہ علم فقہاء میں تحریر فرمایا جس کا نام فقہ اکبر اور اس کی

روایت امام صاحب سے ملاحظہ قاری نے فرمائی ہے:

اس رسالہ کی تعلیم وخواہش کی کے دور میں اس پر پیدا ہونے والے اعتراضات جو اس موضوع کی مناسبت سے بڑی اہمیت کے حامل تھے ان کو کئی جملہ نے تحریری شکل میں جمع کیا اکثر ان میں سے ضائع ہو گئے اور ان میں سے جو ہمارے ہاتھ لگے وہ دو اشخاص (۱) ابو مطیع حکم بن عبد اللہ عجلئی کے فضلہ کے نام سے: اور (۲) ابو مقال حفص بن سلیمان سمرقندی کے العالم واکسہم کے نام سے محفوظ ہیں:

علمائے عصر حاضر کا فقہ اکبر کے بارے میں رویہ۔

(اول) موجودہ زمانے میں بھی یہ رواج چلا آ رہا ہے کہ جو مہارت ہماری رائے سے موافقت نہ کرتی ہو ہم اس کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں یا اس پر اس نوعیت کی تنقید کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس شخص کو ماننے کے لئے آمادہ نہیں ہیں اس میں قاضی سہاد بخاری صاحب کی کتاب اقدار البرہان کے صفحہ ۷۰ کی مثال موجود ہے مفتی عبداللہ کورنڈی نے میت میں قبر کے اندر عبادہ روح کی بات کرتے ہوئے ایک عبارت فقہ اکبر سے نقل کی

واحادة الروح الى الجسم في قبره حتى يفقه اکبر: ۱۴

قبر میں روح کا میت کے جسم میں لوٹا جاتا ہے

اس کے جواب میں قاضی سہاد بخاری فرماتے ہیں

”باقی رہا ترندی صاحب کا یہ کہنا کہ فقہ اکبر میں امام صاحب نے قبر میں عبادہ روح کو تعلیم کیا ہے (صفحہ ۱۹) تو اس سلسلے میں گزارش ہے کہ یہ فقہ اکبر جس کی شرح ملاحظہ قاری نے لکھو ابو المنتہی نے لکھی ہے وہ امام ابو حنیفہ کی تصنیف نہیں ہے بلکہ وہ ابو حنیفہ بخاری کی تصنیف ہے جسے غلطی سے اشتراک کثیت کی وجہ سے امام صاحب کی طرف منسوب کر دیا گیا امام صاحب کی فقہ امام ابو مطیع عجلئی کی روایت سے ہے اور سب سے پہلے اس کی شرح امام اہل صفحہ امام ابو منصور ماتریدی البیرونی ۳۳۳ھ نے لکھی ہے یہ شرح دائرۃ المعارف حید آباد کن

کی طرف سے شائع ہو چکی ہے اس فقہ اکبر میں عبادۂ روح کا نام و نشان تک نہیں

اور قاضی صاحب اس بارے میں دوسری دلیل یہ پیش کرتے ہیں:

چونکہ امام طحاوی نے عقیدۂ طحاویہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے معتقدات کو جمع کر کے لکھا تھا، مگر اس رسالے میں انہوں نے قبر کے اندر عبادۂ روح کا کوئی ذکر نہیں فرمایا اگر یہ مراد فقہ اکبر امام ابو حنیفہ کی تصنیف ہوتی تو امام طحاوی اس کے دیگر مندرجات کے ساتھ ساتھ عبادۂ روح کے عقیدے کو بھی ضرور اس رسالے میں درج فرماتے (اقتاد البرہان، ۲۷۱)

سوال یہ ہے کہ

- (۱) کیا عقیدہ طحاویہ امام صاحب کے تمام معتقدات کا مجموعہ ہے؟
- (۲) اور یہ کہ کیا شرح فقہ اکبر واقعی امام ابو منصور ماتریدی کی تصنیف ہے؟
- (۳) اور کیا ابو حنیفہ بخاری نام کے شیخ کی فقہ اکبر نامی کوئی کتاب دنیائے تاریخ کے تذکرہ نویسوں میں سے کسی نے لکھی ہے؟

ہمارا جواب ان تینوں سوالات کے لئے ہے:

(۱) نہیں

(۲) نہیں

(۳) نہیں

(دوم) اسی طرح جب میں نے مجموعہ ملاحظہ الاکبر کی پہلی اشاعت کے وقت اس کو مکمل کرنے کے بعد حضرت مفتی محمد یحییٰ صاحب مدظلہ کی خدمت میں کچھ کلمات لکھنے کے لئے عرض کیا چونکہ مفتی صاحب کا مسلک یہ ہے کہ ملاطی قاری والی فقہ اکبر ابو حنیفہ بخاری کی تصنیف ہے، امام ابو حنیفہ کی تصنیف نہیں ہے، اور اس کے بارے میں انہوں نے بعض اعتراضات اٹھائے تھے ان کا مختصر انداز میں اسی مجموعہ کے مقدمے کی چھٹی فصل میں جواب دیا گیا تھا۔ اس مجموعہ پر جو تقریر مفتی صاحب نے تحریر فرمائی۔

وہ تحریر حاضرین کی خدمت میں درج ذیل ہے۔

" لاسیما الامام الاعظم ابو حنیفۃ نعمان بن ثابت قدس سرہ
 علی سلالہ من عقائد الاسلام من اصول الدین واساسہ کیف
 لا و هو امام فی الکلام و تول مناظر فی الاسلام فکتوا عنه حسب
 ماتلحجہ المجالس والازمان لوقوع الثقاوت و اعتلعت
 العبارات و المقاصد فی النقل . و صار لكل واحد نسخة و
 اخرونا فی الله القاضی اللوذعی المولوی المفتی رشید احمد
 العلوی وفقہ الله تعالیٰ لما یحبہ و یرضیہ اراد لظک النسخ
 المتشترکہ ان یجمع و لدرر المتشرکہ المسمیة بفقہ الاکبر ان
 یحفد و یظم فالأحد شینا لا یمکن بسفاد و فقد امرنا لا یکاد و
 یراد فی منهج التعلیم و حسن الترتیب مع بیان التخریج
 و التوسیع . الا ان الجامع قد تصدی لطوبۃ الضعاف اسنادا
 و متنا و جعل جمیع الاملاء ات کلها سواء ا بسواء لم یفرق
 بینہما مع ان بعضها صحیح و بعضها ضعیف و بعضها اضعف
 فرفع شینا قد تنزل و اصعد امرا قد لسالط و لکن الثمرة لجنی
 و الشوكة لجنس فعلفی معہذا لا یخلوا هذه المجموعۃ عن
 الفائدة... "

امام اعظم نے اپنے علاوہ کو محتاح اسلام اور دین کے اساسی اصول اطہاء کروائے تھے
 کیونکہ آپ علم کلام کے بھی امام تھے اور باطل کے خلاف اسلام کے پہلے مناظر بھی تھے اور
 ان کے علاوہ نے امام صاحب کا علم نقل کیا ہے اور ان تمام نقل کرنے والوں نے اسے ایک
 ایک نسخے میں مرتب کرویا تھا۔ نے ان منتشر نسخوں کو فقہ اکبر کے نام سے یک جا کرنے کی
 کوشش کی ہے تاکہ اس سے فائدہ ممکن ہو سکے لہذا اس کو بڑی محنت کے ساتھ انہوں نے جمع

کیا ہے اس میں قطعی انداز، مجدد ترتیب، اور ترجیح احادیث کے ساتھ ساتھ تجویب مسائل بھی کر دی گئی ہے، لیکن جامع اس میں سند اور متن کے لحاظ سے ضعیف باتوں کو قوی کرنے میں کوشاں ہیں اور اس ساری کوشش میں انہوں نے تمام لمالی کو یک جا جمع کر دیا ہے اور اس بارے میں کوئی فرق نہیں کیا اس میں قوی اور ضعیف کیا ہیں؟ حالانکہ ان میں بعض مسائل صحیح اور بعض ضعیف اور بعض باضعف ہیں مابقی طرح انہوں نے بعض غیر اہم مسائل کو اہمیت دے دی ہے اور بعض غیر اہم مسائل کو اہمیت دے دی ہے لیکن پھر بھی اس سے استفادہ ممکن ہے۔

مذکورہ عبارت پر تبصرہ:

حضرت مطلق صاحب کی اس پوری عبارت میں قائل بیان اور قائل ذکر بات یہ ہے کہ ایک مجموعہ امام اعظم کی امالی کا جمع کیا گیا ہے جس میں امام اعظم کے دریکتا کو جمع کر دیا گیا ہے، علاوہ ازیں دوسری باتیں بھی ہیں لیکن اس میں اہم ترین بات جو مطلق صاحب نے ارشاد فرمائی وہ یہ کہ اس مجموعہ میں بعض باتیں ضعیف اور بعض باتیں باضعف و اہمیت کی یک جا جمع کر دی گئی ہیں۔

حضرت مطلق صاحب کا اعتراض یقیناً اس بات پر ہے کہ راقم نے ملا علی قاری والی فقہ اکبر کو حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تصنیف قرار دیا۔ ان کے خیال میں راقم نے ضعیف روایات پر احاد کے فقہ اکبر (ملا علی قاری والی) کو حضرت امام کی تصنیف قرار دیا۔ یقیناً ان کی یہ مراد نہیں ہے کہ اس کتاب میں ضعیف روایات پائی جاتی ہیں یا یہ بھی مراد نہیں ہے کہ اس میں اہل سنت والجماعت کے منہج سے ہٹ کر مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ کیونکہ علم کلام میں ضعیف روایت قائل قبول نہیں ہو سکتی۔ دوسرے فقہ اکبر میں کوئی مسئلہ اہل سنت کے منہج کے خلاف نہیں ہے۔

چند اعتراضات

مسئلہ ایمان والدین مصطفیٰ رحمہ اللہ علیہما

کئی حضرات نے امام حماد والی فقہ اکبر کو تسلیم نہ کرنے کا ایک بہانہ یہ بھی تلاش کیا ہے کہ اس نسخے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ اہل ایمان نہیں تھے:

اور خاص طور سے علامہ ابن حجر المکی نے اپنے فتویٰ میں فرمایا: کہ جو فقہ اکبر مشہور ہے وہ ابو حنیفہ محمد بن یوسف البخاری کا نسخہ ہے، اور امام صاحب کا اصل نسخہ ابو طیح الخلیجی ۱۷۱۰ھ ہے کیونکہ اس نسخہ میں والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کفر پر مرنے والی بات نہیں ہے۔

اسی طرح علامہ وکیل احمد سکندر پوری نے اس بات پر حسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فضل فرمایا ہے کہ مجھے فقہ اکبر کا اصل نسخہ کیسے مل گیا ہے مگر اگر یہ اصل نسخہ ملا علی القاری بروی کو مل جاتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں برگز وہ بات نہ کہتا جو اس نے کہی ہے۔

جواب:

جہاں تک علامہ ابن حجر المکی کی بات کا تعلق ہے:

یہ تو مشکل کو دیکھ کر بھانسنے والی بات ہے:

اصل بات یہ ہے کہ جس نسخے میں والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم ایمان کی بات ذکر کی جاتی ہے اس کے دنیا میں متعدد نسخے مروج ہیں: اور یہ بات کسی نہ کسی طرح فقہ اکبر کے اس نسخہ میں ہے جس کو حماد بن ابی حنیفہ نے روایت کیا ہے: جبکہ وہ فقہ اکبر (یا فقہ صلی) جس کو امام اعظم کے تلمیذ اور حدیث کے راوی امام ابو طیح الخلیجی نے روایت کیا ہے اس

میں تو سرے سے یہ مسئلہ ہی نہیں ہے، اسی لئے کسی محقق نے اس کتاب میں اس مسئلے کے ہونے یا نہ ہونے کی بحث بھی نہیں کی ہے:

اس مسئلے میں فدا کبر کے نسخوں کا تقابلی مطالعہ:

اگر امام اعظم کی اس فدا کبر کے نسخوں کا تقابلی مطالعہ کیا جائے جو امام صاحب سے ان کے صاحب زاوے امام حماد نے روایت کیا ہے اور جس کی شرح طاعلی قاری نے کی ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں ان نسخوں میں مذکور مندرجہ ذیل مختلف متون ہمارے سامنے آتی ہیں:

(۱): **ووالدا رسول الله ما لنا على الايمان؛**

(یہ نسخہ اصل میں نسخہ زید کا حرف شدہ نسخہ ہے اس لئے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان پر فوت ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے جو عقیدہ ایک مضحکہ خیز جملہ بن جاتا ہے کہ ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی حالت میں فوت ہوئے ہیں بھلا اس مسئلے کی ضرورت کیا ہے اور وہ کون ہے جس کے اعتقادات اس کے خلاف ہو سکتے ہیں ایسی بات تو کوئی عام آدمی بھی تصور نہیں کر سکتا کہ یہ کہ وقت کا کوئی امام اس قسم کی بات کہے یا اس قسم کا دعویٰ کرے، نیز اس نسخے کا دعویٰ علامہ زاہد الکوثری نے مدینہ طیبہ میں دیکھا تھا اور انہوں نے اس کی تصحیح کا دعویٰ کیا تھا)

(۲): **ووالدا رسول الله ما لنا على الكفر؛**

(علامہ شامی اور اہل حضرت احمد رضا خان نے اسی نسخے کو اختیار کیا ہے)

(۳): **و رسول الله ما لنا على الايمان**

اور طاعلی قاری نے اس کو صحیح کہا ہے

(۴): **ووالدا رسول الله ما لنا على الكفر**

اس کو طاعلی قاری نے اپنی شرح میں اور مولانا رشید احمد ننگوی نے اپنے فتاویٰ میں

اختیار کیا ہے۔

(۵) : والدہ رسول اللہ ماما علی القطرۃ

یہ لفظ ہے جس کے بارے میں ائمہ احناف نے امام اعظم کے اس مسئلہ میں سکوت کا دعویٰ نقل کیا ہے۔

(۶) : ووالدہ النبی علیہ السلام ماما علی الکھر لم ماما علی

الایمان

لفظ نور علی حقیق احمد الرزوقی، جو کامل سے طبع شدہ ہے

(۷) اور بعض نسخے اس مسئلے کے بیان سے کھل طور پر خاموش ہیں ان میں اس

مہارت کو سرے سے نقل ہی نہیں کیا گیا ہے:

اس مسئلے کے بارے میں ہمارے سامنے کل سات آراء آتی ہیں جن کو ہم قدرے

تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

پہلا نسخہ:

اس نسخہ کی حقیقت یہ ہے کہ

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے دما کے صحن مطابق ہے اور معترض کے اعتراض کا

جواب بھی ہے جس کی وجہ سے علامہ ابن حجر کی اور وکی احمد سکندر پوری کو یہ کہنا پڑا کہ یہ فقہ اکبر

امام صاحب کی کتاب نہیں: کیونکہ اس مہارت کی صورت میں اس نسخے میں والدین رسول

اللہ کے کفر پر مرنے والی بات نہیں۔ جب اعتراض بھی دوز ہو گیا تو ابن حجر کے ان کار کی کوئی

وجہ باقی نہیں رہ جاتی اس لئے ہم امام ابن حجر اور سکندر پوری کی خدمت میں یوں عرض پر داز

چیں کہ صاحب جو بات آپ کے لئے فقہ اکبر کی کتاب کے ان کار کرنے کا باعث بنی، یہاں

وہ بات تو نہیں، بلکہ اس کے برعکس ہے کہ رسول اللہ کے والدین ایمان کی حالت میں فوت

ہوئے تھے۔

دوسری اور اصل بات یہ ہے کہ امام ابن حجر کی اپنی رسائی کسی نسخے تک نہیں ہوئی اور نہ

ہی ان کی نظر سے یہاں لگتا ہے کہ کوئی دوسرا نسخہ گزرا ہوگا سوائے ایک سے سوائے اعتراض

کے جو علماء کی مجالس میں سینہ بہ سینہ نقل ہوتا آرہا تھا، سکندر پوری اور ابن حجر نے اسی گوشت و من نقل کر دیا ہے،

یہی اعتراض حضرت قبلہ مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب نے ہماری تحقیق شدہ مجموعہ فقہ اکبر کے نسخے پر کیا تھا کہ اس نسخے میں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں کفر کی نسبت کر دی ہے، پور تقریر یہ کی وہ عبارت من و عن اس سے نقل ایک اعتراض کے جواب میں نقل کر دی گئی ہے، اب جب یہ مسئلہ ہی درمیان سے ہٹ گیا ہے تو ان تمام حضرات کے نزدیک اس کتاب کے امام صاحب احتساب کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہوتا چاہئے۔

دوسرا نسخہ:

اس نسخے میں رسول اللہ کے بذات خود ایمان پر مرنے کی بات نقل کی گئی ہے جو کسی طرح بھی درست نہیں ہے: اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس شہ کا امکان ہی نہیں ہے تو وضاحت کی کیا ضرورت۔ لہذا ایک ہی بات رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ: اس نسخہ میں سے (والدین) کا لفظ تاریخ سے ساقط ہو گیا تھا اور لکھنے میں نہیں آیا اور یہاں اکثر کاتبوں سے ہو جایا کرتا ہے کہ کھسائی کے دوران میں ایک آدھ لفظ رہ جاتا ہے اور یہ نسخہ مذکور بالا کا محرف نسخہ ہے، اس طرح ان دونوں نسخوں میں کوئی تضاد نہیں رہتا بلکہ دونوں ایک ہو جاتے ہیں: اور وہی ہماری مراد ہے۔

تیسرا نسخہ:

اس نسخے کے نقل کرنے والے علامہ ابن عابدین شامی نے در المنکر میں، اور اعلیٰ حضرت احمد رضا خان اپنی کتاب المستند المسند میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ اس میں باطل یوں تھی۔

واللہ رسول اللہ ما معا علی الکفر

اور عبارت میں تحریف کر دی گئی ہے، اور یہ تحریف بدعتی کی بناء پر نہیں ہوئی، بلکہ غلط فہمی

کی وجہ سے ہوئی ہے۔ کیونکہ اصلی نسخہ جب تاریخ نے نقل کیا تو اس کو ایک (ما) زیادہ محسوس ہوئی لہذا تاریخ نے ایک لفظ (ما) کو مٹا دیا اور جو عبارت اصل میں یوں تھی:

(ووالد رسول اللہ ما ملنا علی الکفر)

تو: (ما ملنا علی الکفر) کی بجائے (ما ملنا علی الکفر) ہو گیا اور یہ جملہ ملہم کے لحاظ سے مثبت کی بجائے حقی بن گیا:

اور اسی نسخے کو بعد میں ملاطی قاری نے بھی نقل کر دیا اور اس کے وضاحت کرتے ہوئے ایک رسالہ بھی لکھ دیا لیکن جب بعد میں ملاطی قاری پر یہ راز کھلا کہ یہ تو تحریف لفظی کا مظہر ہے تو انہوں نے بڑی خندہ پیشانی اور کشادہ دلی سے اختلاف کی شرح میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ: والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اجل امت کا اجماع اس بات پر ہے وہ دونوں ایمان کے عالم میں اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں اور یہ ان کی آخری رائے ہے کیونکہ بعض ائمہ کی یہ تصریح ہے کہ شرح اختلاف ملاطی قاری کی آخری دور کی تصنیف ہے:

چوتھا نسخہ:

اس نسخے میں والدین کریمین کے کفر پر مرنے والی بات نقل کی گئی ہے اور اس کے بارے میں ملاطی قاری کی رائے تو ان کی اپنی تحریرات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے خلاف ہو گئی تھی اور ہامولانا رشید احمد گنگوہی کی رائے کا تو میں ممکن ہے ان تک یہ بات نہ پہنچی ہو یا ان کو اس فتوے کے بعد تردید کا موقع نہ ملا ہو۔

پھر اس بارے میں حتمی رائے یہ ہے یہ مسئلہ اور اس قسم کے اور بھی کئی مسائل ہیں جن کے قائل یا عدم قائل ہونے سے انسان کے ایمان میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے کہ یہ مسائل علم عقائد میں اجتہادی نوعیت کے ہیں اور یہ اجتہاد کسی نوع کا بھی ہو اس سے کفر و اسلام کا معیار متعین نہیں ہوتا۔ ہاں اگر اس قسم کے مسائل میں انبیاء کرام کی توہین کا پہلو پیش نظر ہو تو اس قسم کے مسائل کے بارے میں سوچنا بھی موجب کفر و حرمانِ رضائے باری تعالیٰ ہے۔ عاذ اللہ منہ۔ اور اس قسم کی رائے تو دور کی بات ہے خیال سے بھی ہم اپنے اسلاف کو

محفوظ پاتے ہیں، یہ ہمارا ان کے بارے میں حسن ظن ہے۔ ان شاء اللہ العزیز اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے حسن ظن کی بنا پر ضرور اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔

پانچواں نسخہ:

فتا کبرہ کے اس نسخے میں والدین کریمین کے فطرت پر مرنے کی بات حقول ہے اور تاریخ کو ہو سکتا ہے یہ محسوس ہوا ہو کہ امام صاحب نے فطرت کا لفظ استعمال فرمایا ہے جبکہ امام اعظم نے تعلیم کے دوران اس پر بحث کی ہو کہ ان کی وفات دور فطرت میں ہوئی ہے یا اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے: جیسا کہ احادیث میں آتا ہے

"کل مولود یولد علی فطرة الاسلام فطورا ..."

یعنی ہر بچہ اہل اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے:

اور اس مسئلہ میں معتزل کا ہمارے ساتھ اتفاق ہے، البتہ اسلام اور ایمان کے اطلاق میں ہمارا اور ان کا اختلاف ہو جاتا ہے کیونکہ ہم اہل سنت والجماعت کے نزدیک فطرت نام ہے:

سالم من الکفر والایمان

ایمان اور کفر سے سالم ہونے کے کی صورت میں یعنی جب کوئی بندہ ایمان یا کفر میں

جلا نہ ہو اس کو فطرت کہا جاتا ہے

جیسا کہ امام صاحب نے لفظ الکفر میں مراد فرمایا ہے۔

چھٹا نسخہ:

اس نسخے میں علامہ احمد المرزوقی نے اپنی تحقیق اور حاشی کے ساتھ فتا کبرہ کو شائع کیا ہے اور ملائے القان درجہ میں وہ نور العظم کے نام سے عام اور معروف ہے اس میں جو عبارت امام صاحب سے نقل فرمائی ہے یہ زیادہ قرین قیاس اور اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے اور اس پر علامہ صاحب نے اولاً اور ثانیاً کا حاشیہ بھی لگایا ہے اصل عبارت یوں ہے:

واللہ رسول اللہ علیہ السلام معاً علی الکفر ای اولاً ثم معاً

عَلَى الْإِيمَانِ ثَابِتًا بَيْنَهُمَا مَا نَا عَلَى الْكُفْرِ ثُمَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا لَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى فَاحْيَاهُمَا وَاسْلَمَا ثُمَّ مَا نَا عَلَى الْإِيمَانِ وَبِحُجُوزِ ذَلِكَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى يَمْضُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُنْفِثُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ

والدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے حالت کفر پر فوت ہوئے پھر دوبارہ حالت ایمان پر فوت ہوئے اور یہ کہ پہلے کفر پر فوت ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا پھر وہ دونوں اسلام لائے اس کے بعد اسلام کی حالت میں فوت ہوئے اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے فرمان: ”جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اصل کتاب اس اللہ تعالیٰ کے پاس ہے“ سے بھی جائز معلوم ہوتی ہے۔

ساتواں نسخہ:

اس چھٹے نسخے میں اس عبرت کو ہی سرے سے ختم کر دیا گیا ہے اور ناظمین نے اس کو مٹا دیا ہے اور اس کی جگہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان ناظمین نے سمجھا ہو گا کہ یہ رائے اس قدر خطرناک ہے اور امام اعظم سے اس طرح کی رائے نقل نہیں ہو سکتی لہذا اس مسئلے کو ہی سرے سے نقل نہیں کیا گیا اور اس مسئلے کے بغیر عیوہ نسخہ محمول ہے اور یہ نسخہ طاعن کاہری کی شرح کے ساتھ السید ہدایہ ابن ابی فراس المحسانی اٹلسی کی تصحیح کے ساتھ علی خط احمد ناجی البجالی و محمد امین الحانفی ۱۳۲۳ھ میں طبع ہوا ہے۔ اس بارے میں حنفی باتیں کہی گئی ہیں اس میں اسلاف کی عظمت اور اخلاف کی کامل و مکمل راہنمائی کا پہلو پیش نظر رکھا گیا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ذات ہم سب کو اسلاف کے بارے میں ہر گمانوں اور ہر گویوں سے محفوظ فرمائے۔

ساتواں اعتراض:

فقہ اکبر کی تشریح کا مسئلہ

(۱) جس نسخے کی تشریح ملا علی قاری نے کی ہے ان سے پہلے یعنی نویں صدی سے قبل کسی نے نہیں کی، اگر یہ امام صاحب کا نسخہ ہوتا تو اس سے قبل بھی کوئی صاحب اس کی تشریح کرتے جب اس سے پہلے کے زمانے میں کسی نے تشریح نہیں کی تو اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے، جبکہ فقہ اکبر والا نسخہ جس کو ابو مطیع علی نے روایت کیا ہے وہ نقل صحیح کے ساتھ ثابت ہے اور اس کی تشریح بھی اس سے پہلے کے لوگوں نے کی ہے لہذا وہی نسخہ فقہ اکبر امام اعظم کی اصل تصنیف ہے۔

(۲) بعض معترضین نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اگر قدیم میں سے کسی نے بھی اس فقہ اکبر کا تذکرہ نہیں جس سے اعجاز ہوتا ہے کہ علامہ ابن ابی حنیفہ والی فقہ اکبر امام صاحب کی تصنیف نہیں البتہ ابو مطیع علی والی فقہ اکبر امام صاحب کی اصل تصنیف ہے۔

(۳) اور فقہ اکبر کا وہ نسخہ جس کی شرح ملا علی قاری نے کی اگر امام صاحب کی کتاب ہوتی تو امام صاحب کے علاوہ میں سے کوئی اور بھی اس کو روایت کرتا جبکہ ایسا نہیں ہے؟

گویا یہ اعتراض اپنے اعمدین پہلو سونے ہوئے ہے

نقول: نویں صدی سے پہلے اس کی تشریح کسی صاحب نے نہیں کی؟

دوم: اگر قدیم میں سے کسی نے بھی اس فقہ اکبر کا تذکرہ نہیں کیا؟

سوم امام صاحب کے علاوہ میں سے کسی نے اس کو روایت نہیں کیا؟

ان مذکورہ وجوہات کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ امام صاحب کی تصنیف نہیں ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ:

کسی کتاب کی شرح کا نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتی کہ یہ کتاب اس شخص کی

تصنیف نہیں جس کی طرف اس کو منسوب کیا جا رہا ہے مثلاً کتاب الاہل کی اب تک کوئی شرح نہیں ہے اور کتاب العالم والصلح جو امام صاحب کی تصنیف ہے (اور اس کو ہم نے مجموعہ الفقہ الاکبر میں بڑی تحقیق اور عرق ریزی کے ساتھ ساتھ امام اعظم کی روحانی ہدایت کے بعد شامل کیا ہے) اب تک اس کتاب کی ایک شرح کا نام بھی نہیں ملتا تو کیا اس کو امام اعظم کی تصنیف نہ مانا جائے۔ حالانکہ ملائے امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ امام صاحب کی تصنیف ہے اور اسی طرح کتب الوصیۃ کا معاملہ۔

ان سب کتابوں کو ان کے مصنفوں کے نام احتساب سے کسی نے بھی ان کا نہیں کیا۔ لہذا اس فدا کبر کے امام صاحب کی طرف منسوب کئے جانے پر یہ اعتراض کوئی دلیل نہیں بن سکتی۔

حررہ برآں یہ کہ جو شخص علوم اسلامیہ کی تدوین اور ان کی تاریخ پر نظر رکھتا ہے اس کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ کتب کی شروع کئے جانے کا زمانہ ساتویں صدی کے بعد کا زمانہ ہے ایسی صورت احوال میں ہم کیسے یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ یہ کتاب امام صاحب کی تصانیف میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ کسی نے ملاحظہ فرمائیے پہلے اس کی شرح نہیں لکھی تھی۔ اور ویسے بھی تدوین علوم اسلامیہ کے ادوار پر نظر ڈالنے سے اس مسئلے میں الجھاؤ ختم ہو جاتا ہے۔

اگر معترض صاحب مسلمانوں کے تدوین علوم کے خلف ادوار کے بارے میں جاننے ہوتے تو ہرگز یہ اعتراض نہ کرتے کیونکہ یہ اعتراض امام صاحب کی تصنیف کے ہونے نہ ہونے کا نہیں بلکہ تدوین علوم سے اپنی نا آشنائی کا اقرار ہے اس بات کو مفہوم مخالف کا لحاظ کرتے ہوئے اگر دیکھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ جن کتب کو ہم ان کے مصطفین کی طرف منسوب کرتے ہیں اگر وہ قرونِ بولی کی کتب ہیں تو اس کی نسبت کی دلیل ان کی شروحات ہیں اور شاید وہ بھی اس لئے کہ وہ آٹھویں صدی سے قبل لکھی گئی ہیں

جبکہ حقیقت اس کے بالکل عکس ہے ہم ایسی مختلف علوم پر بیسیوں کتب پیش کر سکتے ہیں جو ان کے اصل مصنفوں کی طرف منسوب ہیں اور انہی کے نام سے معروف ہیں نہ کوئی

ہن کی شرح آٹھویں صدی سے قبل کی ہے اور نہ ہی کوئی اس کا ان کا کرتا ہے کہ یہ کتاب اس مصنف کی نہیں ہے اس میں علم تصوف کی کتاب الملح از ابو نصر سراج، اصول فقہ کی الرسالہ از امام شافعی۔

دوسری بات یہ کہ:

یہ بات کوئی ضابطہ کی بات نہیں جس کو کوئی اور شاگرد روایت نہ کرے تو اس کو کسی کی طرف نسبت ہی مشکوک قرار پائے کیونکہ ہم بہت ساری کتب ایسی پیش کر سکتے ہیں جنکو ان کے طلباء میں سے کسی نے بھی روایت نہیں کیا اس لیے ان کی نسبت اس عالم یا اس امام کی طرف نہ کی جانی چاہیے البتہ اس ضابطہ کی کچھ اہمیت اگر ہے تو وہ علم حدیث میں ہے اور اگر اس کو عمومی ضابطے کا درجہ دے دیا جائے تو اس سے علم کی اشاعت کا دروازہ بند ہو جائے گا کیونکہ اکثر قراءت سہ میں سے ایسے ہیں جن سے آگے روایت کرنے والے شخص ایک ہی ہیں اور کئی دوسرے علوم میں اس کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں اور حق اس بات کا حقدار ہے کہ اس کو تسلیم کیا جائے اور اس کی اتباع کی جائے خواہ وہ کسی بھی طریقے سے ثابت ہو۔

اسی لئے علامہ کروری نے اس فقہ اکبر کے امام صاحب کی تصنیف ہونے میں اجماع امت نقل کیا ہے اور اسی اجماع کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ کروری ہار شاہ فرماتے ہیں

”وقد تو اطا علی ذالک جماعۃ کثیرۃ من المشایخ“

اور اس بات پر مشایخ کی بہت بڑی جماعت کا اتفاق ہے۔ (الناقب صفحہ ۱۰۸)

تیسری بات یہ کہ:

نہ جانے معترض نے اعتراض سے پہلے یہ کیوں نہ دیکھا کہ فقہ اکبر کی روایت امام حماد سے ہے اور اس کے علاوہ بھی متعدد ائمہ نے اس نسخے کی روایت امام صاحب سے کی ہے اس کے لئے ہمارے کتاب مجموعہ فقہ اکبر کے مقدمے کے چھپے باب کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے نیز جس طریقے سے اور جن استاد سے فقہ اکبر کا ثبوت ابو مطیع کیلئے کیا گیا ہے اسی قسم کی استاد سے امام حماد کی فقہ اکبر کا بھی امام صاحب کی تصنیف ہونا ثابت ہے اس کی تفصیل علامہ زبدہ الکثری نے اپنی کتب میں مذکور کی ہے وہاں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

آلہموں اعتراض:

فلسفیانہ الفاظ کے استعمال کا مسئلہ

اس اعتراض کی ذمیت یہ ہے کہ ماضی قاری والی فقہ کبیر میں ایسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو اس زمانہ میں عام استعمال میں نہیں آتے تھے لہذا ان کا امام صاحب کی طرف احتساب کر دے درست نہیں ہے؟

جواب:

یہ اعتراض دو شخص کر سکتا ہے جس کو امام صاحب کے زمانے کے علمی احوال معلوم نہ ہوں، ورنہ اس زمانے کی علمی مجالس میں اس قسم کے الفاظ کا استعمال عام تھا۔ امام سیوطی نے نقل کیا ہے کہ ابو مظہر حنفی نے اپنی کتاب الاختصار میں روایت کیا ہے کہ ابو اسماعیل ہرودی نے علم کلام کی برائی میں ابو عصہ مروزی کے روایت سے امام نوویہ الامام سے ایک قول نقل کیا ہے:

وفرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے پوچھا:

مفتقول لہما احدث الناس من الکلام فی الاحراض والاجسام ؟
آپ کیا فرماتے ان الفاظ کے بارے میں جو لوگوں میں نئے نئے پیدا ہو چکے ہیں
جیسے عرض اجسام وغیرہ؟

لقلل مقالات الفلاسفہ ، علیک بالاکثر ؛ وطریقہ السلف ؛

واہاک وکل محدثہ فللہا بدعہ “

امام صاحب نے جواب دیا کہ یہ فلاسفہ کے الفاظ ہیں ان سے بچنا چاہئے اور آثار رسول اور طریقہ مکتب صالح پر اعتماد کرنا چاہئے کیونکہ ہر نئی چیز سے بچنا چاہئے اور ہر نئی چیز

فقہ اکبر و اہل ————— ۲۰۰

بدعت ہوتی ہے۔ (کنز العمال: ص ۲۰۰)

شائع آپ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کر اگر: یہ الفاظ استعمال کرنا بدعت ہے تو امام صاحب نے انکو کیوں استعمال کیا ہے؟ تو اس کے جواب میں یوں کہوں گا کہ کبھی معلم کو چاہئے طلبہ کی تعلیم کی غرض کیلئے اپنی تعلیم میں ایسے الفاظ استعمال کرے جو اس وقت کے لوگوں کے ذہنوں میں مانوس اور قابل فہم ہو ان کا استعمال عام ہو جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

”كَلِمُوا النَّاسَ بِمَنْفَعَتِهِمْ“

قول فیصل

جب علماء کے مابین یہ تنازعہ کھڑا ہوا کہ امام صاحب کی تصنیف ابن دلوں میں سے کون سی ہے تو اسکے بارے میں صوفی عبد الحمید صاحب سواتی محترم فقہ اکبر بروی امام حاد بن ابی حنیفہ نے قاضی حیدر منہ اسطوی شارح فقہ اکبر بروی ابو مطیع سے پوچھا کہ آپ یہ ارشاد فرمائیں کہ ان میں سے کون سی کتاب ہے جو امام صاحب کی ہے اور کون سی ہے جو امام صاحب کی نہیں ہے؟

اس کے جواب میں قاضی صاحب نے جواب دیا جو اس مسئلہ میں حتیٰ رائے اور قول فیصل کا دوجہ دکتی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس زمانے میں یہ بات مشہور ہے کہ فقہ اکبر جو مختصر مہاربت کے ساتھ مروی ہے: پور اس کی شرح بہت سارے علمائے امت نے کی ہے جیسے ملا علی القاری وغیرہ نے تو اس کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے کہ یہ کتاب امام صاحب کی تالیف ہے یا وہ جس کی آپ نے شرح لکھی ہے وہ امام صاحب کی تالیف ہے؟

جواب: اسلاف کرام کے زمانے میں تالیفات کا طریقہ اس طرح تھا کہ اس کے نسخے مختلف ہوتے تھے اسی طرح اس کتاب کے نسخے بھی مختلف ہوں گے جیسا کہ امام محمد کی کتاب القاموس کے نسخے اور امام ابو یوسف کی کتاب الآثار کے نسخے مختلف ہیں: اور موطا امام مالک بطور موطا امام محمد: اور سنن نسائی مختصرہ، اور سنن نسائی کبریٰ کے نسخے مختلف ہیں: پھر مسانید امام اعظم ابو حنیفہ کے نام سے کئی لوگوں نے کتابیں جمع کی ہیں، پھر ان سب کو امام ابو امامیہ خوارزمی نے جامع المسانید کے نام سے اس کو جمع کیا ہے:

اسی طرح فقہ اکبر کا اجرا ہے جس کو ابو مطیع نے روایت کیا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے راویوں نے جس کو روایت کیا ہے اس کی شرح دوسرے راویوں نے لکھی ہے۔ (نظم

المدور، ج ۱۶)

چوتھا حصہ

اُردو ترجمہ

الفقہ الاکبر

جس میں چھبیس ابواب اور ایک سو چوبیس مسائل پر مشتمل ہے

تالیف امام اعظم

ابو حنیفہ نعمان بن ثابت

۸۰ھ — ۱۵۰ھ

روایت ابن امام

حماد بن ابی حنیفہ

المعروف: ۱۷۶ھ

تحقیق و ترجمہ

مفتی رشید احمد العلوی

باب اول:

اہل السنۃ والجماعۃ کے اجمالی عقائد کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے اپنا فضل عظیم کرتے ہوئے ہمیں اہل السنۃ والجماعۃ کے راستے کی طرف راہنمائی فرمائی: اور بے حد و حساب درود و سلام ہو اللہ تعالیٰ کے محبوب رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اخلاق حسنہ کا بہترین نمونہ ہیں۔ اور آپ کی آل اور آپ کے اصحاب پر جو ساری دنیا کے لئے سرمد و مستقیم پر چلنے کے لئے مشعل رہے ہیں۔ اما بعد:

☆☆☆

امام اعظم، قدس سرہ، الامام امام زمان ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کو فی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

حقیقۃً نمبر ۱:

توحید کی اصل اور جن باتوں کے جاننے سے عقائد درست ہوتے ہیں، اس کا اجمالی تعارف یہ ہے کہ ہر آدمی اپنی زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرے کہ:

أَنتَ بِاللّٰهِ ، وَ مَلٰئِكَتِہٖ ، وَ کُتُبِہٖ ، وَ رِسلِہٖ ، وَ الْہَدٰی بَعْدَ الْمَوْتِ ،
وَالْقَدَرِ خَبِیْرٌ وَ شَرَّہٗ مِنْ اللّٰہِ تَعَالٰی ، وَ الْحِسَابِ ، وَ الْمِيزَانِ ، وَ
الْجَنَّةِ ، وَ النَّارِ حَقٌّ کَلَمًا .

میں اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں، اس کی تمام کتابوں پر، اس کے سارے رسولوں پر،

فقہ اکبر واسطہ ————— ۲۰۶

اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے پر، اچھی اور بری تقدیر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے پر، اور مرنے کے بعد اعمال کے حساب و کتاب کے ہونے پر، اعمال کے تولے جانے والی میزان پر، اور جنت و دوزخ کے موجود ہونے پر ایمان لایا؛ اور میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ یہ تمام باتیں اللہ کی طرف سے ہیں، ملوحق ہیں ان باتوں کے واقع ہونے میں کوئی شک نہیں۔

حقیقہ نمبر (۵):

اور اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفات مندرجہ ذیل ہیں:

- (۱) اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے حقیقی اور زعمہ ہے اور زعمہ رہے گا اور یہ زعمہ کی اللہ تعالیٰ کی ذاتی ہے ایسا نہیں کہ کسی اور کی طرف سے عطاء کی گئی ہو،
- (۲) اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر ہر وقت بلا کسی مجبوری اور پریشانی کے قادر ہیں۔
- (۳) اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر بات اور ہر شے کا واسطی اور ازلہ طور پر علم ہے۔
- (۴) اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ ازل سے بلا کسی مجبوری کے حکم ہیں۔
- (۵) اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کے سننے کی صفت کو ہی اصل سبب ہے اور بلا کسی عارض یا مدد کے اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کے بصیر ہونا اور یہ کدہ ہر ایک کو ہر وقت دیکھنے کی صفت کا مالک ہے

(۷) اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کے ارادہ کرنے کی صفت کدہ اپنے ارادہ میں کسی وقت ضرورت مسئلہ اور مکان کے محتاج نہیں اور نہ ہی ارادہ کرنے میں وہ کسی اور کے تابع ہیں:

حقیقہ نمبر (۶):

اور اللہ تعالیٰ کی اکثر صفات لطیفہ ہیں جن میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں

- (۱) الخلق یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کے خالق اور پیدا کرنے والے ہیں۔
- (۲) الرزق یعنی اللہ تعالیٰ ہر ایک کو رزق دینے والے ہیں اور ہر ایک اپنی جگہ کے لئے اسی کی طرف سے رزق کا محتاج ہے۔

(۳) الانشاء یعنی کائنات میں ہر قسم اور ہر چیز کی بدھوتہ اور نمود اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مہونہ صفت ہے مگر وہ نہ چاہے تو کچھ بھی نہ ہو سکے اور جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مہونہ صفت ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیداکرنا اور اس کا آغاز اللہ کی جانب سے

ہوتا ہے اور وہی ان کو نئے سرے سے بناتا ہے۔

(۵) الصمصی کا نام میں ہر طرف اسی کی صنعت اور کارگیری کا فرما ہے و فیروہ عقیدہ نمبر (۷):

اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات کے لحاظ سے ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ ہیں گئے: اور ان کا کوئی ام یا منت حادث نہیں ہے۔

عقیدہ نمبر (۸):

اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے عالم اور اپنے ہی علم کے ساتھ عالم ہیں: اور علم اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت ہے۔

عقیدہ نمبر (۹):

اور اللہ تعالیٰ اپنی ہی قدرت کے ساتھ قادر ہیں اور قادر ہونا اسی کی ازلی اور دائمی صفت میں سے ایک صفت ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۰):

اور اللہ تعالیٰ اپنے ہی کلام سے حکم ہیں اور ان کا کلام کرنا ان کے کلام نفسی کی ایک خاص کیفیت ہے اور کلام اللہ تعالیٰ کی ازلی اور دائمی صفت میں سے ایک صفت ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۱):

اور اللہ تعالیٰ اپنی صفت مخلق کی وجہ سے خالق ہیں اور مخلق اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت میں سے ایک صفت ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۲):

اور اللہ تعالیٰ اپنے فعل کی وجہ سے قائل ہے اور فعل اللہ تعالیٰ کی ازلی صفت میں سے ایک صفت ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۳):

لور حقیقی معنوں میں قائل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور فعل اس کی ازلی صفات میں سے ایک صفت ہے، لور تمام مفعول اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق اور اسی کے امور کا ظہور ہیں: جبکہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال غیر مخلوق اور غیر حادث ہیں۔

عقیدہ نمبر (۱۴):

لور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ازلی، غیر غائی، غیر محدث اور غیر مخلوق ہیں۔

عقیدہ نمبر (۱۵):

جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کوئی ایک صفت یا اس کی ساری صفات مخلوق یا حادث ہیں، یا اس کے بارے میں توقف یا خاموشی اختیار کرنے کا نھریہ رکھے یعنی اسکے موافقت یا مخالفت میں کوئی رائے قائم نہ کرے۔ یا اللہ کی صفات کے قدیم یا حادث ہونے کے بارے میں شک کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والا ہے۔

باب سوم:

اللہ تعالیٰ کے کلام کے بارے میں عقائد

عقیدہ نمبر (۱۶):

قرآن کریم جو مصحف کی شکل میں لکھا ہوا، اور ایمان والے لوگوں کے دلوں میں محفوظ ہے اور انسانی زبانوں سے پڑھا جانے والا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے:

عقیدہ نمبر (۱۷):

اور ہمارے الفاظ جو ہم قرآن پڑھنے کے دوران تلفظ کرتے ہیں وہ مخلوق ہے: اور ہمارے ذریعے قرآن کریم کی کھلی کرنا مخلوق ہے، اور ہمارا پڑھنا مخلوق اور حادث ہے: جبکہ قرآن کریم جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے غیر مخلوق اور غیر حادث ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۸):

جو قرآن کریم میں موسیٰ اور دوسرے انبیاء کے واقعات ذکر کئے گئے ہیں، اور اسی طرح فرعون و ابلیس کے حلق قرآن کریم میں جو کچھ آیا ہے یہ تمام اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے احوال کی خبر دینے کے لئے ان واقعات کا ذکر کیا ہے نہ کہ فرعون و ابلیس کی تخلیق کی وجہ سے ان کو بیان کیا ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۹):

اور اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق اور حادث نہیں ہے جبکہ موسیٰ علیہ السلام کا کلام دوسری مخلوقات کی طرح مخلوق اور حادث ہے۔

عقیدہ نمبر (۲۰):

اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام اور قدیم ہے اور یہ لوگوں کے کلام کی طرح نہیں ہے

عقیدہ نمبر (۲۱):

اور موسیٰ نے کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تھا جیسے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو

و کلم اللہ موسیٰ نکلتیما

یعنی موسیٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بتدریج کلام کیا۔

عقیدہ نمبر (۲۲):

لہذا اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کلام کرنے کی صفت کے سے متصف تھے جبکہ موسیٰ کلام

کرنے والے نہ تھے

عقیدہ نمبر (۲۳):

اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کی تخلیق سے پہلے بھی خالق تھا اور:

لہو کملہ حیہ و هو السميع العليم

اللہ تعالیٰ کی مانند کوئی چیز نہیں اور وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے:

عقیدہ نمبر (۲۴):

اور جب اللہ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تو یہ کلام وہی تھا جو اللہ تعالیٰ کی ازلی

صفات میں سے ہے۔

نوٹ: کلام کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم یہ ہے کہ وہ کلام مخلوق ہوگا دوسری قسم یہ کہ وہ کلام خالق

ہوگا لہذا چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا کلام حادث کے پردے میں چمپا ہوا ہے اور فنا ہو گیا ہے یا ہو

جائے گا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پر دوام کی چادر ڈالی ہوئی ہے اور اس لئے کہا ہے کہ

کلام تو اللہ تعالیٰ ہی کرنے والے تھے حضرت موسیٰ نہ تھے کیونکہ حادث چیز اپنے وجود میں نہ

ہونے کے برابر ہوتی ہے۔

باب چہارم

اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں عقائد

حقیقہ نمبر (۲۵):

اور بات معلوم ہونی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی مخلوقات کی صفات کی طرح نہیں بلکہ اس سے ہر لحاظ سے مختلف ہیں۔

حقیقہ نمبر (۲۶):

اللہ تعالیٰ (تمام مخلوقات کی کلیات و جزئیات اور ان کے ظاہر و باطن کو اپنے ذاتی، انزلی و باری علم کے ساتھ) جانتے ہیں، مگر ہمارے جاننے کی طرح نہیں، اس لئے کہ ہمارا جاننا اسباب کی مدد سے ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا جاننا ایسا نہیں ہے

حقیقہ نمبر (۲۷):

اور اللہ تعالیٰ بغیر آلات اور کسی دوسرے کی شرکت کے بغیر ہر وقت اور ہر قدرت رکھتے ہیں اور آپ کی قدرت کاملہ ہماری قدرت کی طرح نہیں ہوتی (کیونکہ ہماری قدرت بعض اشیاء پر ہوتی ہے بعض پر نہیں ہوتی اور ہماری قدرت آلات و اصحاء کے محتاج ہوتی ہے)

حقیقہ نمبر (۲۸):

اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتے ہیں مگر آپ کا دیکھنا ہمارے دیکھنے کی طرح نہیں کیونکہ ہمارا دیکھنا اصحاء و جوارح و افعال مختلف رنگوں کے محتاج ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ تمام اصحاء و جوارح کی قہم سے بلند ہیں۔

عقیدہ نمبر (۲۹):

اللہ تعالیٰ کلام کرتے ہیں مگر ان کا کلام کرنا ہمارے کلام کرنے کی طرح نہیں ہے۔

عقیدہ نمبر (۳۰):

اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کی سنتے ہیں مگر ان کا سنتنا ہمارے سننے کی طرح نہیں ہے۔

عقیدہ نمبر (۳۱):

جو ہم کلام کرتے ہیں ہمارا وہ کلام آلات و اعضاء اور حروف و ادوات کے ساتھ کرتے ہیں اسلئے کہ ہم اپنے کلام میں آلات اور حروف کے محتاج ہیں؛ جبکہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کی احتیاج سے پاک ہیں اسلئے وہ بغیر آلات و حروف کے کلام کرتے ہیں؛

عقیدہ نمبر (۳۲):

اور کلام کرنے کے تمام حروف اور آلات اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوق میں سے ایک مخلوق ہیں لیکن اللہ کا کلام مخلوق نہیں ہے۔

عقیدہ نمبر (۳۳):

اور اللہ تعالیٰ فنی (بذات خود موجود) ہیں مگر عام اشیاء میں سے کسی کی مانند نہیں ہیں اور فنی کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز بلا جسم (physical body) اور بلا جوہر (Energy) اور بلا عرض (Attributes) کے ذات اور قائم ہو؛ اور اللہ تعالیٰ کی ذات محدود (limits) میں محدود نہیں؛ اور کوئی اس کی ضد (opposita) نہیں کہ ضد کے ذریعے اس کو جان لیا جائے، کوئی اس کا شریک کار (Partner) نہیں اور کوئی اس کے مثل بھی نہیں ہے۔

نوٹ: آج کل کے سائنسی دور میں کمپیوٹر کی ایجاد کے ساتھ بہت سارے معجزات نے عکس کاروپ اختیار کر لیا ہے اس لئے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا نہیں ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام کمپیوٹر (Computers) کے کلام کی طرح ہے؛ جیسا کہ اس میں آلات و حروف

نہیں ہوتے اسی طرح ان میں بھی آلات و حرف نہیں ہوتے، مگر معلوم ہوتا چاہئے کہ کبھی ہر (Computers) کمپیوٹر کا کام چلانے میں کی بورڈ (Key bored) کے ساتھ پروگرامنگ (programming) کا محتاج ہوتا ہے حتیٰ کہ پرنٹ کرنے، انٹرنیٹ پر فائل ڈاؤن لوڈ (Down lode) کرنے یا اپ لوڈ (Up lode) کرنے میں محتاج ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا فیہی نظام کسی طرح کی مشینری کی مانند اور کسی (opreater) (driver) کے محتاج نہیں ہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ اس قسم کی مثالوں سے بھی بلند تر اور بالاتر ہیں۔

بَابِ پَنْجَم:

متشابہات میں اللہ تعالیٰ کی طرف تفویض کا بیان

عقیدہ نمبر (۳۳):

اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہاتھ، اور چہرہ، اور پس جمعی صفات بھی ثابت ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اصحاء و جوارح کا تذکرہ کیا ہے؛ مثلاً: ”وہ“ کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

كُلُّ خَيْرٍ خَلَقَ الْاَوْجُهَةَ

ہر شے ہلاک ہو جانے والی ہے سوائے اس کے وہ کہ۔

اور یہ (ہاتھوں) کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوا:

يَا اَللّٰهُ فَوْقَ اَنْبِيَانِهِمْ

خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے

اور پس کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہے:

تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَا اَخْلَعُ مَا فِيْ نَفْسِكَ

حضرت مسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

اے اللہ جو میرے دل میں ہے وہ سب کچھ تو جانتا ہے لیکن جو میرے پس میں ہے اس

میں سے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔

یہ کچھ بھی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے اصحاء یعنی ہاتھ، پس، اور چہرے کا تذکرہ

کرتے ہوئے فرمایا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات ہیں جو بلا کیفیت ہیں:

عقیدہ نمبر (۳۵):

ہم اللہ تعالیٰ کے اصحاء و جوارح کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ

فقہ اکبر و اہل ————— ۲۱۷

سے مراد اس کا دست قدرت یا دست نعمت ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ذاکل ہو جائے گی۔

دست سے مراد دست قدرت یا دست نعمت لینا یہ رائے فرقہ قدریہ اور معتزلہ فرقہ کی ہے بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد دست قدرت یا دست نعمت ہے؛ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جو بلا کیف ہے:

حقیقہ نمبر (۳۶):

غضب اور رضا اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے دو صفتیں ہیں اور یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی دیگر صفات کی طرح بلا کیفیت ہیں۔

حقیقہ نمبر (۳۷):

اللہ تعالیٰ نے بلا کسی دوسری چیز یا غرض کی مدد کے تمام اشیاء کو پیدا کر دیا ہے

حقیقہ نمبر (۳۸):

اور اللہ تعالیٰ ازل سے تمام اشیاء کو ان کے پیدا کرنے سے بھی پہلے سے جانتے ہیں۔

باب ششم:

اللہ تعالیٰ کی تقدیر، مشیت اور تخلیق کا بیان

عقیدہ نمبر (۳۹):

اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو کائنات کی ہر شے کی تقدیر (Programming) اور اس کا فیصلہ (planing) کرتی ہے:

عقیدہ نمبر (۴۰):

اللہ تعالیٰ آفرین و خالق ہے۔ اس کی ہر شے جو اللہ کی مشیت، اس کے علم، اور اس کے فیصلے، اور اس کی تقدیر اور لوح محفوظ میں لکھے جانے کے بغیر معرض وجود میں آجائے؛ لیکن اللہ تعالیٰ ہر چیز کو اس کی تمام اوصاف (Qualities) کے ساتھ مقید کر کے لوح محفوظ میں لکھا ہے۔ کہ صرف ان کا حکم بیان کر کے لکھا ہے۔

عقیدہ نمبر (۴۱):

اور یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی قضاء اور قدر اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات ہیں جو جوازی ہونے کے ساتھ بلا کیفیت و بلا مشیل ہیں۔

عقیدہ نمبر (۴۲):

کوئی معدوم جب عدم کے پردوں میں چھپا ہوتا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں، اور یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ معدوم وجود میں آنے کے بعد کیا رنگ و روپ اختیار کرے گا۔

عقیدہ نمبر: (۴۳)

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ موجود کے وجود کا روپ اختیار کرنے سے پہلے اور وجود میں آنے کی صورت میں اور ان کے فنا ہونے اور اس کے بعد کی حالت کو کہہ دیا ہوگا اور اس کی فنا کیسے ہوگی: ان سب کو ان کے تمام احوال سمیت جانتے ہیں۔

عقیدہ نمبر: (۴۴)

اور اللہ تعالیٰ ہر قائم کو اسکے قیام کی حالت میں آنے سے پہلے ہی جانتے ہیں۔

عقیدہ نمبر: (۴۵)

اور یہی قائم جب مٹ جاتا ہے تو اس کے مٹ جانے کا وقت اور مٹنے کے بعد کا علم بغیر ساتھ علم کے زوال یا نئے علم کی آمد کے پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا ہے: بلکہ بلا تغیر و حدوث اللہ تعالیٰ کی ذات کے علم میں ہے۔

اور یہ تغیر و تبدل اور مختلف احوال یا ایک حال سے دوسرے حال میں بدلنا یہ مخلوقات کی صفات میں سے ہے اور مخلوقات کے ساتھ اسی طرح تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔
نوٹ: معدوم سے مراد وہ مخلوقات ہیں جو تمام مخلوقات (existences) کی نظر اور علم میں معدوم ہو:

وہ اللہ تعالیٰ کی نظر اور علم میں کائنات کی کوئی چیز معدوم نہیں ہے جیسا کہ ائمہ علم کلام کا کہنا ہے:

والمعلوم ليس بغير

یعنی معدوم کی اپنی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

اس جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے سے مطلب یہ ہے کہ معدوم ایسے وجود کا نام ہے جو وجود کی تعریف میں نہیں آسکا: اسی لئے ائمہ علم کلام نے موجود کی تین اقسام بیان فرمائی ہیں۔

فقہ اکبر وابط ————— ۲۲۰

واجب الوجود: واجب الوجود وہ چیز ہے جو اپنے ہونے میں خود اپنی گواہ ہو اور کسی غیر کی محتاج نہ ہو اس کی مثل ذات باری تعالیٰ ہے۔

ممکن الوجود ممکن الوجود سے مراد کائنات کے باقی تمام موجودات ہیں اور اس سے مراد وہ موجودات ہیں جو اپنا وجود از خود قائم نہ رکھ سکتی ہوں بلکہ ان کا وجود باقی رہنے میں کسی حی اور قیوم کی مستقل ضرورت ہو۔

متنوع الوجود اس سے مراد ایسا وجود ہے جو اپنے ہونے میں کسی ہونے کو دلیل بنا کر پیش نہ کر سکے۔

لوہا کر معدوم کی نسبت مخلوقات کی طرف کی جائے تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ معدوم ایسی مخلوقات کا نام ہے جو انسانی دھرس میں نہ آسکے واللہ تعالیٰ اعلم

باب ہفتم

ایمان اور کفر کی حقیقت اور انسانوں کی تخلیق

حقیقہ نمبر (۳۶):

ہر ایک انسان کو اللہ تعالیٰ نے کفر اور ایمان سے سالم پیدا کیا ہے: پھر (عالم آسمان) میں ان سب کو حجاب کیا اور ان کو بعض باتوں کا حکم دیا اور بعض باتوں سے منع کیا۔ اس کے بعد کفر اختیار کرنے والے نے اپنے قول و فعل اور ان کار میں حق تعالیٰ کی مخالفت کی اور یہ سارا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس شخص کو ایمان و کفر ہونے کی توفیق نہ ملنے کی وجہ سے ہوا ہے۔

اور ایمان لانے والا شخص اپنے عمل اور اپنی زبان سے اقرار اور اپنے دل کی تصدیق سے باور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو عطا کردہ توفیق اور مدد کی وجہ سے ایمان دار بنتا ہے۔

حقیقہ نمبر (۳۷):

اللہ تعالیٰ نے آدم کی پشت سے ذروں کی فصل میں ان کی ساری ذریعہ نکالی، پھر ان کو ارض کی نعمت سے نوازا، پھر ان کو اپنے نضر: المسک ہر نکم (کیا میں تمہارا رب ہوں کہ نہیں؟) کا حجاب نکالا اور ان کو ایمان لانے کا حکم صادر فرمایا اور راہ کفر اختیار کرنے سے منع فرمایا اور اس وقت سب نے مل کر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا اور یہ دو راستہ میں ان مخلوق کا اقرار اصل میں ایمان بنا تھا۔

حقیقہ نمبر (۳۸):

ان سب انسانوں کو اسی خطر پر پیدا کیا: جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَتَاخُذُ بِهَا السَّبِيلَ إِلَّا جُرَّأَوْ إِنَّا نَحْفُورُ

ہم نے اس انسان کو سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی، بعض ان میں شکر گزار اور
کچھ نافرمان ہو گئے:

عقیدہ نمبر (۴۹):

اور امر ثالث ہر حکم کے بعد جس نے بھی نافرمانی والا راستہ اختیار کیا، اس نے
اللہ کی طرف سے عطا کردہ فطرت میں تبدیلی کی، اور جو شخص ایمان لایا اس نے اللہ کی طرف
سے عطا کردہ فطرت کی تقدیس کی اور وہ راستہ پر ثابت قدم رہا، اور حقیقی اختیار کر کے
صاحب ایمان بنا۔

عقیدہ نمبر (۵۰):

اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو کفر یا ایمان کے اختیار کرنے پر مجبور نہیں کیا؛ کہ ان پر یہ
لازم کیا گیا ہو کہ وہ لازماً اور ہر صورت میں اسلام یا کفر کو اختیار کریں۔

عقیدہ نمبر (۵۱):

اور نہ ہی ان کی فطرت کو ایمان یا کفر پر مقرر خلق کیا گیا ہے، البتہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی
خلق کا مل و مکمل شخصیات کے اعزاز میں کی ہے۔

عقیدہ نمبر (۵۲):

جبکہ کفر اور ایمان کا اختیار کرنا بندوں کے اپنے افعال ہیں، جو انہوں نے کسب و عمل
کے ذریعے اختیار کئے ہوئے ہیں۔

عقیدہ نمبر (۵۳):

مگر اللہ تعالیٰ اپنے کمال علم کی بنا پر کافر کے کفر اختیار کرنے کو پہلے ہی سے جانتے ہیں
کہ یہ کافر ہوگا، اور اس کے بعد جب وہ شخص ایمان لاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایمان پر
ہونے اور اس کے ایمان کا وجہ اور مرتبہ بھی جانتے ہیں کہ یہ شخص کس وجہ کا مسخمن ہوگا، جب

کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی تغیر اور تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔
 نوٹ: اسلام کی فطرت پر پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص اصل فطرت میں مسلمان
 ہونے کی کامل الہیت رکھتا ہے، کیونکہ ہر قول و فعل کے درمیان افراط و تفریط سے بچنے کا نام
 اسلام ہے، اور افراط و تفریط کی صورت میں دونوں قسم کی انتہا پسندی انسان کو راہ راست سے
 ہٹا دیتی ہے؛ جو ماحول کے اثرات سے انسان میں پیدا ہوتی ہیں؛ اور ماحول کے اثرات کے
 عناصر ترکیبی: خاندان، ماحول، رسم رواج، تعلیم اور انداز فکر ہے؛ جبکہ اسلام راہ اعتدال،
 اور صراطِ مستقیم، اور محبت اور الفت سے زندہ رہنے کا نام ہے؛ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے فرمایا:

الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَبَدَنِهِ
 صحیح معنوں میں مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ سے کچھنے والی لہجہ، اور زبان سے
 کچھنے والی ایذا سے ہر دوسرا مسلمان محفوظ رہے؛

ایک حدیث حضرت امام صاحب نے ان الفاظ میں نقل فرمائی:
 اَنْ يُولَدَ كُمْ وَلْيُولَوْا عَلَى الْفِطْرَةِ، فَلَا تَدَاوَهُم بِالْعَصْرِ وَلَا تَحْمِلُوهُمْ
 تمہاری اولادوں کو فطرت پر پیدا کیا گیا ہے لہذا ان کو شراب نہ بطور دوائی اور نہ بطور
 غذا دیا کرو۔

ایک اور حدیث میں ارشاد نبوی وارد ہوا ہے کہ:
 لَا عَصْرَ لِي مِنْ لَا يَأْلَفُ وَلَا يَأْلَفُ
 ایسے شخص میں کوئی خیر نہیں، جو شخص اوروں کے لئے اپنے دل میں الفت نہیں رکھتا، اور
 اس کی برائیوں کی وجہ سے کوئی شخص اس سے الفت اور محبت کا دم نہیں بھرتا۔ لہذا ہر مسلمان کو
 اللہ نے قوانین فطرت کے مطابق پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اتَّخَذَ لِلنَّاسِ مَنَاسِكَ مِمَّا فَرَغَ أَفْعَاكُهُمْ
 ہر انسان کو ہم نے راہِ ہدایت دکھائی، اب چاہے وہ شکر گزار کی کر کے راہِ ایمان، یا

ہشکری وافرمانی کر کے ماہ کفر اختیار کر لے۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ: ابتدائی عمر میں آدمی کو بلا کسی تکلیف اور تکلف کے اسلام یا ایمان حاصل ہو جاتا ہے، مگر اس کے بعد درجہ ایمان میں بلندی پر جانے یا راتو کفر اختیار کرنے کے لئے دونوں طرف محنت اور مشقت کرنی پڑتی ہے:

نوٹ: ہر: است برکم ایک معاہدہ تھا، جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس دنیا میں بھیجے سے پہلے عالم ارواح میں چھوٹے چھوٹے ذروں کی شکل میں پیدا کر کے کیا تھا: اس میں اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو ذروں کی شکل میں ایک جگہ جمع فرمایا اور ان کو مخاطب کر کے پوچھا: اللہ بزرگم؟ کیا میں تمہارا رب ہوں یا نہیں؟ تو اس وقت سب ڈرے لما انسانوں نے یک زبان ہو کر یہ جواب دیا تھا: ہللی وزتنا ایمنی ہیں آپ ہی ہمارے رب ہیں: جب یہ مجدد لیا گیا اس زمانے کو مجدد است کہتے ہیں: اور اس اختصار اور اقرار کو جو انسان اور رب مبین کے مابین ہوا، ہر است کہتے ہیں، اور اس دنیا میں جو انسان ایمان کی نعمت سے حرین ہوتے ہیں اس کو: اجر است کہتے ہیں: اور جو لوگ اس دنیا میں بے ایمان رہ جاتے ہیں اس کو: کفر است کہتے ہیں: اور ایمان کی طرف اپنے دوستوں کو بلا اور اس کی دعوت عام کرنا کفر است ہے: اور اسی مقصد کے لئے لوگوں کو مداحہ و صحت کرنا کفر است کہلاتا ہے۔

باب ہشتم

انسانوں کے افعال کی حقیقت کا بیان

حقیقہ نمبر (۵۴):

انسانوں کی تمام حرکات اور سکنا سکنا اور ان کے تمام افعال حقیقتاً ہی ان کی اپنی کمائی اور اپنی ہی ذمہ داری پر ہیں؛ جبکہ ان سب انسانوں کے تمام اعمال کے حقیقی خالق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہیں

حقیقہ نمبر (۵۵):

اور ان تمام اعمال کا صادر ہونا اللہ تعالیٰ کی مشیت؛ ان کے علم، اور انہی کے فیصلے اور ان کی قدرت اور ان کی مشیت سے معرض وجود میں آتے ہیں:

حقیقہ نمبر (۵۶):

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیہب کردہ تمام اطاعات، انہی کے امر اور رضا اور انہی کے اور مشیت، اور انہی کی قضا اور تقدیر کے مقدر کرنے سے معرض وجود میں آتے ہیں۔

حقیقہ نمبر (۵۷):

تمام محاسن اور ہر قسم کے گناہ اللہ تعالیٰ کے علم کمال کی وجہ سے اور انہی کی قضا اور تقدیر کے مقدر کرنے اور انہی کی مشیت سے معرض وجود میں آتے ہیں۔

لیکن بندوں سے ان کے محاسن اور گناہ کے صادر ہونے میں، نہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور نہ ہی ان کا حکم ان گناہوں کے صادر ہونے میں ان بندوں کے شامل حال ہے۔

باب نہم:

انبیاء اور اولیاء اور صحابہ کرام کے بارے میں عقائد

عقیدہ نمبر (۵۸):

اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے پاک اور سزا ہوتے ہیں، اسی طرح کفر اور فحش باتوں اور فحش حرکات و سکنات سے بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے محفوظ ہوتے ہیں؛

عقیدہ نمبر (۵۹):

ہر کسی بکھاراں سے بھول چوک، اور دنیاوی کاموں میں معمولی خطائیں سرزد ہو جاتی ہیں (ان کی حد بھی بس اسی قدر ہوتی ہے جو آپ نے خود فرمایا: رفع من اثمی الخطاء والذنوب یعنی میری امت سے بھول چوک معاف کر دی گئی ہے)

عقیدہ نمبر (۶۰):

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے دوست، اس کے بندے اور اس کے رسول اور اس کے نبی، اس کے برگزیدہ اور اس کے چنے ہوئے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی میں کسی چیز کی پوجا نہیں کی: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پلک جھپکنے کی مقدار کے برابر بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر کو شرک نہیں کیا اور نہ ہی آپ نے اپنی ساری زندگی میں کسی کسی صلیب یا کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔

عقیدہ نمبر (۶۱):

تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد امت میں سب سے افضل شخصیت کا نام

(خلیفہ اول) حضرت سیدنا ابوبکر الصدیقؓ ہیں: ان کے بعد
 (خلیفہ دوم) حضرت سیدنا عمر بن الخطابؓ القاروقیؓ ہیں: ان کے بعد
 (خلیفہ سوم) حضرت سیدنا عثمان بن عفانؓ ذو النورینؓ: اور ان کے بعد
 (خلیفہ چہارم) حضرت سیدنا علی بن ابوطالبؓ المرتضیٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں
 عقیدہ نمبر (۶۲):

یہ تمام صحابہ ایسے ہیں جو حق پر تھے رہنے والے اور ہر قسم کی مشکلات میں سہاگی پر ثابت
 قدم رہنے والے تھے: اور ہم ان سب کو اپنا دوست رکھتے اور ان سے محبت کرتے ہیں:
 عقیدہ نمبر (۶۳):

اور ہم تمام صحابہ رسولؐ میں سے ہر ایک کا تذکرہ صرف اچھے انداز میں کرتے ہیں۔
 (اس موضوع پر تفصیلی بحث فقہ الاہل میں کی گئی ہے)
 نوٹ ۵۹: واضح ہو کہ انبیاء کرام سے دینی کاموں میں بھول جانا اور دنیاوی کاموں میں
 بھول چوک اور معمولی غلطی سرزد ہوتی ہے وہ امور دنیا میں سے ہوتی ہے اس کو گناہ نہیں کہا
 جاتا: کیونکہ انبیاء کی بعثت کا مقصد اصلی یہ ہوتا ہے کہ انسانوں کو دین میں اللہ تعالیٰ کے فرائض
 پہنچانے اور دنیاوی امور میں بھول چوک سے بچانے کی طرف مائل کریں
 اور عبادت و عبادت کی طرف مائل کریں اور اپنی زندگی میں اختیار کریں:
 اور انبیاء کرام کا امور دنیا میں چھوٹا اصلی مقصد عبادت کی طرف مائل کرنا ہوتا ہے اس
 لئے اگر اس تجربے میں کوئی بھول چوک ہو جائے تو بھی شریعت اس کو گناہ شمار نہیں کرتی جیسا
 کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

رُفِعَتْ عَنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ الْغَطَا وَالنِّسَانِ

یعنی میری امت سے غلطی اور بھول چوک سے ہونے والے گناہ معاف کر دے گئے

ہیں۔

بَابِ دَعْوِی

مسلمانوں پر اور ان کے گناہوں کے اثرات کا بیان

عقیدہ نمبر (۶۳):

ہم کسی مسلمان کی اس کے کسی بھی گناہ کی وجہ سے ٹھیک نہیں کرتے، اگرچہ وہ گناہ کبیرہ ہی کیوں نہ ہو، تاہم عقیدہ اور کتاب گناہ اس گناہ کو جلال اور جائز سمجھ کر کرتا ہے۔ اور ہم نہ ہی کسی مسلمان سے اس کے ایمان کے زائل ہونے اور کفر میں مبتلا ہونے کا فیصلہ دیتے ہیں بلکہ ہم ان کو حقیقی معنوں میں مومن کہیں گے۔

عقیدہ نمبر (۶۵):

ہمارے نزدیک یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک شخص مومن ہونے کے ساتھ ساتھ فاسق بھی ہو، مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ مومن اپنے ایمان کے ہوتے ہوئے کافر بھی ہو جائے۔ نوٹ: اللہ تعالیٰ کے اوصار میں سے کسی بھی امر کو ترک کر دینا یا اس کی نافرمانی کرنا، یا ممنوعات میں سے کسی بھی مانع کی بجا آوری گناہ کہلاتی ہے۔ اور ایمان اور اہل ایمان کی ان کے گناہوں کے اثرات کی وجہ سے چار اقسام ہیں۔

پہلی قسم: ہم جتنے مرضی گناہ کرتے رہیں اس سے ہمارے ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا بلکہ ہم سختی ہی رہتے ہیں یہ طبقہ مرتبہ بالا ہے کہلاتا ہے

دوسری قسم: گناہ کی وجہ سے گناہگار کافر ہو جاتا ہے تاہم عقیدہ و تہجد یا ایمان نہ کر لے۔ تیسری قسم گناہ کرنے سے وہ گناہگار ایمان اور کفر کے مینا میں ہو جاتا ہے یعنی نہ تو وہ

کفر میں شامل ہوتا ہے اور نہ اسلام سے ملتا ہے۔ یہ رائے معتزلہ کی ہے چوتھی اور اصل رائے جہاں السنۃ و الجماعت کی رائے ہے وہ یہ ہے کہ گناہ اللہ رب العزت سے معافی مانگنے سے معاف ہو جاتے ہیں اور معافی نہ مانگنے سے وہ بعض اوقات انسانوں کو کفر کے قریب کر دیتے ہیں۔

کتاب یازنہ

موزوں پریم اور مضامین میں تراویح کے بارے میں عقائد

مقیدہ نمبر (۶۶):

اسی طرح اہل السنۃ والجماعت کی کتابوں میں سے یہ ہے کہ وہ موزوں پریمت کچھ
کرم کو جائز سمجھیں۔

مقیدہ نمبر (۶۷):

اہل السنۃ والجماعت کے معمولات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ مضامین کی تمام باتوں
میں سنۃ کچھ کرنا تراویح لہا کرتے ہیں۔

اہم ترین نوٹ: ہم اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک علم عقائد کے اصول، یا اصول
اسول اللہ میں کی کل تعداد تین ہے۔

(۱) کتاب اللہ کی آیات و حکم (۲) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور

(۳) اجماع الامت و عوارض

(۱) پہلا اصول: اللہ تعالیٰ کی کتاب کی حکم آیات میں سے جو بات بھی ثابت ہو جائے
وہ تمام مسلمانوں کے عقیدے کی بنیاد بن جاتی ہے لیکن اس میں تھوڑی جھڑپیں ہوں گے کہ ان
میں سے آیات و صحیبات عقیدے کی بنیاد نہیں بن سکتی بلکہ ان کے عقیدہ بننے کے دو
راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کیا جاتا ہے۔

پہلا راستہ تفویض کا راستہ ہے اور دوسرا تاویل کا راستہ ہے۔

تفویض کے راستے سے مراد یہ ہوتا ہے کہ اس میں ان مصلحت کے مطہم کو اللہ تعالیٰ
کے پروردگار دیا جاتا ہے اور اس کا حقیقی مطہم اللہ تعالیٰ کی مرضی اور قضاء کے مطابق مان کر اسی

کے پروردگار یا جاتا ہے ان کو مغضوب کہا جاتا ہے۔

تاویل کے واسطے سے مراد یہ ہے کہ ان آیات کا مطہر لغوی طور سے متعین کرنے کے بعد اپنے عقائد کو اس کے مطابق متعین کر لیا جاتا ہے جو لوگ اس اعداد و فکر کے قائل ہوتے ہیں ان کو مؤذکہ کہا جاتا ہے۔

عام اہل السنۃ والجماعت بالعموم مغضوب ہیں جبکہ اکثر علمائے حنبلیہ و مولدہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔

لیکن اس مفہیم کی تعین میں شرط یہ ہے کہ وہ سنت رسول اللہ متواترہ کے خلاف نہ ہو۔
(۲) دوسرا اصول: اگر کوئی مسئلہ کتاب اللہ میں سے دریافت نہ ہو اور اس کے بارے میں جو چیز سنت متواترہ میں سے ثابت ہو جائے وہ بھی عقائد کی بنیاد بن جاتی ہے اور اس سے عقائد متعین کئے جاسکتے ہیں اس بارے میں مذکورہ متن میں جو مسائل تراویح اور صبح کے بارے میں مذکور ہیں وہ بھی عقائد کی اسی لئے بنیاد قرار پاتے ہیں کیونکہ وہ سنت متواترہ کے درجے میں ہیں، اس لئے کہ حضرت امام اعظم کے اصول حدیث میں سے یہ بات ہے کہ آپ نے فرمایا جب تک مجھے کسی حدیث کی سو سے زیادہ سندیں یاد نہ ہوں تو میں اس کے بارے میں اپنے آپ کو یتیم شمار کرتا ہوں اور امام اعظم کی سوانح دوسرے ائمہ کے نزدیک حدیث متواترہ کے قائم مقام بن جاتی ہیں، لہذا وہ احادیث عقائد کی بنیاد کے طور پر بیان کی جاتی ہیں جیسا کہ متن سے معلوم ہوتا ہے۔

(۳) تیسرا اصول: اجماع امت اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک علم عقائد کی بنیاد بن سکتی ہے ہاتی بہت سارے فرقے اس میں مخالف کرتے ہیں، اس کی حریہ تفصیلات شرع فقہ اکبر میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

نوٹ نمبر ۶۶: موزوں پر مس کرنے کی چند شرائط ہیں:

پہلی شرط: یہ کہ کامل طہارت حاصل ہونے کے بعد پہننے گئے ہوں،

دوسری شرط: یہ ہے کہ موزے اتارنے سے پہلے کے ہوں کہ لٹخوں تک دلوں پاؤں کو

چھپائیں۔

تیسری شرط: یہ ہے کہ ان کو پینے کے بعد ان میں متواتر ایک میل تک چلنا ممکن ہو:
چوتھی شرط: یہ ہے کہ سوزے پاؤں کی تین چھوٹی انگلیوں یا اس سے زیادہ مقدار پھن سے محفوظ ہوں۔

پانچویں شرط: بلا کسی چیز کی بکڑ کے وہ پاؤں پر خود بخود نکلے رہیں:
چھٹی شرط: یہ ہے کہ پانی سوزے سے گزر کر پاؤں تک نہ پہنچے پائے:
ساتویں شرط: اور پاؤں کا پنجہ کم از کم تین انگلی کی مقدار باقی ہو۔
نوٹ نمبر: ۶: اس باب میں مندرجہ ذیل بحثیں ہیں:

بحث اول تراویح کی مشروعیت:

تراویح کے ضمن میں جو مضمون ہے وہ صرف اس قدر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من قام رمضان ايماناً واحساناً غفر له ما تقدم من ذنبه (البخاری)
جس شخص نے رمضان میں اپنے محاسبہ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے قیام رمضان کا معمول جاری رکھا، اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ تمام گناہ معاف فرمادیں گے، اسی طرح ایک اور حدیث میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان الله عز وجل فرض صيام رمضان و سنت فيه (احمد)
اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے تم پر فرض کئے ہیں اور میں تم پر رمضان کا قیام سنت کرتا ہوں۔

اور تراویح کا تذکرہ طہم مقام میں کیا جا تا ہے اس کی وضاحت اس سے پہلے ایک نوٹ میں کی جا چکی ہے۔

بحث دوم جماعت تراویح:

حضور اکرم نے اپنی پوری زندگی میں صرف تین راتوں میں نماز تراویح پڑھی تھی اور

تیسرے پانچ دن نماز تراویح کے لئے تشریف نہیں لائے اور اس کی وجہ ان الفاظ میں اور شہد فرمائی:

وَلَمْ يَخْضَعِي مِنَ الْمَعْرُوجِ بِالْحُكْمِ إِلَّا بِنِي خُطْبَتِ أَنْ تَقْرَأَ مِنْ عِلْمِكُمْ (بخاری)
ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ رمضان میں تراویح کی تعداد رکعت حضور اکرمؐ سے
تخصیص اور ثابت نہیں ہے۔

اور یہی ماجرا حضرت ابو بکرؓ کی خلافت اور ابتدائے زمانہ خلافت عمرؓ میں رہا، اس کے
بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ کی اقتداء پر تمام صحابہ کو جمع فرمادیا مگر وہیں سبج
تراویح جماعت کے ساتھ ہونے کا معمول شروع ہوا:

فَقَالَ عُمَرُ: إِنِّي أَرَى قَوْمًا جُعِلَتْ قُلُوبُهُمْ غُلًا لَئِي فَلَاحِي وَرَاسِهِمْ لُكْنَانُ
فَعَلَّ - فَمَ قَوْمُهُمْ لِيُخْضَعُوا عَلَيَّ إِنِّي إِنِّي خُطْبُ (ابن ماجہ)
حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں نے سوچا کہ اگر سب لوگوں کو ایک کاری کی اقتداء میں
تراویح کے لئے جمع کروں تو یہ بہت اچھی بات ہوگی: پھر اس کا فیصلہ کیا اور سب لوگوں کو
ایک کاری کی اقتداء میں تراویح کا حکم صادر فرمادیا:

بحث سوئم تراویح کی تعداد اور رکعات:

اب سوال یہ ہے کہ تراویح کتنی رکعات ہیں؟

حضرت سائب بن یزیدؓ سے کیا وہ رکعات تراویح مقبول ہے: اور فرماتے ہیں:

أَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَيْبَى بْنِ كَعْبٍ وَطَمِيمَ اللَّيْثِيَّ أَنْ يَقْرَأَ بِاللَّحْدِ
بِأَحَدِي خَمْسٍ وَرَكْعَةً.

حضرت عمر بن الخطابؓ نے ابی بن کعب اور تمیم الداری کو حکم دیا کہ لوگوں کو گیارہ
رکعات نماز پڑھائیں۔

دوسری روایت: یزید بن رومان سے ہے۔

كَانَ النَّاسُ يَقْرَأُونَ فِي رَمَضَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِي وَخْطَانِ ثَلَاثَ

فقہ اکبر واسطہ ————— ۲۳۳

وَعَشْرِينَ وَتَحْتَهُ (اخرجا مالک بروایت امام محمد)

حضرت عمر بن الخطاب کے زمانے میں امت کے جمہور ائمہ کرام کا اس بات پر اجماع تھا کہ: نماز تراویح کی مقدار بیس رکعات ہیں اور اسی طرح کی آداب امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اور امام اعظم ابوحنیفہ کی ہیں، لہذا معلوم ہوا کہ یہ سب اپنے وقت کے بڑے اعلیٰ درجہ کے آئمہ کبار اور علوم حدیث، علوم فقہ اور علوم قرآن کے ماہرین تھے:

باب دوازدھم:

اہل ایمان پران کے ایمان اور گناہوں کے اثرات کا بیان

عقیدہ نمبر (۶۸):

ہم اہل السنّت والجماعت کے نزدیک ہر قاسق و قاجر کی اقتداء میں نماز ادا کرنا جائز ہے: اور جو شخص اس کے عدم جواز کا قائل ہے وہ اہل بدعت میں سے ہے اور اہل السنّت والجماعت کے دانت سے ہٹا ہوا ہے۔

عقیدہ نمبر (۶۹):

اور ہم اہل السنّت والجماعت کے تمام لوگ یہ نہیں کہتے کہ کسی مومن کو اس کے سناہ کے در کتاب سے کوئی نقصان نہیں ہوگا: اور ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ وہ جہنم میں داخل نہیں ہوگا: یا یہ کہ وہ قاسق اور قاجر ہونے کی وجہ سے ہمیشہ جہنم میں رہے گا بشرطیکہ دنیا سے ایمان کی حالت میں رخصت ہوا ہو۔

ہاں اگر اس کی موت ایمان پر نہ آئی ہو تو اس کے بارے میں یہی فیصلہ ہے کہ وہ دائمی جہنمی ہے۔

عقیدہ نمبر (۷۰):

ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ ہماری نیکیاں اللہ تعالیٰ کے ہاں لازماً مقبول ہیں: اور ہمارے گنہ و ضرر معاف ہوں گے جیسا فرقہ مرجعہ کا کہنا اور ان کا مسلک ہے اور ہمارا مرجعہ فرقہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

عقیدہ نمبر (۷۱):

لیکن اس بارے میں اہل السنۃ والجماعت کا قول یہ ہے کہ مسئلہ کی حقیقت واضح ہو چکی ہے اور اس کو مفصل طور سے بیان کر دیا گیا ہے۔ بلکہ اجماع غصص نیک عمل کرتا ہے اور اس کا وہ نیک عمل ہر قسم کے شرعی عیب سے پاک: اور عمل کو قاسد کرنے یا باطل کرنے والے اسباب سے محفوظ ہو: اور بندہ ایمان کے بعد کفر یا ارتداد کے کسی عمل کے ارتکاب کے ذریعے اپنے عمل کو قاسد کئے بغیر ایمان کی سلامتی کے ساتھ اس دنیا سے روانہ ہوا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کا عمل کبھی بھی ضائع نہیں کریں گے بلکہ ان کے اعمال کو قبول کریں گے اور اس پر ان کو ضرور اجر و ثواب دیں گے۔

عقیدہ نمبر (۷۲):

اور معلوم ہوتا چاہئے کہ شرک اور کفر کے علاوہ جتنے گناہ ہیں اگر ان کے کرنے کے بعد کوئی مومن توبہ کئے بغیر مر جائے تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور چاہت پر منحصر ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کو معاف کر دے اور چاہے تو اس کو جہنم کا عذاب دے: اور اس کا معاف کرنا بھی اللہ کی چاہت پر منحصر ہے کہ سرے سے اس کو سزا ہی نہ دے۔

عقیدہ نمبر (۷۳):

اور یہ بھی معلوم ہوتا چاہئے کہ انسان سے صادر ہونے والے بڑے سے بڑے عمل میں ریاکاری شامل ہو جائے تو وہ سرے سے اس عمل کے اجر کو باطل کر دیتی ہے: اور اسی طرح عجب بھی اعمال کے اجر کو ضائع کر دیتا ہے

نوٹ: بایہ رائے اہل تشیع کی ہے جو اللہ پر عمل کو لازم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے گناہوں کا بدلہ اور ہماری نیکیاں پورے اجر و ثواب کی مستحق ہیں اور اللہ پر لازم کہ اس کا پورا بدلہ عطا کرے (جبکہ اہل السنۃ والجماعت کا موقف یہ ہے: مسئلہ واضح اور ظاہر ہے کہ جو شخص عمل صالح کرتا ہو اور وہ تمام شرائط ضروریہ پر پورا اترتا ہو: اور عمل کو باطل کرنے والے

تمام محبوب سے خالی ہو، اور اس شخص نے کفر و ارتداد سے بھی قسبے اٹھانے کو باطل نہ کیا ہو اور وہ آدمی اسی حال میں دنیا سے رخصت ہو گیا تو وہ مومن ہے، اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو صالح نہیں کرے گا بلکہ بن کو قبول کرے گا اور اس کو پورا اجر و ثواب عطایت کرے گا، پھر یہ ثواب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی وجہ سے ہے نہ کہ اس آدمی کے ہتھار ہونے کی وجہ سے، یعنی اس نے اچھے اچھے اعمال سر انجام دیئے کہ وہ اس اجر کا حقدار قرار پایا کہ اس کو پورا اجر ملنا چاہئے۔

نوٹ نمبر ۳۷: احادیث میں زیادہ اور دیکھا دھڑک احمد کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے اور زیادہ نام ہے آخرت کے لئے کئے گئے کسی عمل پر دنیا کا فائدہ حاصل کرنا۔ اسی لئے امام ابو الحارث الحاسبی (المتوفی ۳۳۵ھ) پر پا کا تعارف ان الفاظ سے کرواتے ہیں:

الرباء اداة العبد للعباد يحصل الاخرة

زیادہ نام ہے بندہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت والے کاموں سے بندوں کی رضا و خوشنودی حاصل کرے، اور یہ اخلاص کی حمد ہے۔ اور زیادہ کاری میں انسان اپنی معمول کی عبادت سے لوگوں پر پیکار کرتا ہے کہ میں جو اپنی چیز کا انسان ہوں، اور اس کا طالع ہے، ہے کہ اس کی ضد یعنی اخلاص کو حاصل کرنے کی بھرپور کوشش، اور اخلاص کے حصول کی مکمل کوشش کی جائے، اگر زیادہ کاری کے غطرہ کے بغیر ہو تو بھی عبادت ہے۔
کیونکہ یہ مومن کے لئے مقصود اصلی ہے:

حصول اخلاص کا طریقہ:

اس کے حاصل کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ۱۔ پہلا طریقہ سخت ہے اور وہ ہے:

(۱) اگر انسان کے سامنے مقصد اللہ تعالیٰ کے بطور کوئی اور زمین چکا ہو تو

(لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، لَا مَقْصُودَ إِلَّا اللَّهُ)

(۲) اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ مطلوب کوئی اور زمین چکا ہو تو

(لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، لَا مَطْلُوبَ إِلَّا اللَّهُ)

(۳) اگر اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ کسی اور کی محبت میں گرفتار ہو چکا ہو تو

(لا الہ الا اللہ ، لا معبودی الا اللہ)

(۴) اور اگر خیالات حشر و جہنم میں ایک سوئی نہ ہو تو

(لا الہ الا اللہ ، لا معبودی الا اللہ)

(۵) اور اگر دنیا کے اسباب و ایجادات سے بہت متاثر ہو تو

(لا الہ الا اللہ) کا ورد کثرت سے کرے

۲۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ کسی اللہ تعالیٰ کے قلم بندے کی تربیت میں

پہلے اس سے ذکر کا ذکر کی گنجین لیتا رہے اور یہی غنیمت ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے

نعمت کا کہ

يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين

یعنی اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور صادق لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ اور

(پہلا طریقہ) بھی قرآن کریم کی آیت

يا ايها الذين امنوا اذكروا الله ذكرا كبيرا

یعنی اے ایمان والو! کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

والله الامعاء المحسنی فلا تحمروہ بها

اور اللہ تعالیٰ کے کئی بہترین نام ہیں ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرو: ان

سب سے معلوم ہو رہا ہے

اور اسی طرح

(دوسرا طریقہ) بھی اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مرضی کے ضمن مطابق ہے لہذا ارشاد باری

ہے

يا ايها الذين امنوا اتقوا الله وكونوا مع الصادقين

فدا کبر وابط ————— ۲۳۸

یہ کہ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اپنا تعلق صادقین اور ظاہر و باطن کے لحاظ سے
چھ لوگوں سے جوڑ لو اور یاد رکھنا چاہئے کہ اخلاص سے ہی کسی عمل کی بارگاہ ربوبیت
میں اہمیت بنتی ہے کیونکہ اخلاص ایسا جوہر ہے کہ تمہارا عمل بھی اس کی وجہ سے شیر بن جاتا ہے۔
مصلی اللہ برزقہما آمین

باب سیزدہم:

معجزات کرامات اور استدراجات

عقیدہ نمبر (۷۴):

انبیاء کرام سے معجزات کا ظاہر ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہے: جبکہ اولیاء کرام کے لئے کرامات ثابت ہیں:

عقیدہ نمبر (۷۵):

اور مسئلہ ان لوگوں کا جو اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں جیسے اہلس فرعون اور وہابیہ ائمہ اللہ علیہم اجمعین ان کے بارے میں جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے ویسا ہی ہوا ہے اور ہوگا: البتہ ہم ان کو معجزات یا کرامات نہیں کہتے البتہ ان کا نام ہم بندوں کی حاجت برآری اور ضرورت پوری ہونا کہتے ہیں: اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ سب کی حاجات اور ضروریات پوری کرتے ہیں اور کفار کی حاجت برآری استدراجاً کی جاتی ہے اور اس طاقت کے ان کو دینے جانے سے مقصود ان کو سزا دینا ہوتا ہے جس سے وہ اور زیادہ دھوکے میں مبتلا ہوتے ہیں اور زیادہ سرکشی اور کفر میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک یہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاں جائز اور ممکن ہے۔

عقیدہ نمبر (۷۶):

اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے خالق ہیں مگر اس کے کہ کسی چیز کی تخلیق کی جائے اور اس کو وجود دیا جائے۔

مقیدہ نمبر (۷۷):

اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کما ہے ہی غنائوں سے رزق دیتے ہیں بل اس کے کہ ان کو رزق

دیا۔

نوٹ نمبر ۷۷: اولیٰ ما فیہ کی کرامات اصل میں انبیاء کرام کے خصوصیت ہی ہوتے ہیں: کیونکہ جس شخص کو کرامت ملتی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل پیروی کی وجہ سے ملتی ہے: اسی بناء پر ہم اس کو انبیاء کا مجرہ تسلیم کرتے ہیں: ورنہ اولیٰ ما فیہ کی بذات خود کوئی اہمیت و رابطت نہیں ہوتی کہ کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دے سکیں: بلکہ یہ انبیاء کرام کا اہتمام نظر ہی ہوتا ہے جو ان کے اس دیا سے چلے جانے کے بعد بھی جاری رہتا ہے: اور ان کی اطاعت کرنے والے شخص پر اپنا اثر دکھاتا ہے اور ان کی اس صفیہ پر پذیر ہوتی ہے:

نوٹ نمبر ۷۸: (اس کی زدہ مثال جیسے امریکہ کو بظاہر ناقابل تفسیر طاقت دی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے استدعا ہے: ان کی حقانیت کی دلیل نہیں اور جو لوگ ان باتوں کو دیکھ کر اپنا ایمان ضائع کرتے ہیں وہ اصل میں اللہ تعالیٰ کی آزمائش اور اس کی خفیہ تدبیر کی زد میں ہوتے ہیں اس قسم کی آزمائشوں سے اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے)

نوٹ نمبر ۷۹: یہاں مقیدہ ۷۷ سے کا وہ بارہ ذکر وہ اس لئے کیا گیا کہ معجزات و کرامات اور استدعا جات بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا مقہر اور نمود ہوتا ہے اس لئے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی وجہ سے ہے اور کوئی کمزور ایمان والا اس کو کفار کا کمال سمجھ کر کفر کی طرف مائل نہ ہو جائے اور دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو رزق دینا ہوتا ہے اور رزق نام ہے ہر عمل کو دنیا میں جاری و ساری رہنے کے لئے ضروری اسباب مہیا کرنا اور اللہ تعالیٰ کفار کو اپنے کفر کی طغیانی اور سرکشی کے لئے ضروری اسباب دیتا ہے اور ایمان والوں کو ایمان کی حفاظت کا تحفظ بخشتی کرتا ہے: واللہ تعالیٰ بوعفی من و شاء الی صراط مستقیم

باب چہارم:

رؤیت باری اور مسئلہ تشبیہ ذات باری کا بیان

عقیدہ نمبر (۷۸):

اللہ تعالیٰ آخرت میں دیکھے جائیں گے، اور مومن جنت میں اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھیں گے، اور ملل ایمان کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا بغیر کسی تشبیہ، اور بغیر کسی خاص کیفیت کے ہوگا، اور اس زیارت باری کے دوران اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان کوئی مسافت نہ ہوگی۔

نوٹ: اس مسئلے کی اصل ہے قرآن کریم میں ہے لہذا فرمان خداوندی ہے

ليس كمظله شيء وهو السميع البصير

اس کے مثل اس کی مخلوقات میں سے کوئی چیز نہیں ہے ہاں جو اس کے کردار مستطاب بھی ہے

اور جانتا بھی ہے۔

مشیت و مشاہد الہی کا مسئلہ قدیم زمانوں چلا آرہا ہے، اسی لئے مسلمانوں میں مشیہ، مجسمہ، مظلہ، مؤول، لا اور یہ، عندیہ، ورائیہ، حادیہ، وغیرہ قسم کے کثرتاً فرقتے معرض وجود میں آئے ہیں، اور انہوں نے ذات باری کے بارے میں جہاں مختلف انداز اختیار کئے ان میں سے ایک اہم ترین انداز وحدۃ الوجودی انداز بھی تھا، اس انداز کے ظاہری مطہم کو دیکھ کر جاہل صوفیاء اور لاعلم ملا سداپنے فلس کی تسکین میں یہاں تک پہنچ گئے کہ ان کا عقیدہ یہ بن گیا کوئی بندہ منت کرتے کرتے خود خدائی کے منصب پر فائز ہو سکتا ہے جیسا کہ درمیان مثل مشہور ہے

راہنما را ہنما کردی نہیں میں آپے پر راہنما ہوئی

اور ایک دوسرا طبقہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ ہم خدا تو نہیں بلکہ خدا کے اعضاء و جوارح بن سکتے ہیں، اور ایک تیسرا طبقہ جو خدا ایک رسائی کو سوہوم خیال کرنے لگا اور اس معاملے میں متاد اور دشمنی کے راستے پر چل پڑا اس وقت مختصر انداز میں ہم چاہیں گے کہ اس موضوع کی کچھ تفصیل بیان کریں:

اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے قاضی قیصر اسلام فرماتے ہیں:

”وحدۃ الوجود (pantheism) اصل میں یونانی الفاظ pan اور Theos سے مرکب ہے۔ جس میں pan کے معنی ہیں All یعنی تمام اور Theos کے معنی ہیں خدا کے ہیں۔ یعنی سب کچھ خدا ہے۔ عموماً اس نظریے کی رو سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ سب کچھ خدا ہے، اور خدا ہی سب کچھ ہے۔ خدا کو حرکت کائنات کے مماثل قرار دیا جاتا ہے، جس کی حقیقت سے ان کا رکھا جاتا ہے، کائنات سے خدا کے تعلق کے بارے میں یہ عقیدہ ہے کہ یہ ایک عید کل ہے، یہ نظریہ خدا کو کائناتی عمل میں طبعی اصول کی حیثیت سے دیکھتا ہے، اور اس سے ان کا ر کرتا ہے کہ وہ کائنات سے ماوراء ہے، لہذا یہ نظریہ الہ پرستی کے مخالف نظریہ ہے کیونکہ الہ پرستی خدا کی ماورائیت میں یقین رکھتی ہے۔

یہ نظریہ دنیا کے معروف فلاسفہ کا محبوب نظریہ ہے

ڈاکٹر فلنٹ (Flint) کہتا ہے کہ:

”جہاں کہیں بھی ہمیں آغاز اشیاء سے متعلق نگہرات ملتے ہیں وہاں ہمیں نظریہ وحدت الوجود کا بھی پتہ چلتا ہے“

اس نظریہ وحدت الوجود کو یونانی اور ہندوستانی فلاسفہ نے فروغ دیا ہے، شیلے (shelly) کارلائل (Carlyle) اور ایمرسن (Emerson) نے وحدت الوجود کے موقف کو اپنی ادبی تحریروں کے ذریعے فروغ دیا ہے، مگر اس نظریے کی مابعد الطبعیاتی وضاحت کے مستقل ارتقا کو دیکھنے کے لئے ہمیں اسپنوزا (Spinoza) کی جانب لوٹنا چاہئے

اسپنوزا (Spinoza) نے جوہر کی کارہیزی تعریف (Cartesianism)

کو کہ "یہ ایک خود بخود موجود بالذات وجود ہے" تسلیم کیا ہے، اس کا کہنا ہے کہ یہ اپنے وجود کے لئے کسی اور شے کا محتاج نہیں ہے، اس طرح کا کوئی ایک ہی جو ہر تصور کیا جاسکتا ہے اسپینوزا (Spinoza) کے نزدیک یہ جوہر (Substance) خدا ہے لہذا خدا ہی محض ایک حقیقت ہے، اور دوسری تمام اشیاء یا تو اس (خدا) کی صفات ہیں، یا پھر اس کے شیون (Modes) ہیں، امتداد (مادہ) اور شعور (ذہن) خدا کی صفات ہیں، چنانچہ یہ صحیح معنوں میں حقیقی نہیں ہے، خدا اپنے آپ کو لامحدود صفات میں آشکارا کرتا ہے، جن میں امتداد اور شعور ہی وہ دو صفات ہیں جو محدود وجودات (یعنی ذہن) مددک ہو پاتی ہے، تمام محدود قوتوں اور مظاہر علاوہ اس کے کچھ نہیں کہ یہ خدا کے شیون (Modes) ہیں، شیون سے اس کی مراد جو ہر میں تہدیلی سے تھی، یا جس روپ میں جو ہر موجود ہوتا ہے، یا جس کے واسطے سے جو ہر اپنی ذات کے علاوہ مددک ہوتا ہے۔

کائنات اور محدود ارواح یا اذہان اپنی کوئی حقیقت نہیں رکھتے، بلکہ یہ صرف خدا کے شیون (Modes) یا صفات ہیں، وہ خدا جو واحد جوہر ہے وہ جو ہر غیر خفیہ ہے، اس میں کوئی تہدیلی ترقی یا نمو نہیں ہوا کرتی مذہن غیر حقیقی ہے، حقیقت بذات سکون و جامد ہے، اس میں کسی ارتقاء کی گنجائش نہیں، یہیں تک کہ انسانی ارواح بھی خدا کی ہی شیون (Modes) ہیں، ان کا اپنا کوئی جدا گان وجود نہیں، یہاں کوئی آزادی اور نمو نہیں ہے تمام انسانی قوائے ارادی خدا کی طرف سے پہلے سے معین ہوتی ہیں، خدا غیر فنی ہے، جو ہم وحصل دار اوے سے عاری ہے۔

اسپینوزا (Spinoza) کہتا ہے:

"جو کچھ کہ ہے وہ خدا کے اندر ہے، نہ تو خدا کے بغیر کچھ تصور کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اس کے بغیر کچھ ہو سکتا ہے، خدا کی ماہیت اور صفت یہ ہے کہ وہ لازماً موجود ہے، اور وہ واحد ہے، اور ہے، خدا اپنی ماہیت کی ضرورت کے اعتبار سے پورے طور سے عمل کرتا ہے، وہ تمام اشیائے عالم کی آزدی و طاعت ہے، اور تمام اشیاء خدا کے اندر ہی اپنا وجود رکھتی ہیں، اور ان سب

کا انحصار خدا پر ہے تمام اشیائے عالم بغیر خدا کے نہ تو موجود ہیں اور نہ ہی تصور کی جاسکتی ہیں اور بالآخر تمام اشیاء کا خدا کی جانب سے پہلے ہی سے تعین ہو چکا ہے، مگر یہ سب کچھ خدا کے کسی آزمودار اور مطلق حکم کی بناء پر نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ یہ سب کچھ خدا کی اپنی ہی مابیت اور لامتناہی قوت کی وجہ سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔“

جرمن فلسفی فشر (۱۸۰۱ء۔ ۱۸۵۷ء) نے ویگل کی تعلیمات کی وحدت الوجودی وضاحت پیش کی ہے کہ یہ طبعی کائنات سوائے اس کے کہ وہ خدا کی باطنی حیات کا خارجی نقشب ہے کچھ نہیں ہے، اس کے نزدیک یہ مادی دنیا خدا کی تجسیم یا یوں کہئے کہ ”مادی عالم خدا کا زندہ اور محسوس طبع ہے“ تمام محدود اذہان خدا کے ذہن اعلیٰ میں مربوط ہیں، لہذا اتنا خدا ہی حقیقی ہے، خارجی کائنات اور انسانی ارواح حقیقی نہیں ہیں، یہ کچھ نہیں سوائے اس کے کہ خدا کے مختلف نقوش ہیں، کائنات کی وحدت مابیک روحی وجود پر زور دیتی ہے، وحدت الوجود کے نظریے نے، ہمارے خدا کے تصور کو اور ترقی دی، خدا کے مادی تصورات سائنسی اور منطقی طور پر سوزنوں نہیں ٹھہرتے، مگر وحدت الوجود کا نظریہ ہمارے لئے ہی جذبات اور منطقی مطابقت کے ہر دو اعتبارات کے پیش نگاہ زیادہ ہم آہنگ ہے۔

ڈاکٹر فلسفہ (Flint) کہتا ہے کہ:

”ایک قاتح، ایک فلسفی اور ایک شاعر یہ سب کے سب، خدا کی سرایت کردہ قوتوں کے تصور کے ہاتھوں، باہم ایک کا مرئی کے راستے پر رواں دواں نظر آتے ہیں، اور بذات خود یہ محسوس کرتے ہیں کہ گویا وہ ایک اعلیٰ مقام کو چھو رہے ہیں، انتہائی کامیابی اور مسرت کے لحاظ وہ ہوا کرتے ہیں جب انسان انسان کی حیثیت سے، اپنی ادنیٰ سے ادنیٰ تر حد بند یوں اور کمزوریوں سے متواثر اور کما حقہ آگاہ ہوتا رہے، ملوہ اپنے آپ کو خدا کی مثل بنانے کی جانب مائل ہو۔“

وحدت الوجود یقیناً تعظیم اور استغراق کے جذبات کا تاثر دیتا ہے جو مذہبی زندگی کے لئے لازم ہے، یہ انسان کا اتانیت ترک کر کے ایمان و استغنا کی زندگی اختیار کرنے کی طرف

راغب کرتا ہے، جو ایک ربانی حیات کا خاصہ ہے، چنانچہ تزکیہ نفس کے اس طرز عمل سے انسانی بصیرت میں وسعت و گہرائی نظر پڑے ہوتی ہے۔

(۱) اپنی ان خوبیوں کے باوصف نظریہ وحدت الوجود میں کچھ اسٹیم بھی موجود ہیں، یعنی کائنات سے ان کا رکن کے یہ نظریہ ہماری تجربی زندگی کی واقعیت کو رد کرتا ہے، ایسی صورت میں جب کہ اس دنیا میں لاکھوں خود آگاہ اور باشعور افراد موجود ہیں، وحدت الوجود کا نظریہ ایک مطلق وحدت کے دعوے کی حمایت کرتے ہوئے ان تمام افراد کے شعور کی حقیقت کی تردید کرتا نظر آتا ہے۔

(۲) وحدت الوجود کا نظریہ زندگی اور اس کے مسائل کی جانب ایک حقیقی رویے کی تلاش کرتا ہے، تزکیہ نفس کا جذبہ عموماً ذمہ دار یوں سے فرد کی صورت پیدا کرتا ہے، یہاں تک کہ حقیقی مذہبی جذبات بھی خدا کی پرستش کے لئے آزاد افراد کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

پریگل پٹلسن (Pringle Pattison) کہتا ہے کہ
”محبت یا محبوب کا تصور، یا عابد و معبود کا تصور، دو جدا جدا ذاتوں کے وجود کی نشان دہی کرتا ہے“

(۳) وحدت الوجود کے نظریے پر سب سے عظیم الزام یہ ہے یہ اخلاقی اور فطری بدی کے سلسلے میں کوئی تسلی بخش توجیہ نہیں پیش کر پاتا۔ اگر ہر چیز خدا ہی ہے تو پھر برائیوں کے وجود کا تصور ناممکن ہی سے سمجھ میں آنے والا ہے، نظریہ وحدت الوجود انسانی زندگی سے انکار کرتا ہے۔

اسپینوزا (Spinoza) کہتا ہے کہ
”انسان اپنے آپ کو آزاد تصور کرنے پر غلطی پر ہے، انسان اپنے تمام افعال سے آگاہ رہتا ہے، لیکن ان افعال کے اسباب جن سے یہ افعال مشروط و ملزم ہیں، لاعلم ہے، لہذا اس کا تصور آزادی اس کے اپنے افعال کے اسباب سے لاعلمی ہی ٹھہرتا ہے، انسان کا یہ قول کہ“

انسانی اصل کا انحصار ارادے پر ہے یہ محض ایک محاورہ ملی اعظم ہے، جہاں اس سے مطابقت کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا، ارادہ دراصل ہے کیا؟ اور یہ کس طرح جسم کو متحرک کرتا ہے؟ اس حقیقت سے تو کوئی بھی واقف نہیں، مگر ایک فلسفیانہ نظام کی حیثیت سے نظریہ وحدت الوجود ہماری مذہبی اور اخلاقی اقدار کے تقاضوں کے لئے غیر نسلی بخش معلوم ہوتا ہے، فقہاءوں کا خیال ہے کہ وحدت الوجود ہماری اخلاقی و مذہبی زندگی سے متصادم ہے،

آزادی ارادے کو اخلاقیات کی بنیادی شرط کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے، یہ کہا جاتا ہے کہ ارادے کی آزادی کے بغیر کسی اخلاق کا ہونا ممکن نہیں، آزادی، پسند و انتخاب، اور اخلاقی اعمال کی خصوصی صفت ہے، کسی شخص کو اس کے اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا ہی نہیں جاسکتا، اگر یہ کسی خارجی دباؤ کی وجہ سے سرزد ہوتے ہیں۔

کانٹ (Kant) نے بجا طور پر یہ مقولہ کہا ہے کہ
 ”مجھے ایسا کرنا چاہئے“ کے مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ ”میں ایسا کر سکتا ہوں“ کانٹ کے نزدیک کسی فعل کی ذمہ داری ہم پر اس وقت تک مائد نہیں ہوتی، جب تک کہ ہمیں اس کے کرنے کا اختیار نہ ہو،

جیسا کہ ڈی آر سی (D Arcy) کہتا ہے کہ
 ”اخلاقیات محاذام کے نظریے کو تسلیم نہیں کرتی، کیونکہ یہ نظریہ ذمہ داری کے تصور کو ختم کر دیتا ہے، اگر کوئی شخص اپنے ہر فعل میں کسی خارجی جبر یا تسلا کا شکار ہے، تو پھر تعریف و تعذیر، قبولیت اور غیر مقبولیت، جزا و سزا ایسی کوئی حقیقی بنیاد بناتی نہیں رہ جاتی“

چونکہ وحدت الوجود آزادی ارادہ سے منکر ہے اس لئے یہ اخلاقیات سے متصادم ہے
 ڈاکٹر فلنٹ (Flint) کہتا ہے کہ:

”اگر انسانی شخصیت بلکہ آزادی محض فریب ہے، تو پھر لازمی اتقان، تصور، اور پاداش عمل، کے تصورات ایک تصور داستان سرائی کے علاوہ اور کچھ نہیں“
 انسان سے اس کی انفرادیت کو طے کر کے بلکہ انسانی ارادے کی آزادی کو سلب

کر کے وحدت الوجود کا نظریہ، دراصل ہماری اخلاقی اقدار کو دھن کر دینے کا سبب بن گیا ہے، وحدت الوجود کے نظریے کو مختلف مذہب بھی شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں، کیونکہ مذہب ایک ایسا احساس ہے جو کسی فہمی طاقت پر مبنی ہوتا ہے، یہ وہ فہمی طاقت ہے جو ہماری تقدیر کی مالک و مختار ہے، اور اس طاقت سے ہم اپنے لیے تمام استوار کرتے ہیں، مذہب کا کہنا یہ ہے کہ انسانی روح، نیک اعمال، بدور عبادت کے وسیلے سے خدا سے وصل کا امکان پیدا کرتی ہے۔

مذہب مومنا خدا کو کچھ یقینی صفات سے متعین کرنے میں اخلاق راستہ کرتے ہیں ، اثباتی خدا مذہب خدا کو خالق و قیوم ، نیز ایک ضابطہ اخلاق عطا کرنے والا گردانتے ہیں ، اور وہ تمام کچھ جو موجود ہے ، یا پیش آتا ہے ، یا پیش آنے والا ہے ، اس کا انصاف کرنے والا ہے ، نیک اعمال کرنے والوں پر وہ رحم و کرم کرتا ہے۔

وحدت الوجود کی رو سے، خدا ایک باوراء الہواء پاک غیر شخص و جود ہے۔

اسپینوزا (Spinoza) کا قول ہے کہ

”تمام حیات نقل ہیں بخدا ایک مجرور وحدت ہے، جو تمام مشغولات سے خالی ہے“

تمام ذہاب خدا سے رحم و محبت بلور کریم انسانی کی صفات منسوب کرتے ہیں، لیکن اسپینوزا (Spinoza) کا غیر شخصی خدا ایسی کسی صفت کا حامل نہیں، جبکہ اس کے برعکس ہم خدا سے راست تعلق قائم کر کے عبادت کے بدلے سے خود پہرہ کی کی آرزو کرتے ہیں، کیونکہ اس تصور کے بغیر ہماری اخلاقی اور مذہبی زندگی کے گویا کوئی معنی ہی نہیں رہ جاتے، حقیقی مذہبی بندہ ذات کی تفتیش کے لئے ضرور ہی ہے کہ خدا کی پرستش کے لئے خود بخود راہ فراد کے وجود کو تسلیم کیا جائے، اور اگر فرد غیر حقیقی ہے تو پھر عبادت کے ذریعے، خود پہرہ کی کا تصور محض بے سود ہے۔

آدم بنزائیک کہتا ہے کہ

”وحدت الوجود کا نظریہ محکم مذاہب اور فہوس اخلاقیات کے لئے اس وقت ہے اور
ضمیر تہا ہے، جب یہ انسانی روح بلور انسانی ذات کو خدہ کا ہی ایک جز قرار دیتا ہے، نظریہ

الہیات کا دعویٰ ہے کہ انسانی روح ایک آزاد طبع ہے، یہ انفرادی ارواے کا ایک ایسا علیحدہ جزیرہ ہے، جو اور نورانی کے عظیم، دیگر اس سمندر کے بالکل بچے ہیں۔ انسانوں کو خدا سے علیحدہ رکھنا چاہئے، ہن کو اس کی ذات میں ضم نہیں کرنا چاہئے، فرد کی اخلاقی زندگی، اور خدا و روح کا اتحاد و اتصال (خدا) کی ذات کے علاوہ اس مسئلے کے علاوہ میں محلوں میں، کیونکہ اگر جداگانہ شخصیت کے تصور کو ترک کر دیا جائے، تو پھر نہ کورہ ہلا صورتوں کا امکان بھی ختم ہو جاتا ہے۔“

خدا کے وحدت الوجود کے نظریے پر ولیم جیمز نے بڑی کڑی تنقید کی ہے، وہ ڈیوائن مور (Divine More) یا قدس اعلیٰ کے نظریے کا مبلغ تھا، کیونکہ یہ مصر حاضر کے ساتھی رجحان سے ہم آہنگ ہے۔“ (ظن کے بلحاظ مسائل: ۱۳۳۹-۱۳۴۰)

لیکن اس مسئلے پر جس مختصر اور جامع اعجاز میں محترم فیض میراں نے روشنی ڈالی ہے وہ بھی اس موضوع پر ایک قابل قدر اضافہ ہے، اور اس سے یقیناً مسلمانوں صوفیاء میں سے وحدت الوجود کے قائلین کا نقطہ نظر ہمارے سامنے بہت واضح ہو جاتا ہے۔

آپ فرماتے ہیں: ”اکثر صوفیاء کے حقائق و معارف مسئلہ وحدۃ الوجود کے متعلق ہوتے ہیں، اور اس مسئلے نے اعلیٰ کثیر کو گمراہ کر رکھا ہے، حضرات صوفیہ کے اس قسم کے علوم سے ماکڑ مل لیس وہاں دلیہ ہو کر شرعی پابندیوں سے نکل گئے ہیں، شرعی علوم کو چھلکے اور ان علوم طریقت کو اصل مغر خیال کر کے میدان المادہ و مذہق میں جا پڑتے ہیں،

پہلا وہ شخص جس نے دلائل عقلیہ و برہین عقلیہ سے، اس مسئلہ وحدت الوجود کے متعلق مشکوک فرمائی ہے وہ حضرت شیخ محمد الدین ابن عربیؒ ہیں، جنہوں نے کشف والہام کے ساتھ عقلی تصرقات کو بھی اس مسئلے کو وضاحت میں داخل دیا ہے۔“ (انسان کال: ۱۳)

اس مسئلے کے قائلین کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ یہ کھڑا ہوتا ہے کہ کیا انسانی حیات میں کوئی ایسا موقع بھی آتا ہے، جب وہ احکام شریعہ کے متکلف نہ ہیں، یا ان سے ساری شرعی حدود و پابندیوں ساقط کر دی جائیں، اس کے وضاحت کرتے ہوئے فیض میراں کا ارشاد

”طلائے ظاہر جب دیکھتے ہیں ایسے علوم جن میں عابد و معبود کی ایک ہی حقیقت ہے حدوث و قدم کی ایک ہی ہودیت ہے، مطلق و حق کی کہ ایک ہی اتہیت ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ تکلیف شری کوڈے سے بالکل ساخا کر دیتے ہیں، اور نیز جو آیات و احادیث بطور شہد کے حقائق و جود یہ کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں، ان میں اکثر ایسی ہوتی ہیں جو خالی از تعلقات نہیں ہوتیں، اس لئے اکثر طلائے ظاہر، صوفیہ کرام سے بد اعتقاد ہو جاتے ہیں“

(انسان کا مال: ۱۳)

اس مسئلے کو جامع اور مختصر ائمہ از میں جناب فیض میراں یوں رقم طراز ہیں:

(ان کی اس عبارت میں ادنیٰ تہدیلی صرف آسانی کی غرض سے جہاں مناسب خیال کی گئی ہے وہاں کر دی گئی ہے لیکن کوشش یہ ہے کہ مفہوم میں کوئی تہدیلی نہ ہو)
”یہ سب کے لئے معلوم ہوتا چاہئے کہ میدان قصوف میں مسئلہ وحدت الوجود کا

المطلق دو جگہوں پر ہوتا ہے۔

(۱) اول: کبھی اس فقرہ کا استعمال سیر ملی اللہ کے مباحث میں ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ نکاح سا ملک کا مقام وحدت الوجود بطور نکاح کا مقام وحدت الشہود..... یہاں وحدت الوجود کے معنی ہیں حقیقت الملحد (ذات باری) کی کامل معرفت میں مستغرق ہو جانا ہے، یہ وہ کیفیت ہے جس میں جمیع عالم قافی ہو جاتا ہے، بطور احکام تفرقہ و امتیاز، جن پر نیکی و بدی کی معرفت و شناخت مبنی ہے، (اور نہایت اہم و اولیٰ حیانات و اخبارات سے شرع و احکام بھی ان سے خبر دے رہے ہیں) ساخا ہو جاتے ہیں، یہ ایک ایسا مقام ہے جس میں بعض سالکین کا تصور و رد ہوا، بکھر خدانے اس سے ان کی گلوں خلاصی کر دی (بعض اوقات صوفیا اس مقام کو چنگی بولی برتی کہتے ہیں اور عموماً یہ مقام صوفیائے راسخین الی الحق کو نصیب ہوتا ہے)۔

(دوم) اور کبھی یہ فقرہ وحدت الوجود، حقائق الاشیاء کی معرفت میں استعمال کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ عالم ایک واحد حقیقت میں جمیع اعراض کا نام ہے، لہذا عالم کے تمام اجزاء (چاہے وہ طویات میں سے ہوں یا سطیحات میں سے) کی مثال سمندر میں موجیں ہیں۔

پانی کے لمبوں کی طرح ایک سی حقیقت میں قائم ہیں۔

صوفیا کرام کی کتابوں میں یہ مباحث تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں، جن میں تحقیق طور پر مسئلہ وحدۃ الوجود کو صحیح ثابت کیا گیا ہے، اور بعض آیات و احادیث بھی بطریق اعتبارات و اشارات، منہ بطریق تفسیر و مطلق کلام، ان کی اس تحقیق کی تائید کرتی ہیں، اور یہ مباحث اس انداز میں ہیں کہ جو شخص ان کی تمام جہات کا پوری طرح احاطہ کر لے اس کو مطمئن ہو جائے گا کہ مسئلہ وحدت الوجود کو دراصل عقلی و شرعی احکام سے کوئی جگہ و پکار نہیں کیونکہ قائلین وحدت الوجود، مراتب وجود اور ہر مرتبہ وجود کے مختلف احکام کے قائل ہوئے ہیں، اور ان کا مشہور قول ہے

”اگر فرق مراتب مکنی زعمی“

اگر میں صوفیائے کرام کے علوم پر نگاہ ڈالی جائے، جن کے معارف کا مقام بہت بلند ہے، محکم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ، تو مطمئن ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام کے تمام کشف اور تحقیقات صحیح اور درست ہیں اور وہ عالم ملکوت میں اپنی ایک اصل رکھتے ہیں، لیکن ان کے موافق، مآخذ، اور سرچشمے علوم نبوت کے موطن اور سرچشمے سے جدا گانہ ہیں، شرعی علوم بھی اعتبار و اشارہ کے طریقے سے ان کی تائید کرتے ہیں، البتہ تفسیر و ظاہر کلام سے ان کی تائید ثابت نہیں ہوتی۔ اور یہ شرعی علوم، و کمالات نبوت کی ایک اعجازی خاصیت ہے، ورنہ شریعت کی راہ اور ہے اور ان صوفیوں کی راہ اور، جو مسائل وحدت الوجود، فساد و بقاء، لطائف کلمہ، فطرت کی تہذیب و ترتیب، میں اپنی تصنیفات چھوڑ گئے ہیں، نہ وہ صوفی بلکہ شریعت سے حقیق ہوتے ہیں، اسرار شریعت ان پر منکشف ہوتے ہیں، لطائف فطرت کی معرفت، ان کے احکام ان کی تہذیب و ترتیب کے طریقے ان پر کھولے جاتے ہیں، یہ لوگ ملن شریعت کے سہرہ دہتے ہیں۔

فہم کلیہ: وحدت الوجود کے حقائق و معارف کا منبع درجہ شمس کلیہ ہے جس کا نام کسی نے وجود منہط لکھا ہے، کسی نے حقیقت محمدیہ، اور کسی نے وحدت، اور کسی نے کتاب مسطور، اور

کسی نے سدرة المنتہی فرض یہ کہ اس کے بہت سے نام صوفیا کی کتب میں مذکور ہیں۔ یہ عالم کے تمام افراد (چاہے روحانی ہوں یا جسمانی) اسی نفس کلیہ کے تخریلات و ظہورات ہیں۔ جس کی مثال بھی تو امواج دریا سے دی جاتی ہے، اور بھی ایک ہی مٹی اور اس سے بنے ہوئے مختلف تماثل، مثل گھوڑا، تیل ہاتھی وغیرہ، جو اسی ایک مٹی کے ظہورات ہیں، اسی طرح اور بہت سی مثالیں ہیں جو اس وجودی حریف کی تائید کرتی ہیں، اور بھی مخلوقات کے نقائص کو ذات حق میں اور بھی کمالات ذات حق کو مخلوقات میں ثابت کیا جاتا ہے۔

یہ سب نفس کلیہ کے ظہورات ہیں، ورنہ خدا تعالیٰ کی شان اس سے نہایت بلند و برتر ہے، لیکن چونکہ وہ نسبت جو نفس کلیہ کی حق کے ساتھ ہے، دریافت نہیں کی جاسکتی کہ آیا وہ نسبت ظہور ہے، یا نسبت محوین، یا کوئی اور نسبت، اور نیز نفس کلیہ الہی کمال و وجہ کی لطیف و بساطت کی وجہ سے چونکہ حق سے مستحجب ہو جاتا ہے، اس لئے صوفیائے کرام کو ایسا مشہور و محسوس ہوتا ہے کہ خلق میں حق ہے، لیکن اگر ظہور کی حقیقت و کیفیت بھی جائے تو نہ مینیت ہے اور نہ ہی غیریت۔

دیکھو صورتہ نومیہ انسان نے زید بکر عمرو وغیرہ بے شمار افراد میں ظہور کیا ہے، لیکن ہر فرد تو میں انسان ہے اور نہ ہی غیر انسان ہے، مگر ہر فرد انسان، میں مابیت انسان ہوتا تو ہر فرد دوسرے فرد کا بھی میں ہوتا، اور یہ صریح المطلقان ہے، مثلاً: زید اگر میں مابیت انسان ہوتا تو بکر بھی میں مابیت انسان ہوتا، اور یہ دونوں آپس میں بھی ایک دوسرے کے میں ہوتے، اور یہ امر صریح باطل ہے، اور یہ افراد انسانی غیر انسان بھی نہیں ہیں، اس لئے کہ ہر فرد پر انسان صادق آتا ہے، اور کوئی فرد ایسا نہیں جس پر انسان ٹھیک اور برابر طور پر صادق نہ آئے، میں ثابت ہوا کہ زید بکر عمرو وغیرہ نہ میں انسان ہیں اور نہ غیر انسان ہیں، ہاں جو اس کے صورتہ نومیہ انسان ہے شمار مظاہر میں ظاہر ہوئی، مگر وہ اپنے عالم تجرد میں ان تمام تعینات انسان سے ایک الگ تھلک چیز ہے، بلا تفریق و تبدل وہ اپنے خیر مطلق و تجرد میں اسی طرح موجود ہے، جس طرح کہ پہلی ہی، اور ظہور میں نشان افراد کی میں ہے نہ غیر۔

نوٹ: عالم ملکوت میں ہر گلی کا وجود ہے، ہر باب کشف نے معلوم کیا ہے، کہ وہ وجود اپنے

طور پر ہے کہ اپنے ہر فرد پر برابر صادق آتا ہے۔ انسان سے بالاتر کلی حیوان ہے بلکہ حیوان سے بالاتر جسم، اور جسم سے بالاتر جوہر، اور جوہر سے بالاتر نفس کلیہ ہے، جس میں تمام مخلوقات (کیا علوی اور کیا سفلی) مثل امواج دریاں میں متعین ہیں، اور نفس کلیہ اپنی کسی موج کا نہ عین ہے نہ غیر ہے، اور خدائے تعالیٰ کی مشیت تو اس سے بھی بالاتر ہے، اور باوجود ہر ذرہ میں ظاہر ہونے کے نہ عین ذرہ ہے نہ غیر ذرہ ہے۔ تعالیٰ شانہ عین مصلحتوں

ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ آیات و احادیث بطریق اعتبار و اشارہ، و حقائق و معارف وحدۃ الوجود پر دلالت کرتی ہیں، نہ بطریق تفسیر، اعتبار و تفسیر میں ہم مثال کے ذریعے واضح کرتے ہیں۔

اعتبار کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص لٹلی و بھٹوں پر چڑھا ہے، اور ایک عاشق اسے سن رہا ہے وہ اپنے آپ کو بھٹوں بلکہ اپنی معشوقہ کو لٹلی سمجھ کر قصہ کی تمام باتیں اپنے اور اپنی معشوقہ کے حق میں سمجھ کر وہ میں آ رہا ہے، ظاہر ہے کہ جو کچھ وہ سمجھ رہا ہے وہ لٹلی و بھٹوں کا قصہ نہیں ہے، بلکہ وہ اعتبارات ہیں جو اس کے حال اور قصے کے بعض مناسبات کے جوڑ سے پیدا ہوئے ہیں، بلکہ تفسیر و مخلوق کا نام ہے یعنی وہ اصل و غرض و مقاصد جن کے لئے کلام بولی گئی ہے۔ (انسان کامل: عبدالکریم جیلانی، ص ۱۳-۱۴)

میری یہ بحث اس وقت تک مکمل نہیں ہوگی جب تک کہ میں اس سراغ کی نشان دہی نہ کروں جو اختلاف کا اصل باعث بنی ہے اور جس نے سری انسانی فکر کو پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔

اس کی بجائے شاہ ولی اللہ اس مسئلہ کے مجددین میں شمار کئے جاتے ہیں اور پروفیسر محمد سرور آپ کی تعلیمات کا خلاصہ یوں پیش کرتے ہیں:

”شاہ ولی اللہ کے نزدیک عقیدہ وحدۃ الوجود علومِ حق میں سے تو ہے لیکن حرام سے مان کر ذلت حق کی ماورائت اور تخریب کمال کو قائم نہ کہ سبکی انکس اس سے بچنا چاہئے“
(ارمغان شاہ ولی اللہ: ۲۶۶)

مسئلہ وحدت الوجود کے بارے میں یورپی یا ایشیائی فکر وحدت غنی کی قائل ہے اور وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں ذات و صفات کا نکات و خدا سب ایک دوسرے کا ممکن ہیں جبکہ اسلامی فکر میں ذات اپنی مخلوقات کا نہ ممکن اور نہ ہی غیر ہیں
اس موضوع کی نزاکت کے پیش نظر فکر ولی النبی کے شارح پروفیسر غلام حسین جالبانی اس مسئلے کی خوب وضاحت فرماتے ہیں:

مسئلہ وحدت الوجود (ہم است) اور وحدت الشہود کا بازار حضرت شاہ صاحب کے زمانے سے خوب گرم تھا، شیخ محمد بن علی بن ابن عربی مسئلہ وحدت الوجود کے بانی مہمانی تھے۔ اور خود شاہ صاحب بھی اس کے قائل تھے۔

لیکن شاہ صاحب سے کوئی ایک صدی قبل حضرت مجدد الف ثانی نے وحدت الشہود کے عقیدے کی تائید کی، ان کا دعویٰ تھا کہ دراصل وحدت الشہود ہی وہ تجربہ ہے جسے ایک صوفی اور عارف سمجھتا اور محسوس کرتا ہے، گویا وہ جو کچھ اس منزل میں دیکھتا ہے وہی الحاق اصل حقیقت کا پرتو ہوتا ہے، جب کی خود منزل اصل حقیقت اس سے کہیں دور ہوتی ہے۔

یہ مسئلہ صوفیاء کے مختلف گروہ میں کافی اختلاف کا باعث بنا جس کا بہر طور ازالہ ضروری تھا۔ شیخ اکبر کے بعض شاگردین اس عقیدے کی تخریج کچھ اس طور پر کرتے ہیں کہ اس سے 'وحدت الوجود یعنی' کا مضمون پیدا ہوتا ہے حالانکہ یہ غیر صحیح اور نادرست ہے، کیونکہ شیخ اکبر 'وحدت الوجود بھی' کے قائل ہیں۔

شاہ ولی اللہ نے دونوں آراء کو پیش نظر رکھتے ہوئے رائے قائم کی کہ ان دونوں کے مابین کوئی معقول فرق نہیں، مہارت کا اختلاف بے معنی ہے، یہ صرف لفظی نزاع ہے ورنہ دونوں ہی ایک نقطہ پر آ کر مل جاتے ہیں ان کا مطلب ایک ہی ہے۔

امام ربانیؒ جس خیال کو وحدت الشہود سے تعبیر کرتے ہیں وہی خیال ابن عربی کے تصور وحدت الوجود میں خود پایا جاتا ہے اس کی وضاحت وہ یوں کرتے ہیں کہ زید مرہ اور بکر وعلیرہ ایک اعتبار سے ایک دوسرے کے ممکن ہیں کیونکہ ان سب میں مشترک 'انسانیت' ہے پھر

نوع انسانی اور نوع حیوانی بھی ایک دوسرے کے عین ہیں کیونکہ ان کا وصف مشترک 'حیوانیت' ہے۔ عینہ اس کائنات کا بھی ایک نفس ہے جس طرح ایک شخص کا نفس ہوا کرتا ہے جسے نفس کلیہ کہا جاتا ہے، اور اس کائنات کی تمام کثرت اسی سے صادر ہوتی ہے اب اگر ابن عربی کا یہ خیال ہے کہ ہر چیز خود خدا ہے تو اس سے مراد ان کی بلاشبہ نفس کلیہ ہی ہے، یہ نفس کلیہ باوجود منہط اپنی ذات سے قائم ہے نیز تمام دیگر اشیاء کے قیام کا سزاوار بھی ہے گویا یہ تمام موجودات پر طاری ہے (جو ہر اور فرض دونوں کو شامل ہے)

اس وجود سے ماوراء، یعنی وجود حقیقی تک کسی کی پہنچ ممکن نہیں، بالفاظ دیگر اس وجود منہط، یا نفس کلیہ سے ماوراء، جو اللہ تعالیٰ کا وجود ہے وہاں تک کسی کی بھی رسائی ممکن نہیں، اب رہا سوال اس وجود کی ذات الہی سے کیا نسبت ہے؟ تو اس کی حقیقت ضرور معلوم ہے، لیکن کیفیت نامعلوم یا ہی یہ معلوم ہو سکتی ہے۔

چنانچہ ابن عربی کے اس قول میں کہ "ممکنات کے حقائق اس وجود منہط کے نام اور صفات ہیں" اور حضرت مجدد الف ثانی کے قول میں کہ "ممکنات کے حقائق وہ صفات ہیں جن پر اس وجود منہط کے اسماء اور صفات کے انوار کا عکس پڑتا ہے" کوئی فرق نہیں بات ایک ہی ہے بس اگر کوئی فرق ہے تو تعبیرات کا معمولی سا فرق جس کی طرف ناقدان فن کو متوجہ ہونے کی ضرورت نہیں

اس مسئلہ کو مثال کے طور پر یوں سمجھا جائے کہ ہماری کائنات حقیقت کے سورج کے لئے ایک آئینہ کی مانند ہے، کبھی تو ہم آئینہ میں عکس سورج کے نفس کو سورج کہتے ہیں، اور یہ وحدت الوجود کی حیثیت کا تصور ہے، اور کبھی یوں کہتے ہیں کہ یہ آفتاب جسے ہم آئینہ میں دیکھ رہے ہیں اصل آفتاب کا عکس ہے جو بہت دور دور بعد الحصول ہے، بلکہ یہ وحدت الوجود کی وراثت کا تصور ہے

شاہ صاحب کا خیال ہے کہ ابن عربی نے یہ دونوں تصورات پائے جاتے ہیں اور یہ دونوں اپنی اپنی جگہ بالکل درست ہیں وحدت الوجود اور وحدت العہود کی اس طرح تشریح

فرما کر شاہ صاحب نے نہایت فنکارانہ ہوشمندی سے آریائی اور سامی دونوں کو ایک نقطہ اتصال پر جمع کیا ہے، سامی ذہن (خل عقلی) ذات باری تعالیٰ کو منزہ اور مجرد مانتا ہے، اور مظاہر فطرت سے باہر تصور کرتا ہے جبکہ آریائی ذہن 'صانع' اس کے وجود کو کسی مظہر میں دیکھنے کا قائل ہے بلکہ مظاہر فطرت میں ذات باری کو جلوہ افروز سمجھتا ہے، ذات باری کا مظاہر کائنات کے ساتھ تقریباً وہی تعلق ہے جو روح کا جسم سے ہے۔ (شاہ ولی اللہ کی تصنیف، ۱۳۲۱ء ۱۳۳۲ء)

خلاصہ کلام یوں ہے کہ

وحدت الوجود کی دو تعبیرات ہیں ایک مادی تعبیر اور دوسری الہی تعبیر، اور ان دونوں میں صرف آغاز کا فرق ہے جب مادے سے آغاز کیا جائے اور نفس کلیہ یا ذات باری تک رسائی کی کوشش کی جائے اس کو مادی نظریہ وحدت الوجود کہتے ہیں ان کا آغاز سطر مادے کے تصور جو برے ہو جاتا ہے اور ان کے نزدیک قبول اس جو زاجو برے مراد ایک خود مختار اور موجود بالذات وجود کو تسلیم کرتا ہے اور اسی جو ہر کوہ خدائی کے منصب پر لا کر بنیاد دیتے ہیں اور سامی انسانیت کو اسی جو ہر زاجو بر نما خدا کی ہمہ گیری بلکہ ہمہ عملی کے اعتقاد کے قائل ہیں اور اس کی دعوت ایمان دینے نظر آتے ہیں اس کے برعکس الہی نظریہ وحدت الوجود کے قائلین کے نزدیک ایک ذات باری جو وراء الوراء، الوراء، الوراء ہے اور کل کائنات اسی کے عکس و ظلال ہیں بلکہ اصل وجود کہلانے کے لائق وہی ذات اقدس ہے اور اس کے علاوہ سب کچھ ممکنات میں سے ہے اب یہ ساری کائنات ممکنات جب اس ذات حقیقی کی طرف سفر کرتے ہوئے اس کے قریب ہوتی ہے تو بعض مواقع اپنی ذات کو اس اصل ذات میں گم کر دیتی ہے اس مجموعیت کے عالم میں ایک خدا کا تصور ہی باقی بچ جاتا ہے اس کے بارے میں ارشاد بارے ہے

کل من علیہا لان وبقی وجہ ربک فوالجلال والاکرام

باب پانزدهم:

ایمان کی حقیقت اور اہل ایمان کی برابری کا بیان

عقیدہ نمبر (۷۹):

ایمان نام ہے: زبان سے لوازمات ایمان کے اقرار، اور اعشاء سے ان کی تصدیق کرنے کا نام ہے: یعنی زبان سے اقرار کے ساتھ ساتھ دل سے اس اقرار کے مطابق تصدیق بھی ہو۔

عقیدہ نمبر (۸۰):

جن باتوں پر ایمان لانا لازم ہے، اس پر ایمان لانے کے لحاظ سے تمام آسمانوں اور زمینوں میں بسنے والی مخلوقات کا ایمان کم یا زیادہ نہیں ہوتا: بلکہ یقین کی کیفیت اور تصدیق کے مدارج کے لحاظ سے ایمان میں کمی یا زیادتی ہو سکتی ہے۔

عقیدہ نمبر (۸۱):

توحید پر ایمان لانے کے مراحل کے لحاظ سے تمام مومن برابر ہیں، بلکہ اعمال میں کمی زیادتی کی وجہ سے ایک دوسرے پر ان کو فوقیت و فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

عقیدہ نمبر (۸۲):

اسلام پروردگی اور حوائج، یعنی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور مرضی پہری ہونے کے لئے اس کے حوالے کر دینے، اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کے سامنے سر تسلیم خم کر لینے کا نام ہے۔

لہذا انہی طور پر تو ایمان اور اسلام میں فرق ہے: لیکن دونوں میں تعلق و توافقی اور تروم

فدا کبر وابط ————— ۳۵۷

کا ہے۔ یعنی اسلام بغیر ایمان کے اور ایمان بغیر اسلام کے نہیں پائے جاتے: اور اس کی مثال کمر اور پیٹ کے آپس میں تعلق کی مانند ہے۔ یعنی بغیر کمر کے پیٹ، اور بغیر پیٹ کے کمر کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

عقیدہ نمبر (۸۳):

اور دین نام ہے اسلام اور ایمان دونوں کے مستملات کے ساتھ ساتھ احکامات شریعہ پر عمل کرنے کا، ان مذکورہ سب باتوں یا کیفیات کو ملا کر ایک جگہ کر دیں تو ان سب کے مجموعے کا نام دین بن جاتا ہے۔

باب شانزدهم:

اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس سے متعلق عقائد کا بیان

عقیدہ نمبر (۸۴):

ہم اللہ تعالیٰ کی معرفت انسانی کوشش کی آخری حد تک پہنچاتے ہیں: اور ہمارا اللہ تعالیٰ پر ایمان اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات خود اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہیں: اور ان تمام صفات کے مطابق ہی معرفت حاصل کر سکتے ہیں۔

عقیدہ نمبر (۸۵):

کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حق ادا نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی شخص ایسی عبادت کر سکتا ہے جس کا حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ اہل ہو لیکن ہم اس کی عبادت صرف اس کے احکامات کی تکمیل کے لئے کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور اپنے رسولوں کی سنت کے ذریعے ہماری راہنمائی فرمائی ہے۔

عقیدہ نمبر (۸۶):

تمام مومن معرفت الہی، یقین کامل، توکل علی اللہ، محبت باری، اللہ تعالیٰ کی رضا، خواہ خدا، اور اللہ تعالیٰ سے بڑا امید ہونے میں برابر ہیں: جبکہ ایمان لانے کے بعد باقی تمام فرائض شریعہ کی ذمہ داری پوری کرنے کے لحاظ سے ان میں فرق مراتب ہوتا ہے۔

عقیدہ نمبر (۸۷):

اور اللہ تعالیٰ بندوں پر فضل فرمانے والے ہیں: اور بندوں کے ساتھ ان کے ہر معاملہ میں انصاف کرنے والے ہیں: اور کبھی اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے قصودے عمل پر اپنے

فضل کی وجہ سے زیادہ اجر دے دیتے ہیں: اور یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل کی وجہ سے ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ اپنے عدل کے پیش نظر گناہ گاروں کو سزا دیتے ہیں اور کبھی ان پر فضل اور مہربانی فرماتے ہوئے ان کو معاف فرما دیتے ہیں۔

نوٹ: ہر شخص پر لازم ہے کہ مذکورہ صفات کو حاصل کرنے کی کوشش کرے اور ان میں ترقی کرے: ان صفات میں اگر کسی شخص کی حالت ہمیشہ ایک سی رہتی ہے تو وہ خطرے میں ہے بلکہ ان منازل میں آگے بڑھنا چلا جائے اور ان میں کوئی مقام مہیا نہیں جہاں پہنچ کر یہ سمجھا جائے کہ اس کی ذمہ داری پوری ہو گئی ہے: البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے احکامات پورا کرنے کے بعد ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے: اور یہ ایمان کے علاوہ اسلام کے گاہری احکامات سے قطع رکھتے ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، عبادات، اچھے معاملات: اب کوئی شخص غریب ہے تو اس پر زکوٰۃ لازم نہیں ہے جبکہ امیر شخص پر زکوٰۃ فرض ہے: اسی طرح مریض پر روزہ لازم نہیں صحت مند پر لازم ہے:

اس کا برعکس یہ مطلب نہیں کہ عقلی اپنے تقویٰ یا محبت کے مقامات میں ترقی کرتا جائے تو وہ مرتبہ میں حلقہ الناس کے برابر ہے: اس عبارت میں امام صاحب کا یہ مقصد نہیں اور اس قسم کی رائے رکھنا جہالت ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ان مقامات میں آگے بڑھنا یا ان مقامات کا انسان کے ذمہ ہونا ہے وہ صحت مند ہو یا بیمار، مالدار ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا فقیر ہر ایک کے ذمہ ہے کہ وہ ان مقامات کے حصول کی کوشش کرتا رہے: اور باقی اعمال کے بہلانے میں فرق سے ایمان کے مراتب کے علاوہ سے فرق پڑ جائے گا۔

باب ہفتم :

انبیاء اور صلحاء کی شفاعت کا بیان

عقیدہ نمبر (۸۸):

انبیاء کرام علیہم السلام کا قیامت کے دن اللہ کی بارگاہ میں اپنی امت کے گناہگاروں کی شفاعت کرنا حقیقت پہنی اور سچی ہے۔

عقیدہ نمبر (۸۹):

اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گناہگار مومنوں کے لئے شفاعت کرنا خود وہ گناہگار کبیرہ گناہوں کے مرکب یا ایسے گناہوں کے مرکب ہوں جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا موجب بنتے ہوں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت حقیقت پہنی اور ثابت ہے

عقیدہ نمبر (۹۰):

قیامت کے دن سارے انسانوں کے اعمال کا وزن اللہ تعالیٰ کی طرف سے میزان پر وزن کیا جائیگا اور سچی ہے۔

عقیدہ نمبر (۹۱):

اور اسی طرح جب جنتی جنت کی طرف جائیں گے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر ان کا استقبال کریں گے اور حوض کوثر پر سب سے پہلے ان کی مہمان نوازی ہوگی۔ یہ سب باتیں درست اور حقیقت پہنی ہیں۔

عقیدہ نمبر (۹۲):

دنیا میں جس قدر بھٹوے اور فساد ہوتے ہیں قیامت کے دن ہرز یادتی کرنے والے کو

اس کی زیادتی کا بدلہ چکانا چاہئے گا: اور یہ حق اور درست ہے:

مقتیدہ نمبر (۹۳):

اور انسان سے نیکیاں لکھ جس سے زیادتی کی ہوگی اس کو دی جائے گی: اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو اس کی برائیاں لے کر زیادتی کرنے والے کو دے دی جائے گی: اور یہ بات حق اور درست ہے اور صحیح اہل السنۃ والجماعت کی رائے کے عین مطابق ہے۔

نوٹ: یاد رکھنا چاہئے کہ اعمال کا تولد ہونا ان کی کثافت کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ بھڑھانتے ہیں وہ کیسے ہوگا: مگر آج کے دور میں یہ بات بڑے آرام سے سمجھ آ جانے والی ہے: مثلاً کمپیوٹر (computer) ڈسک میں دکھائی کچھ نہیں دیتا مگر اس پر دوبارہ لکھائی کرتا، اس پر کوئی اور کام کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور اگر اس پر کوئی لکھائی کرنے لگیں تو کمپیوٹر کہہ دیتا ہے کہ آپ کی ڈسک یا فلاپی (Disk or Floppy) میں مزید جگہ نہیں ہے اب اس پر کچھ اور لکھنا ممکن نہیں: جبکہ اس کو دیکھا جائے تو اس پر کچھ بھی لکھا نظر نہیں آتا: اس طرح کمپیوٹر میں ریم (RAM) اور ہارڈ ڈسک (Hard Drive or HDD) کو دیکھ کر مانا جاسکتا ہے کہ واقعی دنیا میں ایسا (system) موجود ہے جس کو دیکھا نہیں جاسکتا: اور اس سے کہیں بھر کھام جو اس نظام کے خالق کے خالق کا ہے بھلا اس سے کوئی عمل کیسے محسوس ہونے سے روک سکتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

ووجعلوا ما عملوا محضراً

کل قیامت کے دن تم اپنے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہاں پاؤ گے اور کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہوگی۔

باب ہشتم:

جنت اور دوزخ کے دوام کا بیان

عقیدہ نمبر (۹۴):

جنت و دوزخ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے پیدا کی ہوئی ہیں جو آج بھی موجود ہیں اور وہ بھی فنا نہیں ہوں گی۔

عقیدہ نمبر (۹۵):

جہنم پر بنا ہوا جس کو پہلے صراط کہتے ہیں وہ بھی حق ہے اور وہ اس وقت بھی موجود ہے: اور جنت کی حوروں کو کبھی موت نہ آئے گی: وہ ہمیشہ زندہ رہیں گی

عقیدہ نمبر (۹۶):

اور اللہ تعالیٰ جس شخص کو آخرت میں سزا یا جزا دیں گے، یا اس کو ثواب و عقاب دیں گے وہ شخص یا اس کا ثواب و عقاب کبھی فنا نہیں ہوگا بلکہ وہ ان کا ثواب ہمیشہ اور دائمی طور پر پہنچی حالت میں رہے گا۔

نوٹ: بعض حضرات کا عقیدہ ہے کہ جنت اور دوزخ میں دوام اور کھٹکی نہیں ہے بلکہ یہ ایک وقت کا جب موجود نہیں تھیں اور پھر ان کو وجود بخش دیا گیا تھا اور اسی طرح ایک وقت آئے گا جب ان کو ختم کر دیا جائے گا۔

اس مسئلے کی مزید تفصیل کے لئے فقہ واسطہ میں ابو مطیع عینی کے سوال نمبر ۶۸ اور سوال نمبر ۶۹ اور اس پر حضرت امام اعظم کا جواب ملاحظہ فرمائیے۔

باب نوزدہم :

انسانوں کی ہدایت اور ان کی گمراہی کا بیان

عقیدہ نمبر (۹۷):

اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہیں اس پر اپنا فضل فرماتے ہوئے اس کو ہدایت عطا فرمادیتے ہیں: اور جس کو چاہے ہیں اس کے لئے اپنے عدل کا فیصلہ کرتے ہوئے اس کو گمراہ کر دیتے ہیں۔

عقیدہ نمبر (۹۸):

اور کسی بھی شخص کا گمراہ ہونا، اس وقت ممکن ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ اس شخص سے اپنی رضا اور مرضی کا ہاتھ ہٹا لیتے ہیں۔

عقیدہ نمبر (۹۹):

اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کسی بندے سے بدل جانے کا مطلب یہ ہے کہ بندے سے صادر ہونے والے کام اللہ تعالیٰ کی مشاء اور اس کی مرضی کے خلاف ہوتے ہیں: اور یہ اللہ تعالیٰ کے عدل کی وجہ سے ہوتا ہے: اور اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہو اور گناہ و معاصی کا ارتکاب کرتا ہو گا وہ بھی اللہ تعالیٰ کے عدل کی وجہ سے بڑا کا مستحق ہو جاتا ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۰۰):

اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک ہمیں یہ بات کہنا جائز نہیں کہ شیطان نے جبراً اور طاقت آزمائی کرتے ہوئے بندے سے ایمان چھین لیتا ہے: لیکن ہم یوں کہیں گے کہ اللہ

۲۶۴ ————— فضا کبرو اہل

تعالیٰ کی توفیق شامل حال نہ ہونے کی وجہ سے بندے نے ایمان چھوڑا اور یوں شیطان نے اس بندے سے ایمان سلب کر لیا۔

نوٹ: شیطان کے پاس از خود اہل ایمان کے ایمان سلب کر سکنے کی طاقت ہرگز نہیں ہے، اور نہ ہی وہ اس کا مل ہے کہ بندے سے اس کا ایمان چھین سکے، اور ایمان کیفیت قلبی کا نام ہے جس پر شیطان کو کوئی دسترس نہیں ہو سکتی، بلکہ انسان از خود نہ چھوڑ دے، مگر یا اس اور ہامیدی نے شیطان کی مرضی پہری کر دی انسان کے ایمان چھوڑنے کی وجہ بن گیا اور شیطان بندے کے ایمان سلب کرنے کی وجہ بن گیا۔

باب ہستم:

قبر اور اس کے لوازمات کا بیان

عقیدہ نمبر (۱۰۱):

قبر میں مردہ دفنانے کے بعد اللہ تعالیٰ کے دفر شیعے منکر و نکیر کا آنا اور انسان سے سوال ان کی توحید و رسالت کے بارے میں سوال کرنا حق اور صحیح ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۰۲):

انسان کے مرنے کے بعد اس کی روح کا قبر میں جسم کی طرف لوٹنا یا جانا درست اور صحیح حقیقت پہنچی بات ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۰۳):

اور تمام کفار کے لئے اور بعض گنہگار مسلمانوں کے لئے قبر میں جلی اور اس کا عذاب تمام کفار کو دیا جاتا، اور بعض مسلمان گناہگاروں کو دیا جاتا حق اور درست ہے۔

نوٹ نمبر: احادیث میں آتا ہے قبر میں بندے سے تین سوالات کئے جاتے ہیں

(۱) یمن دہک یعنی تیرا رب کون ہے؟ (۲) ما دہنک یعنی تیرا دین کیا ہے؟

(۳) یمن نہک یعنی تیرا نبی کون ہے؟

اور مؤمن درست جواب دے گا کہ (۱) اللہ ربی؛ میرا رب اللہ (۲) الاسلام دینی

اور میرا دین اسلام ہے (۳) محمد نبی محمد میرے نبی ہیں؛ جبکہ کافر ہر سوال کے جواب میں

تعجب سے دائیں بائیں دیکھے گا مگر کوئی جواب نہ دے سکے گا اور یہ سارا واقعہ اسی دنیاوی قبر

میں پیش آئے گا جو قبرستان میں بٹکی جاتی ہے؛ اور جس میں مردہ کو رکھا جاتا ہے۔

(اس موضوع پر امام صاحب نے جامع المسانید میں حدیث نقل فرمائی ہے)

نوٹ نمبر: عذاب و ثواب قبر کا مسئلہ دین کے ان مشکل اور مختلف فیہ مسائل میں سے ہے جس کو سوائے دلائل عقلیہ کے ثابت نہیں کیا جاسکتا البتہ عقلی دلائل کے لحاظ سے صرف اسی قدر کہا جاسکتا ہے کہ: بنیادی طور پر انسانی جسم کے تین حصے ہیں

(۱) روح: جس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي یعنی روح میرے پروردگار کے امر کا ظہور ہے: اس سے زیادہ روح کے بارے میں شریعت میں معلومات نہیں دی گئیں: البتہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو نور سے بتایا ہے: اس کو انگریزی میں (spirit) کہا جاتا ہے

(۲) نور انسانی جسم میں دوسری چیز نفس (soul) ہے اور اس کی چار قسمیں ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں یوں ہے

(۱) نفس امارہ: یہ نفس کی وہ قسم ہے جو ہر وقت انسان کو برائی کی طرف مائل کرتی رہتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ یعنی نفس امارہ انسان کو برائی کی طرف مائل کرتا ہے۔

(۲) نفس لوامہ: یہ نفس کی وہ قسم ہے جو انسان کو برائی پر طاعت کرتی ہے اور اچھائی کے صادر ہونے پر فرحت اور خوشی کا اظہار کرتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَلَا تَلْمِزْهُمُ النَّفْسَ لَوَّامَةٌ، یعنی میں تم میں قسم افھاتا ہوں نفس لوامہ کی

(۳) نفس مطمئنہ: یہ نفس کی وہ قسم ہے جس کے ظاہر ہو جانے سے انسانی طبیعت میں برائی سے طبعی نفرت اور نیک سے طبعی رغبت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ، یعنی اے نفس مطمئنہ لوٹ جا اپنے پروردگار کی طرف

(۴) نفس مہملہ: خیر و شر: یہ وہ نفس ہے جو اچھی صحبت کی وجہ سے اچھائی اور برائی سے آگاہ رہتا ہے: جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا یعنی اور وہ نفس جس کو نیک اور بدی پر متوجہ کرنے کی صلاحیت دے کر پیدا کیا گیا ہے

اور یہ چاروں اقسام کی نفوس مختلف انسانوں میں مختلف انداز سے اثر انداز ہوتے ہیں: اس کو جیسا کہ علم اللہ مد میں (soul) کہتے ہیں، اسی کا نام ہندو دھم اچھا ند میں کرشن بور پرورہ پنی (Metaphysical philosophy) فلاسفی میں (super ego) کے نام سے اور اسی کو سر محمد اقبال نے اپنی شاعری میں (خودی) سے تعبیر کیا ہے: اور علامۃ الناس اسی کو دل یا خواہش کہتے ہیں

(۳) اور تیسری چیز انسان میں اس کا مادی جسم ہے اور یہ جسم چار اجزاء کا مجموعہ ہے آگ پانی مٹی اور ہوا: بقول امام عبید اللہ سندھی اگر ہر جرو کے تین حصے فرض کئے جائیں $3 \times 3 \times 3 \times 3 = 81$) اقسام کے انسان سامنے آ جاتے ہیں یہ کم از کم اقسام ہیں اور ان میں سے ہر ایک کی خصوصیات دوسرے سے مختلف ہیں جن کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی: ان میں سے ہر ایک کی خاصیات دوسرے سے منفرد ہیں: جسم میں ضروریات اور خواہشات کا پیدا کرنا اور ان کو پورا کرنے کی راہ تلاش دکھانا ہے اور انسان میں شعور و ادراک پیدا کرنا روح کا کام ہے: اور اس دنیا کی غذا بیت سے لطف اندوز ہونا جسم کا کام ہے۔

موت و حیات کی حقیقت:

انسانی موت اور حیات کی حقیقت بڑی عجیب ہے: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: **الْمَلُئَةُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَاللَّهُ لَمَّ لَصَتَ فِيهَا مَعَهَا**؛ یعنی اللہ تعالیٰ انسان کے اندر سے نفس نکال لیتے ہیں جب اس کو موت دینا مقصود ہو اور اگر نفس واپس بھیج دیں تو یہ زندہ ہوتی ہے، جبکہ روح ابھی اسی کے اندر موجود رہتی ہے، لہذا انسانی موت و حیات کی نوعیت کچھ یوں بنتی ہے کہ اس میں شعور ہوتا ہے مگر اس کی موجودگی سے دنیا کے عارضی اسباب و لوازمات، میں استفادہ ممکن نہیں ہوتا اگرچہ شعور و ادراک اس میت میں مکمل طور پر موجود ہوتا ہے؛ بلکہ بعض اوقات دنیا کے مقابلے میں وہ شعور و حیات زیادہ واضح اور عیاں ہوتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی کہ: **الْمَيِّتُ يَحْذَرُ بَنَکَامَ اَحِلِّ (بخاری)** یعنی میت کو اہل خانہ کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے: اگر موت

انسان کو ہتھکڑی طرح بندھو تو اس کو عذاب دیئے جانے کے کوئی معنی نہیں ہیں: اور ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میدان بدر میں کفار کی جیتوں کے پاس جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اہل جہنم مابعد دہکم حقا، کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ پورا ہوتا ہوا پایا ہے؟

تو صحابہ کرام نے تعجب سے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی کیا یہ آپ کی آواز سننے ہیں؟ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غبارِ شام فرمایا کہ ہم اسمع منکم یعنی وہ تم سے زیادہ سننے ہیں۔ مراد یہ تھی کہ اب ان میں شعور اور احساس پہلے سے زیادہ ہو گیا ہے تو ان کو کیوں نہ سنا لی دے گا۔

عقلی زندگی کی ایک اور مثال:

انسان کے کلام کی حقیقت یہ ہے کہ: اس کے کلام میں تین چیزیں یک بارگی استعمال ہوتی ہیں: پہلی: انسانی زبان سے استعمال ہونے والے الفاظ: دوسری: ان الفاظ کی تراکیب: اور تیسری: ان تراکیب میں استعمال ہونے والا نور یا عظمت جو ایک انسان دوسرے انسان کے باطن میں منتقل (transfer) کرتا ہے: اور انسان کو اس بات کا اکثر احساس نہیں ہوتا اسی وجہ سے نیک لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی باتیں سننے سے کبھی اطمینان اور دل میں سکون ہوتا ہے: اور بعض لوگوں کی بات سننے سے طبعیت میں ارتعاش (disturbance) ہوتی ہے: اس نور و عظمت کا دنیا میں پہنچ نہیں چلا: البتہ مرنے کے بعد اس کی حقیقت انسان پر کھل جاتی ہے: اسی طرف بات کی حقیقت کی طرف اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کے ساتھ اشارہ فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ يَنْسُجُ مِنْ مِّثْنًا وَمِنْ ثَمَرَاتٍ بِمَنْجِيحٍ مِّنْ لّٰہِ الْمَغْشُوْر (الغافر) یعنی اللہ تعالیٰ مردوں کو سنا رہا ہے مگر وہ ان کو خود نہیں سن سکتے: اور یہ ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا ایسا فیجی نظام حرکت میں آ جاتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے علم اور مرضی کے تابع ہوتا ہے، کسی ذمہ شخص کو اس کی حقیقت قصداً معلوم نہیں کہ کیا ہو رہا ہے؟ اس ساری بحث کا عام کاری کی سمجھ میں آتا ہے ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اس لئے اللہ

تعالیٰ نے موت کے بعد کی زندگی کے بارے میں فرمایا ہے کہ: لیکن لا تعفرون یعنی تمہارے شعور کی رسائی وہاں تک نہیں؛ چونکہ عام آدمی کے شعور کی اس مقام تک رسائی کی نئی کی گئی ہے، یعنی ممکن ہے کوئی شخص اپنے شعور کو بلند کر لے تو اس کو مرنے کے بعد کی زندگی کچھ معلوم ہونے لگے: جیسا کہ بعض لوگ کشف الہیہ کے ذریعے بعض باتیں جاننے لگتے ہیں، مگر یہ قوت تصور اصلی نہیں؛ اور اس کے حاصل کرنے اور اس کی تکمیل کرنے سے حاصل وصول کچھ نہیں ہوتا: اسی لئے قبر میں عذاب ہوتا، انسانی روح کا اسی قبر میں لوٹایا جاتا، اسی قبر کا انسان کی پہلیاں وہاں حق ہے۔

نوٹ: روح کو لوٹائے جانے سے مراد یہ ہے کہ انسان کی موت کے ساتھ انسانی نظام میں تبدیلی کر دی گئی ہے: اور اب وہ دوسرے اجسام میں چلا گیا ہے وہاں اس کو زندہ کیا جاتا ہے تاکہ باور کروایا جائے کہ دنیا میں کیا کرتا رہا اور اس کا نتیجہ کیا نکلتے دہا ہے، یہ مختصر بیان ہے جو ہندو تعالیٰ نے اس مترجم پر کھولا اور نہ اصل حقیقت اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اس کا حقیقی علم مرنے کے بعد ہوگا۔

نوٹ: یہ مسئلہ فقہاء اور صوفیاء کے درمیان متنازع ہے کیونکہ فقہاء ظاہر نفس کو دیکھ کر فیصلہ کرتے ہیں جبکہ صوفیاء کے ہاں ظاہر کے ساتھ اس کے باطن کو بھی مد نظر رکھا جاتا ہے: اس دنیا کے نزاع نفسی میں چرنے کی بجائے اپنی آخرت کی تیاری میں محنت کرنی چاہئے جس کی کامیابی اصل کامیابی اور ناکامی اصل ناکامی ہے: اور اللہ سے ہمیشہ دعا کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ ہاں کامیابی سے سرفراز فرمائے اور ناکامی سے محفوظ فرمائے۔

باب بست ویکم:

عربی زبان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا بیان

عقیدہ نمبر (۱۰۴):

اللہ تعالیٰ کی وہ تمام صفات جو علمائے فارسی نے بیان کی ہیں جو ذات باری اور صفات عالی کے بارے میں ہیں ان تمام کا اپنی زبان سے اقرار کرنا درست ہے: سوائے یہ (دست) کو فارسی زبان میں استعمال کرنے کے لہذا (روئے خدا) کہنا درست ہے مگر اس میں بھی تشبیہ اور کسی کیفیت کا احتمال نہ ہوگا۔

عقیدہ نمبر (۱۰۵):

اللہ تعالیٰ کا کسی چیز سے قرب اور دوری مسافت اور فاصلے کے لحاظ سے مراد لی جاتی ہے

عقیدہ نمبر (۱۰۶):

بلکہ اس سے مراد ذلت اور عزت یا قدر و منزلت ہوتی ہے۔ لہذا مطیع اور اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار بندہ یعنی طور پر اللہ تعالیٰ کے قریب ہوتا ہے: مگر یہ قرب بے کیفیت ہے: اور نافرمان اور گناہ گار شخص بلا کسی کیفیت کے اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا ہے: اور مطیع کا قرب اور نافرمان کی دوری بلا کیفیت اور بلا تشبیہ ہوتی ہے: دنیا میں قریبی یا دوری کے معنوں میں مراد نہیں لی جاسکتی۔

عقیدہ نمبر (۱۰۷):

اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کا بعد اور کسی کی طرف متوجہ ہونا یہ مناجات کرنے والے پر وارد ہونے والی کیفیات میں سے ایک کیفیت کے اعزاز میں ہوتا ہے: اور اس میں اللہ تعالیٰ

کی مسابجی اور جنس میں اس کے سامنے ٹھہرتا بھی اللہ تعالیٰ کی بے کیفیت صفات میں سے ایک صفت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قاری یا کسی اور زبان میں جو صفات ذکر کی گئی ہیں اس کی دو قسمیں ہیں (۱) اگر کسی صفت کے ذریعے ذات باری تعالیٰ میں نقص وارد ہونا لازم آئے تو وہ صفت اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے استعمال کرنا درست نہیں ہے (۲) اس کے علاوہ تمام صفات جن سے ذات باری تعالیٰ میں نقص اور عیب لازم نہ آتا ہو ذات باری تعالیٰ کے لئے استعمال کرنا درست ہوگی: جیسے قاری زبان میں یہ اللہ کا ترجمہ دست خدا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنا درست نہیں: مثلاً یوں کہہ سکتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے سامنے مگر یہ سامنا بلا تشبیہ اور بلا کیفیت ہوگا (دست خدا) یا (اللہ کا ہاتھ) وغیرہ جیسے کلمات اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنا درست اور جائز نہیں ہے۔

باب بست دوم:

حقیقت قرآن اور آیات کی فضیلت کا بیان

عقیدہ نمبر (۱۰۸):

قرآن کریم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ پر نازل ہوا ہے، یہ وہی قرآن کریم ہے جو ایک مصحف کی شکل میں لکھا گیا اور ہمارے سامنے موجود ہے۔

عقیدہ نمبر (۱۰۹):

اور تمام قرآنی آیات کلام ہونے کے لحاظ سے حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں اور عظمت و فضیلت کے لحاظ سے سب قرآنی آیات برابر ہیں۔

عقیدہ نمبر (۱۱۰):

اور اس میں بعض آیات کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذکر کے لحاظ سے فضیلت ہے؛ اور بعض آیات کو اس آیت میں ذکر کئے گئے مضمون کی وجہ سے فضیلت ہے۔

جیسے آیت الکرسی کی مثال ہے کیونکہ اس میں فضیلت اس وجہ سے ہے کہ اس میں ذات باری تعالیٰ کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات کی ذات کی وجہ سے فضیلت و عظمت ہے اور اس کی صفات کا اجمال ہے؛ اس لحاظ سے اس آیت میں دو فضیلتیں جمع ہوئی ہیں ایک ذکر کی فضیلت اور دوسرا مذکور یعنی ذات باری تعالیٰ کی فضیلت۔

دوسرا عام آیات میں سے بعض میں صرف ذکر کی فضیلت ہوتی ہے اور مذکورہ شخصیت کی فضیلت بالکل نہیں ہوتی؛ مثال کے طور پر قرآن کریم میں بعض مقامات پر کفار کا تذکرہ ہے اس میں صرف ذکر کی فضیلت ہے وہ اس طرح کہ یہ آیت قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ذکر

فقہ اکبر و اہل ————— ۲۷۳

فرمائی ہیں: اس میں مذکورہ شخصیت کو کوئی فضیلت اور مرتبہ نہیں کیونکہ وہ لوگ تو طبقہ کفار میں سے ہیں۔

حقیقہ نمبر (۱۱۱):

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کے تمام نام اور اس کی تمام صفات، عظمت اور فضیلت میں برابر ہیں اور ان میں کوئی تفاوت اور فرق نہیں ہے: اور نہ ہی کسی میں کتری یا برتری پائی جاتی ہے۔

نوٹ: اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ تعلق کی وجہ سے تمام صفات ایک مقام و مرتبہ کی حامل ہیں البتہ الہی تائید کے لحاظ سے بعض کاموں میں بعض صفات کی فضیلت زیادہ ہے اور بعض کی کم ہوتی ہے۔

اسی طرح آیات قرآنہ میں بھی بعض آیات کی فضیلت اپنے مذکورہ مضمون کے لحاظ سے کم ہے اور بعض کی فضیلت زیادہ ہوتی ہے۔

باب ہست و سوم :

رسول اللہ کے والدین اور اولاد کا بیان

عقیدہ نمبر ۱۱۲:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کفر کی حالت میں نہیں بلکہ ایمان کی حالت میں فوت ہوئے ہیں۔

عقیدہ نمبر ۱۱۳:

اور آپ کے چچا اور حضرت علی الرضی کے والد ابو طالب کی وفات کفر پر ہوئی ہے، اور انہوں نے آخر وقت تک ایمان قبول نہیں کیا تھا۔

عقیدہ نمبر (۱۱۴):

آپ کے قاسم، طاہر اور امایم: رضوان اللہ علیہم بیٹے تھے۔

عقیدہ نمبر (۱۱۵):

اور حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کا شوہر نبی یہ تمام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں تھیں۔
نوٹ: یاد رہنا چاہئے کہ: امام صاحب سے فقہ اکبر میں اس مسئلہ پر چھ مختلف متن ملتے ہیں:
(۱) ایک رائے یہ ہے کہ: والدین نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے: اور اس رائے میں نہ تو کوئی شک ہے: اور نہ ہی اس پر کوئی ایسا اعتراض کہ اس کا جواب نہ ہو: کیونکہ آپ کی ولادت سے قبل جو لوگ فوت ہوئے اگر وہ اپنے قبیلے یا قوم کی طرف مبعوث کئے گئے نبی پر ایمان لا چکے تھے تو انہیں بلا کسی شک و شبہ مومن سمجھا جائے گا:

(۲) دوسری رائے یہ ہے کہ: والدین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت فطرت پر ہوئی:

فطرت کی وضاحت اسلام معظم ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

۲۱: کل مولود یولد علی فطرة

خلق الله تعالى الخلق سليماً من الكفر والایمان ؛ ثم خاطبهم

وامرهم ونهاهم

یعنی: اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کو اسلام اور کفر سے سالم پیدا کیا ہے، اور پھر ان کو امر و نہی کے احکامات دئے، جو کوئی فطرت نام ہے کفر اور ایمان سے ورے ہونے کا۔ جب کہ اسلام بذات خود دین فطرت کا نام ہے، لہذا اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے امر و نہی پر عمل کرے یا دین فطرت پر ہو تو وہ مسلمان ہی سمجھا جائے گا، کیونکہ اس زمانے کے لئے باقاعدہ کوئی رسول نہیں بھیجا گیا تھا اور ہر قبیلہ اور قوم کی طرف جو نبی بھیجا گیا اس زمانے کے لوگوں کا اسی پر ایمان لانا ان لوگوں کے ایمان دار ہونے کی دلیل تھی؛ جیسے کہ حدیث میں آتا ہے: کل مولود یولد علی فطرة: یعنی ہر پیدا ہونے والا اس کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر ماحول میں کا خاندان میں کے رسم و رواج، اس کو ایک ڈگر پر چلاتے ہیں اور وہ اسی پر چل نکلتا ہے: اس ساری بات کے چشم نظر ان کے بارے میں اسلام کی رائے قابل قبول اور قابل عمل ہے۔

(۱): وفي النسخة "والله رسول الله مات على الفطرة"

والفطرة هو السلامة من الشر والاستعداد للخير ؛ فمعناه مات

على الاسلام كما قال النبي صلى الله عليه وسلم كل مولود

يولد على فطرة الاسلام والنسبة بين الايمان والاسلام عموم

وخصوص من وجه ، واهوكم ابراهيم هو سماكم المسلمين من

قبل وفي هذا . واهو هما صلى الله عليه وسلم كانوا مؤمنين على

دين الحنيف وهو غير المنسوخ حتى اتى دين النبي في اخر

الزمان.

(۳) تیسری رائے یہ کہ والدین نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کفر ہوئی۔
اس بارے میں جان لینا چاہئے کہ: جس نسخہ کی یہ عبارت ہے اس میں تحریف ہوئی ہے
! جیسا کہ صاحب دلائل فرماتے ہیں:

وما فی الفقه من ان والدہ ماتا علی الکفر فملسوس علی الامام
یہ جو مسئلہ کہ فقہ اکبر میں ہے حضور کے والدین کی موت کفر ہوئی ہے یہ متن میں
تحریف ہے جب کہ اصل عبارت اور طرح ہے۔

شیخ ابراہیم قسطلانی اپنے مقالے (امام علی القاری) میں نقل کرتے ہیں:

والی بحمد اللہ راہت لفظ "ماتوا" فی نسخہ بنار الکتاب
المصریۃ قدیمین وعلی القاری ہی شرحہ علی النسخۃ
المخاطبۃ

میں نے الحمد للہ دار الکتاب مصریہ میں دو نسخے دیکھے جن میں (ماتوا) کے الفاظ تھے: اور
یہ تحریف کا قصہ یوں ہوا کہ شیخ مرتضیٰ الزبیدی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد احمد بن
مصلح لکھی کے ہاتھ سے فقہ اکبر کے اس مقام پر لکھا ہوا دیکھا:

ان الناس لما رأی تکرر ما فی ممانا ظن ان احدهما زالدہ
فحذفوا لذلک نسخۃ المخاطبۃ

یعنی لکھنے والے نے [ممانا] کے دو [ما] دیکھ کر اعجازہ گا کا ایک [ما] زاد ہے لہذا
اس نے ایک [ما] حذف کر دیا اور یہ ظنی وہاں سودنیا میں گمیل گیا: ظاہل القاری اور دوسرے
شارحین نے نسخوں کی تصحیح میں زیادہ محنت نہیں کی جس سے یہ نعوام ہو گیا:
اور اس کو تسلیم کرتے ہوئے ظاہل القاری نے شرح فقہ اکبر میں نسخہ زیادہ کا متن اسی طرح
نقل فرمایا ہے کہ:

واللہ رسول اللہ ماتا علی الايمان

مگر اس مقام پر انہوں نے ترجیح اسی بات کو دی کہ آپ کی فوغی کفر ہوئی: جب بعد میں مسئلہ بن کے لئے واضح ہوا تو اپنی آخری تصنیف شرح الخفاء میں آپ خود فرماتے

ہیں:

و ابو طالب لم یصح اسلامہ و ابوہ ظہیرہ اقوال و الا صح

اسلامہما علی ما اتفق علیہ الاجلۃ من الامۃ

والدین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤمن ہونے میں متعدد اقوال ہیں: مگر صحیح ترین رائے یہ ہے کہ ان کی وفات اسلام پر ہوئی ہے اور امت کے جلیل القدر آئمہ کی رائے بھی یہی ہے: اور جب غلطی القاری کا پہلا مؤقف تھا تو انہوں نے اپنے مؤقف کی تائید میں ایک رسالہ [ادلة معتدلیہ حلیۃ الامام علی ابوی الرسول علیہ السلام] بھی لکھا مگر بعد میں حقیقت حال معلوم ہو جانے کے بعد اپنا مؤقف بدل لیا: اور شرح الخفاء میں اس کی وضاحت بھی لکھ دی: اور بالعرض والحوال اگر غلطی کی کفر والی رائے کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے ان کی مراد کفر علوی ہوگا یعنی آپ نے زمانہ نبوت نہیں پایا اور یوں اسلام عربی محتوں میں آپ پر صادق نہیں آتا اور آپ ویسے مسلمان نہیں ہیں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایمان لانے والے تھے۔ جب کہ حق بات وہ ہے جو متن میں مذکور ہوئی کہ آپ کے والدین کی وفات ایمان پر ہوئی: مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب الخفاء من والدی المصطفیٰ میں دیکھی جاسکتی ہے

نوٹ: اور اس پر تمام اہل السنۃ والجماعۃ اور اہل الصحیح حضرات کی سب متفق ہیں مگر اہل تشیع سید طاہر کے علاوہ ساری اولاد کو نبوت سے پہلے کی اولاد مانتے ہیں اور اسی کو سب اولاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وجہ فضیلت قرار دیتے ہیں۔ جب کہ اصل حقیقت معلوم ہوئی چاہئے کہ قاطرہ کے والد اور ام کلثوم ہر قیام و نسب کے والد ہونے میں تو شک نہیں اور آپ کا اعلان نبوت تو چالیس برس کی عمر میں ہوا: جبکہ آپ کو اس وقت بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے جب آدم علیہ السلام پانی اور مٹی میں تھے جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کنت نبیاً و آدم منجدل بین الماء والطين
 یعنی جب آدم اپنی مورسی کی شکل میں تھے اس وقت بھی نبی تھا بلکہ: وقتی خصیص یا
 فضیلت سے ہرگز کوئی فائدہ نہیں ہے: بہتہ حضرات شیعوں کے ہاں دوسری وجہ فضیلت کا طرہ کا
 علی سے نکاح ہوتا ہے: چونکہ ان کے نزدیک سارے صحابہ کرام کو چھوڑ کر اصل فضیلت حضرت
 علیؑ کی ہے: اسی طرح انہوں نے اصل فضیلت کو کا طرہ کے ائمہ پر کر دیا اور ان فضیلتوں کی
 وجہ سے دوسروں سے ان کا کر دیا: اور یہ ان کی کم ہمتی ہے ورنہ کسی کو تو کسی ایک وقت میں
 ایک دوسرے پر فضیلت ہو سکتی ہے۔ اگر اس کو بھی تسلیم کر لیا جائے تو جھگڑا سرے سے
 نہیں رہے گا۔

باب بست و چہارم:

عقائد میں تفویض کا راستہ اختیار کرنے کا بیان

عقیدہ نمبر (۱۱۶):

اگر کسی شخص پر علم تو حید یا علم عقائد کی ہارکیوں میں سے کوئی بات سمجھنا مشکل ہو جائے؛ یا کوئی اور مسئلہ جیسے صفات باری کا مسئلہ سمجھ نہ آ رہا ہو تو اس کو چاہئے کہ فی اللہ جو بات درست طرح سے سمجھ میں آتی ہو اس کو مان لے: اور یہ عقیدہ رکھے کہ: جو بات اللہ تعالیٰ کے ہاں صحیح ہو اور درست ہے اس پر میرا ایمان ہے اور وہی عقیدہ ہے اور بعد میں جب کوئی ایسا عالم ملے جو اس کی تسلیم و نفی کر سکتا ہو تو اس سے پوچھ کر اپنی رائے درست کر لے۔

عقیدہ نمبر (۱۱۷):

اس مسئلہ کے معلوم کرنے میں ہرگز دیر کرنا درست نہیں ہے: اور اگر کوئی شخص اس پر توقف اختیار کر لے تو اس کا یہ عذر اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہ ہوگا: اور اس عقائد کے مسئلہ پر توقف کر لینے سے شریعت اسلام میں اس کے بارے میں کفر کا حکم دیا جائے۔
نوٹ: ہاں! شرعی مسائل کی منہ مجذول صورتوں میں توقف اختیار کرنا درست ہے

(۱) اگر کسی مسئلہ میں جاہلین کے دلائل برابر ہوں

(۲) کسی مسئلہ کا درست جواب معلوم نہ ہو سکتا ہو

(۳) یہ کہ: وہ مسائل اصول سے قطع رکھتے ہوں: ان مسائل کے جواب میں فوری

طور پر یہ کہنا چاہئے کہ: جیسے اللہ کے ہاں درست بات ہے اس پر ہم ایمان رکھتے ہیں: مگر جیسے ہی کوئی درست بتانے والا عالم ملے اس سے پوچھ کر اپنی صحیح کر لینی چاہئے: جیسا کہ خود امام صاحب سے بارہ مسائل میں توقف ثابت ہے: اور کسی نے ان مسائل میں سے

بعض کو ظلم کرتے ہوئے یوں کہا ہے:

من لال لا ادري عالم بغيره فقد القدي في النقه بالنعمان
في اللعرو العتي كلاك جوابه ومحل اطفال ووقت خضاه
لورا یکدوسرے امام نے ان مسائل کو یوں لکھا

وورعاً للامام الاعظم النعمان سبب الغولف في جواب عان
سور الحمار ؛ بفاحل جلاله ؛ ونواب جنى على الامان ؛
والدقر ، والكتب المعلم ؛ ثم مع فريه الكفا ؛ ووقت خضاه
یعنی جو شخص ایسی بات میں لا ادری کہے جس کو وہ نہیں جانتا تو وہ فقہ میں امام اعظم کی
افتد اگر رہا ہے؛ کیونکہ انہوں نے بھی کئی مسائل کا جواب دینے کی بجائے توقف اختیار کیا
(۱) یعنی اگر کوئی یہ بات کرے کہ میں اسے دہر میں لکھاں سے بات نہ کروں گا تو اس
دہر سے کتنا زمانہ مر رہا ہے؟

(۲) قطعی مشکل: یعنی ایسا لکھو اچھا پی دونوں شرم کا ہوں سے براہر جواب کرے اس
کو وراعت کے مسائل میں آ دی جانا جائے یا عورت کا حکم لگا کر وراعت کا حق واد قرار دیا
جائے؟

(۳) کفار اور مشرکین کے فوت شدہ نابالغ بچوں کے ہارے میں کیا رائے رکھی جائے
کہ وہ جنت میں جائیں گے یا جہنم میں۔
اس مسئلہ پر بعد میں امام نے اپنی رائے تبدیل فرمائی تھی؛ پور فرمایا یہ بچے جنت کے
ظان ہوں گے؟

(۴) ختنہ کس مرتبہ کر سکتے ہیں؟
دوسرے شعر میں کچھ مسائل تو وہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئے ہیں اور باقی مسائل کی
تفصیل یہ ہے؟

(۵) آپا گدھکا جو خفا پاک ہے یا ناپاک؟

- (۶) گند کی کھانے والی مرنی کتنے دن بند کئے سے پاک بھی جائیگی؟
- (۷) جنات کے ایمان لانے سے ان کو ثواب ہوگا یا نہیں ہوگا؟
- (۸) کلب معظم یعنی سکھلا یا ہوا کتا کس کو سمجھا جائے؟
- دور کچھ مسائل جو اسکے علاوہ ہیں، اور بعض مائتہ نے انکو ذکر کیا ہے مندرجہ ذیل ہیں:
- (۹) فرشتے انبیاء سے افضل ہیں یا نہیں؟
- (۱۰) والدین مصطفیٰ ایمان پر فوت ہوئے یا کفر پر؟ اس کی وضاحت متن فدا کبر میں کر دی گئی ہے اور تفصیل کے لئے وہاں دیکھنا چاہئے:
- (۱۱) یزید بن معاویہ لگو برا کہتا چاہئے میاں چھا؟
- (۱۲) اگر کوئی شخص ایسا کلمہ کفر بولا ہو جس کی خانوے توجیہات کفر کی اور ایک توجیہ ایمان کی ہو اس پر کفر کا فیصلہ دینا چاہئے یا نہیں؟

باب بست و پنجم:

معراج نبوی کا بیان

عقیدہ نمبر (۱۱۸):

معراج کی خبر جس نے دی اور جس سے ہم تک پہنچی ہم اس کے تصدیق کرتے ہیں: یہ واقعہ حقیق اور صحیح ہے اور جو شخص اس کا انکار کرتا ہے وہ گمراہ اور بدعتی ہے۔

توسلہ: سوال یہ ہے کہ آیا معراج جسمانی تھا یا روحانی؟ بعض آئمہ اس کے روحانی ہونے کے قائل ہیں: مگر حق اور صریح بات یہ ہے: معراج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی تھا؛ ورنہ روحانی معراج تو کئی انبیاء اور حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی بار ہوا ہے: اور آپ کا خاصہ معراج جسمانی ہے یعنی آپ نے اپنے جسم اطہر سمیت ساتویں زمین اور ساتویں آسمانوں اور پھر جنت اور دوزخ کو دیکھا اور اپنے اللہ سے ہم کلام ہوئے اس کا نام معراج ہے

مسئلہ معراج الہی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسد اطہر سمیت بھی چونکہ اس قدر زیادہ احادیث میں مذکور ہے جو درجہ تو اتر تک پہنچی ہوئی ہیں اس لئے امام اعظم نے اس کو بھی علم عقائد کے اساسی مسائل میں ذکر فرمایا ہے۔

باب بست و شتم:

علامات قیامت و نزول مسیح علیہ السلام

عقیدہ نمبر ۱۱۹: وہاں کا شرق سے لگتا جن اور کج ہے
 عقیدہ نمبر ۱۲۰: اور یا جوج مآ جوج کا لگتا یا کاہر ہوتا: حق اور کج ہے۔
 عقیدہ نمبر ۱۲۱: اور مغرب کی طرف سے سورج طلوع ہوتا یہ: ب حق اور کج ہے
 عقیدہ نمبر ۱۲۲: حضرت مسیح علیہ السلام کا قیامت کے قریب آسمان سے اترنا: حق اور کج ہے
 عقیدہ نمبر ۱۲۳: اور دیگر تمام علامات قیامت جو کج احادیث میں وارد ہونے سے معلوم ہیں
 حق اور کج ہیں اور وہ سب قیامت سے پہلے یقیناً واقع ہو کر رہیں گی:
 عقیدہ نمبر ۱۲۴: اور اللہ تعالیٰ ہی وہ ذات ہے جو جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف
 ہدایت دیتا ہے اور توفیق صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتی ہے
 پہلی بحث حضرت مسیح علیہ السلام زندہ ہیں:
 اس بحث کو پہلے کی وضاحت کی غرض سے تین حصوں میں بیان کیا جائے گا
 پہلا حصہ قرآن کریم میں حیات مسیح:
 اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۱) وان من اهل الکتاب الا لولمن به قبل موله ويوم القیامۃ

ہمکون علیہم شہیدا (النساء: ۱۵۹)

اور اہل کتاب میں سے کوئی شخص ایسا نہیں جو آپ کی موت سے پہلے آپ پر ایمان نہ
 لائے اور وہ قیامت کے دن ان کے گواہ بن کر پیش ہوں گے۔

دوسرا حصہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نزول مکہ طیبہ اسلام کے بارے میں چالیس اصحاب نبی سے زیادہ افراد نے روایات نقل فرمائی ہیں جن کے اسمائے گرامی درج ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں:

لنزلن ابن مریم لیکم حکما عدلا فلیقتلن الدجال و لیقطن
العنصر و لیکسرن الصلیب و لکون مسجداً واحداً للہ رب
العالمین

یعنی تم میں ماہین مریمؑ ایسے حاکم بن کر نازل ہوں گے جو عدل کو عام کر دیں گے و جہل کو کُل کر دیں گے و عنبر کے انسانی استعمال کا خاتمہ ہو جائے گا اور صلیب کی پرستش چھوڑ دی جائے گی اور پوری دنیا میں صرف ایک اللہ رب العالمین کے لئے سجدہ کیا جائے گا۔

تیسرا حصہ حضرت مسیح کے بارے میں اجماع الامة:

امام ابن حبان نے فرمایا:

واجمعت الامة علی ما تضمنه الاحادیث المعروفة من ان ھی
فی السماء حیّ و انه ینزل فی آخر الزمان (تفسیر بحر المحیط)

اس بات پر امت کا اجماع ہے اور احادیث متواترہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام زندہ ہیں آسمانوں میں ہیں اور آخر زمانہ میں آپ کا نزول ہوگا۔ اور صاحب الجامع البیان کا فرمان:

والاجماع علی انه حی فی السماء ، و ینزل ، و یقتل الدجال ،

و یؤتد الدین

اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت مسیح آسمانوں میں زندہ ہیں اور آپ نازل ہوں گے اور جہل کو کُل کریں گے اور دین کی تائید فرمائیں گے

پانچواں حصہ

اُردو ترجمہ

الفقہ الابیسط

تالیف:

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابتؒ

راوی و سائل

ابو مطیع حکم بن عبد اللہ تعالیٰ علیہ

ولادت: ۱۱۵ھ وفات: ۱۹۹ھ

مع حواشی مفیدہ

الشیخ علامہ زاہد الکوثری

ترجمہ و تخریج

مفتی رشید احمد العلوی

مقدمہ مترجم

تمام تعریفیں اسی ذات کے لئے ہیں جو تعریفوں کا حیدر اکرنے والا ہے اور یہ تعریفیں اسی ذات بے مثل سے شروع ہو کر اسی پر ختمی ہو جاتی ہیں: اور بے شمار متیں اور برکتیں اس کی طرف سے پیچھے گئے آخری رسول کے لئے مخصص ہو کر اہل دنیا کے لئے آرام اور راحت کا باعث ہوں، جو اس عارضی دنیا میں امن و آشتی کا دائمی پیغام لے کر ماضی قیام کے لئے وارد ہوئے۔ مگر اہل دنیا کو دائمی مسرتوں، خوشیوں، لذتوں کا ہر دہکا گئے، اور آپ کی پاکہا ز روز قیامت تک جاری رہنے والی آل دنیا اور اہل دنیا کے لئے چراغِ ہدایت آپ کے اصحاب کرام: دنیاوی زیب و زینت کا باعث آپ کے اہل بیت: اور آپ کی فنی زندگی کے امن اور عام لوگوں کے لئے زندگی میں تعلیم و تحکم کے گہائے گوہر فطانت امہات المؤمنین، نور نبوت کی پوری کائنات میں کھمری ہوئی کرنوں کو اپنے دامن میں سیٹھنے اہل دنیا کی نئے انداز سے شیرازہ بندی کرنے والے ائمہ مجتہدین: اور ان میں خاص اور اماموں کے سردار مقام اجتہاد میں اولیس اور صدیق بشارت سید المرسلین حضرت امام الائمہ سراج الامۃ ابوحنیفہ نعمان بن اثابت الکوئی الکلابی، جن کی ہر رائے کتاب اللہ تعالیٰ دست نبویہ علیہا حقہ والہاء کے منوال پر پوری اتاری ہوئی ہے: اور قیامت تک اخلاص کے ساتھ آپ کی اتباع کرنے والوں پر لاتعداد برکتیں اس ذات کی طرف سے نازل ہوں: جس کے خزانوں میں اس ساری تقسیم کے بعد بھی رائی کے دانے برابر کی واقع نہیں ہوتی۔

امام اعظم ابوحنیفہ اپنے زمانے کے امام الائمہ، اور حدیث نبوی کے مطابق سراج الامۃ تھے: آپ کی تصانیف کی تعداد تو متیں سے زیادہ ہے مگر امام صاحب سے نقل کی گئی کتاب ﴿فہمہ الاکبر﴾ کے دنیا میں کلی نسخے پائے گئے ہیں: ہنمادی طور پر اس نام کی دو مختلف کتابیں ہیں: مندرجہ ذیل میں امام اعظم کے شاگرد ابو مطیع عہم بن مہد اللہ علیہ کا نقل

کردہ نونکی راویوں کے ذریعے مقبول ہے۔ اور ان نسخوں میں قدرے اختلاف بھی ہے۔ لہذا متحد نسخوں کو سامنے رکھ کر اس نسخے کی تکمیل کی کوشش کی گئی ہے: اس میں اگر کوئی اچھلکی ہے تو اس نسخہ کے اصل مصنف حضرت امام اعظم، یا محض اللہ تعالیٰ کے دائمی فضل کی وجہ سے ہے اور اگر کوئی کمی یا نقص دیکھنے کو ملے تو بلا کسی بحث و تکرار اس کا ذمہ داریہ عاثر ہے:

عافنا الله جل وعلا من ضرور انفصالا ومن مینات افعالنا حتى
نری ربنا وهو الموفق والمعين و آخر دعوانا ان الحمد لله رب
العالمین

الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام علی سیدنا محمد

وآله وصحبه اجمعین

یہ نسخہ سعید یہ ہے جو اس سے قبل حیدر آباد ہندوستان سے مولانا الطاهر الحق ابو الوفاء
رئیس جمعیۃ احیاء المذہب اہلبائی کی تحقیق سے طبع ہوا تھا
سنداقول: شیخ زہاد الکوثری فرماتے ہیں کہ: مصنف الاساطیر ابو بکر محمد بن محمد الکاسانی سے روایت
کیا ہے انہوں نے ابو بکر ملاء الدین محمد بن احمد سرقلدی سے انہوں نے ابو یحییٰ یحییٰ بن محمد
کھول نسلی سے انہوں نے ابو زکریا یحییٰ بن مطرف نے نصر بن یحییٰ سے اور انہوں نے حکم
بن عبداللہ الخلیفی سے روایت کیا ہے:

جبکہ متن میں مطبوعہ سند یہ ہے کہ ابو یحییٰ یحییٰ بن محمد بن محمد کھول نسلی:
ابو عبد اللہ حسین بن حسین الکاشغری نے (جو الفضل کے لقب سے معروف ہیں) انکو: ابو
مالک نصران بن صرح الخلیفی نے ان کو ابو حسین علی بن حسین بن محمد غزالی نے بیان کیا
اور انہوں نے ابو حسین احمد بن موسیٰ قاری سے: اور انہوں نے نصر بن یحییٰ الخلیفی سے: اور
انہوں نے ابو مطیع حکم بن عبد اللہ الخلیفی سے سنا کہ: وہ فرماتے ہیں

مستندہ: مصنف (۱۲۹۹ھ) کا اثر سے مقبول تھا کبر کے نسخے پر سند یہ مقبول ہے:

یہ مقبول ہے حسین بن محمد بن حسین یحییٰ بھری سے، انہوں نے باو طاہر محمد بن ابراہیم

کورنی سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے خیر اللہ بن زلی سے انہوں نے محمد بن سراج
عمر حانوتی سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے محبت محمد جرباش سے انہوں نے ابو الحکیم
محمد بن محمد رومی سے انہوں نے ابو الفتح محمد بن محمد حریری سے انہوں نے اپنے والد سے انہوں
نے قوام اقلانی سے انہوں نے حسین سفتائی سے انہوں نے محمد بن محمد بن ضر بنقاری سے
انہوں نے شمس الامامہ کروری سے انہوں نے صاحب ہادیہ سے انہوں نے ضیاء برسونفی سے
انہوں نے علاء سمرقندی سے انہوں نے ابو مصعب نسفی سے انہوں نے حسین بن علی کاشغری
سے انہوں نے نصران بن نصر خلکی سے انہوں نے علی بن حسین بن محمد فرال سے انہوں نے
علی بن احمد قاری سے انہوں نے نصیر بن مکی سے انہوں نے ابو مطیع بلخی سے انہوں نے امام
اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہما جمعین سے روایت کی ہے

سند سوم: اور شیخ الاسلام سے عالم و محکم پر ایک سند اور مذکور ہے جو ابو مصعب بن محمد نسفی اسی سند کے ساتھ اپنے والد سے لور انہوں نے عہد الکرم بن موسیٰ بن زودی سے انہوں نے ابو منصور ماتریدی سے انہوں نے احمد بن اسحاق جوزجانی سے انہوں نے ابو سلیمان جوزجانی سے انہوں نے محمد بن مقاسم رازی سے لور آخری دونوں نے ابو مطیع بنی لور مصام بن یوسف سے ان دونوں نے ابو مقاسم سے انہوں نے امام عظم سے روایت نقل کی ہے:

باب اول :

علم فقہ کی اہمیت و عظمت کا بیان

(۱) ابو طلحہ غنی فرماتے ہیں۔

میں نے امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت سے پوچھا کہ فدا کبر کا مطلب کیا ہے اور یہ کس فن کو کہتے ہیں؟

امام اعظم نے فرمایا:

تمام قرعیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں خود وہ ابتداء ہوں یا اختتام؟ ظاہر اہوں یا باطن اور توحید کے لحاظ سے ہوں یا بزرگی و عظمت کے لحاظ سے، اور عقیدہ کے لحاظ سے یا حقیقت کے لحاظ سے؛ یا ظہری اصولوں کے لحاظ سے ہوں، یہ سب کی سب قرعیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو ہی سزاوار ہیں۔

اور تمام قرعیں اسی اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو بندوں کے تصور و خیال سے بھی پہلے قرعہ طاعت کا مستحق ہے اور درود و سلام ہوں ہمارے آقا و مولا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی اہل پر۔

اور فرمایا: فدا کبر اس کو کہتے ہیں کہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے کسی شخص کو کافرنہ کہا جائیگا؛ اور نہ ہی ارتکاب گناہ کی وجہ سے کسی شخص کے ایمان کی اس سے نفی کی جائے گی۔

اور یہ کہا جیسے کاموں کا حکم دینے اور بری باتوں سے روکنے کو لازم پکڑا جائے۔ اور اس بات پر یقین رکھا جائے کہ اگر کسی شخص کے مقدر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بچھنا ہے وہ چمک نہیں سکتا (نہ لٹک سکتا) اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے منع کر دیا جائے وہ کبھی بندے کو نہیں مل سکتا۔

اور ہم اصحاب پیغمبرؐ میں سے کسی سے بھی برائت کا اعلان نہیں کرتے اور ہم ان سے دل و جان سے راضی ہیں اور نہ ہی ہم ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں۔
 اور ہم حضرت عثمان ذوالنورینؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتے ہیں کہ نیکوئی ذات ہے جو خلی اور پوشیدہ احوال کو جانتی ہے۔
 شیخ کوثری فرماتے ہیں یہاں فقہ سے مراد ایسا علم ہے جس کو علم عقائد کہتے ہیں اور وہ عقائد کی صحیح کا ذریعہ بنے جو ایسا علم ہوگا وہ امام اعظم کے نزدیک افضل فقہ قرار دیا جائے گا۔
 ورنہ فقہ سے مراد امام اعظم کے نزدیک ایسا علم ہے جو پورے عقائد ہمارے عمل اور اخلاقیات میں کوشاں ہوتا ہے، اسی لئے تو فقہ کی تعریف بہت خوبصورت دوائے میں ہوں فرمائی ہے۔

هو معرفة النفس مآلها وما عليها
 علم نفس اور لوازمات نفس کے تقاضوں کا نام ہے۔

باب دوم:

فقاہت اور دانائی اور اس کی حقیقت

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

کہ فقہ اور دانائی دو طرح کی ہوتی ہے

(۱) دینی معاملات میں فقاہت اور دانائی حاصل کرنا۔

(۲) احکام شرعیہ فرمید میں فقاہت اور دانائی حاصل کرنا۔

اور ان میں اول الذکر زیادہ نفع بخش اور سودمند ہے کیونکہ اس سے آدمی یہ جان لیتا ہے کہ اپنے پروردگار کی عبادت کیسے کرے اور اس کا قرب کیسے حاصل کرے، جب کہ شریعت کا علم زیادہ حاصل کرنے سے صرف زیادہ مطوعات جمع ہو سکتی ہیں۔

(۲) ابو مطیع بخاری نے پوچھا:

آپ یہ فرمائیں سب سے زیادہ نفع مند فقاہت و دانائی کس کو کہتے ہیں؟

امام عظیم نے فرمایا:

دانائی اور فقاہت کی اصل حقیقت تو یہ ہے کہ انسان صاحب ایمان (fatherful) ہو اور عالم بالا ایمان بھی ہو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ شریعت کا لازمی اور بقدر ضرورت علم بھی رکھتا ہو، پھر اس کی شرعی حدود سے مکمل آگاہی بھی ہو (جس سے حلال حرام، جائز ناجائز، پاک اور نا پاک سے آگاہ ہو جائے) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے لئے جو راہ سنت متعین کی ہے اس سے بھی آگاہ ہو، تاکہ اس کو دین کی ترویج کرنے میں کوئی دشواری نہ پیش آئے اور ہر حق دین کو دین کی حدود اور نبی صلیہ السلام کا سنت طریقہ معلوم ہو سکے:

اور سب سے اہم بات یہ کہ آخر امت کے اختلافی مسائل کا حل بھی اس کو ہوتا ہے کہ کسی نئے پیش آمدہ حالات میں ان مسائل سے گھج رہنمائی حاصل کی جاسکے اور ان کے آئیں میں اختلافات کی وجہ سے ان کے بارے میں کسی قسم کی بدگمانی سے بچا جاسکے۔ کیونکہ فرمایا گیا ہے۔

اختلاف الامۃ رحمۃ

امت کا مسائل و وجہ میں آئیں کا اختلاف اللہ تعالیٰ کی رحمت کا موجب ہوتا ہے۔ حضرت امام اعظم نے فقہت کی عظمت بیان کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث بھی نقل فرمائی ہے۔

آپ فرماتے ہیں میں نے اپنے والد کے ساتھ حج بیت اللہ کیا جب کہ میری عمر سولہ سال کی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اس وقت میری عمر دس سال کی تھی۔ جب میں مسجد حرام میں داخل ہوا اور میں نے ایک بہت بڑا لوگوں کا حلقہ دیکھا، اور ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ میں نے ایک شیخ کو دیکھا جس کے پاس بہت سارے لوگ جمع تھے۔

میں نے اپنے والد سے پوچھا یہ شیخ کون ہیں یا یہ کس کا حلقہ طعی ہے؟ انہوں نے فرمایا: یہ ایک ایسے شخص کا طعی حلقہ ہے جو صحابی رسول کے شرف سے بار یاب ہیں اور ان کا اسم گرامی عبداللہ بن حارث بن جزدہیری ہے

میں نے پوچھا: ان کے پاس کونسا علم ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نبی طیبہ اسلام کی وہ احادیث ہیں جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہوئی ہیں۔

میں نے اپنے والد سے کہا مجھے بھی ان کے قریب کر دیں تاکہ میں بھی ان سے وہ احادیث سن لوں؟

میرے والد نے مجھے صحابی رسول کے قریب کرنا شروع کیا اور درمیان میں جو لوگ

فخاکبر وابط ——— ۲۹۴

آتے تھے انکو ہناتے جاتے تھے یہاں تک کہ میں ان کے بالکل قریب ہو گیا۔

جب میں ان کے قریب ہوا تو میں نے ان کو یہ فرماتے ہوئے سنا، اور ایک روایت میں
ہاں ہے کہ میں نے ان سے بتا۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اللہ کے دین میں فقائت حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے فموں میں اس کے
لئے کافی ہو جاتے ہیں، اور اس کو وہاں سے رزق دیتے ہیں جہاں سے ان کو ممکن بھی نہیں
ہوتا۔ جامع المسانیہ

باب سوم

ایمان کی حقیقت اور اس کی علامات

(۳) بطبعِ علی نے پوچھا:

آپ مجھے ایمان کی اہمیت کے بارے میں کچھ بتائیے؟

امامِ اعظم نے فرمایا:

حدیثِ بقرہ:

مجھے باقرہ نے یحییٰ بن عمر سے نقل کرتے ہوئے بیان کیا کہ میں نے ایک بار حضرت

ابن عمر سے کہا تھا:

مجھے دین کے بارے میں بتائیں اس کی کیا حقیقت ہے؟

ابن عمر نے فرمایا: آپ پر ایمان سے متعلق ضروری باتیں سمجھنا لازم ہے اور جب تم

اکوئیکہ لوگے تو جیہیں پہ چلے گا کہ دین اور ایمان کی کیا حقیقت ہے یا ایمان کی اصل کیا

جڑیں ہیں؟

یحییٰ ابن عمر فرماتے ہیں میں نے پوچھا ایمان کی حقیقت کیا ہے؟

وہ فرماتے ہیں کہ ابن عمر نے اس کا جواب دینے سے پہلے میرا ہاتھ پکڑا اور ایک

عمر رسیدہ بزرگ آدمی کے پاس لے گئے اور مجھان کی ایک طرف بٹھا دیا۔

اور وہ ان سے کہنے لگے کہ یہ شخص ایمان کی حقیقت کے بارے میں دریافت کرنا

چاہتا ہے؟

حضرت ابن عمر نے بتایا کہ یہ مبلغ بھی شرکائے غزوہ بدر میں سے تھے اور رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کی ایک جانب میں تھا اور یہ بزرگ دوسری جانب میرے ساتھ تھے؟

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسے بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک ہمارے پاس ایک ایسا شخص داخل ہوا جس کے خوبصورت لمبے بال: سر پر عمامہ باندھے ہوئے تھا، ہم یہ سوچ رہے تھے کہ وہ انجینی شخص کسی دیہات سے آیا ہوگا کیونکہ اس کو ہم میں سے کوئی نہیں جانتا تھا وہ لوگوں کے کندھے پھلانگتا ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا بیٹھا اور کہنے لگا:

نو وارد: یا رسول اللہ ایمان کی کیا حقیقت ہے؟

حضور: ایمان اس بات کا نام ہے کہ بندہ گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں: اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں: اور تمام ملائکہ پر ایمان لانا: اس کی طرف سے نازل شدہ کتابوں: اس کی طرف سے بھیجے گئے رسولوں: اور ہر نیک و بد کے فیصلے کیلئے آخرت کے دن پر: اور اچھی بری تقدیر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے پر ایمان لانا:

نو وارد: آپ نے کچ فرمایا!

ابن عمر: ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ دیہاتی آدمی ہے خود ہی سوال کر رہا ہے اور خود ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر رہا ہے جیسے یہ سب کچھ جانتا ہے:

نو وارد: اسلام کی نشانیوں اور اس کے لوازمات کیا ہیں؟

حضور: نے ارشاد فرمایا کہ نماز قائم کرنا، روزہ کوادینا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور فصل جنتا بکرتا۔

ابن عمر: اس نو وارد نے پھر اس کی تصدیق کی جس کی وجہ سے ہمیں بڑا تعجب ہوا کہ دیہاتی آدمی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر رہا ہے: گویا آپ کو تعظیم دے رہا ہے۔

نو وارد: احسان کیا چیز ہے؟

حضور: احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے لئے عمل (اور ایک روایت کے مطابق

عبادت) ایسے کیا کر جیسے تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے، اور اگر ایسے نہیں ہو سکتا تو اس کی عبادت ایسے کیا کر جیسے وہ تمہیں دیکھ رہے ہیں۔

نوہ اور: آپ نے سچ کہا ہے! اچھا اب آپ یہ بتائیں کہ قیامت کب آئے گی؟
حضور: نے فرمایا کہ اس کے بارے میں جواب دینے والا سوال کرنے والے سے زیادہ علم نہیں رکھتا۔

ابن عمر: اس کے بعد وہ شخص اٹھا اور چلا گیا:
جب لوگ اس کی کی طرف متوجہ ہوئے کہ دیکھیں وہ کون شخص ہے لیکن اتنے میں ہی وہ شخص غائب ہو چکا تھا اور کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کس طرف چلا گیا ہے؟
جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی یہ حالت دیکھی کہ اس نوہ اور کے بارے میں تجسس کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ یہ جبرئیل تھے جو تمہارے لئے دین کے بنیادی ارکان سکھانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشریف لائے تھے:

(۴) ابو طلحہؓ نے پوچھا:
جو شخص اس بات پر مکمل یقین رکھتا ہو اور ایمان لائے کی ان تمام باتوں کا اقرار کرتا ہو تو کیا وہ شخص مومن کہلائے گا؟
امام عظیمؒ نے فرمایا:

ہاں جب کوئی شخص اسلام کے تمام ارکان کو مانا ہو اور اس کی تمام باتوں کا اقرار کرتا ہو تو وہ ایک مومن ہے:

مخرج حدیث اول: حدیث اول بہت سارے محدثین نے نقل فرمائی ہے اور سب میں الفاظ کا تھوڑا بہت فرق ضرور ہے البتہ مطلب سب کا ایک جیسا ہے۔

اس حدیث کو امام خوارزمی نے اس سند سے نقل کیا ہے، من عباد من ابراہیم من خلقہ من ابن مسعود رضی اللہ عنہ، اور یہاں متن میں امام ابو حنیفہؒ براہ راست مقلد سے اور وہ بھی بن ہر سے اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث کو بخاری نے اور احمد

نے ابن عمر سے۔ طبرانی نے کبیر میں بتیلتی نے حیا الانبیاء میں وصطہانی نے ترفیب میں بدلیسی نے فردوس میں، محمد نے آثار میں، حاکمی نے مسند میں، بخاری اور بزار نے المس بن مالک سے روایت نقل کی ہے۔ مسلم ترمذی، ابوداؤد سنائی ابن ماجہ نے کبیر سے روایت نقل کی ہے اور امام نے جامع السانید میں سعید بن منصور نے طبرانی، ترمذی، ابویوسف نے اخطیہ میں سنائی نے سنن کبریٰ میں ابی یعلیٰ نے مسند میں، احمد نے تنظیم تدریص لہذا میں تاریخ واسطہ میں حلیۃ الاولیاء میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

نوٹ: احسان کو قرآن کریم میں ترکیب: احادیث میں زہد: یا اخلاص اور ائمہ تصوف اسی کو تصوف کہتے ہیں: اور اس کا نتیجہ یا اثر جو انسان کی طبیعت میں پیدا ہوتا ہے وہ حدیث مذکورہ میں پتہ چلتا ہے کہ اس سے دنیا میں انسان کے اندر وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جس سے آخرت میں سعادت باری حاصل ہوتی ہے: شیخ کوثری کو کہتا ہے کہ اس حدیث جبریل کے حصہ طرق جو معمولی الفاظ کے فرق سے امام اعظم سے ابن کی مسانید وغیرہ میں منقول ہیں۔

نوٹ: امام ابو مطیع کی طرف سے کئے گئے سوال کے جواب سے معلوم ہوا کہ حضرت امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک ایمان کے صرف دو ارکان ہیں (۱) ایمان سے اقرار کرنا (۲) اور دل سے تصدیق سے کرنا۔ اور ضروری ہے کہ یہ دونوں چیزیں یک بارگی اور اکٹھی ہوں ایمان کی تکمیل یا ختم کرنا ایک کی عدم موجودگی اور دوسری کی موجودگی ایمان کی تکمیل کو محضوں میں موجودگی میں ظلل کا باعث ہوگی: اور ہا یہ مسئلہ کہ عمل ایمان کا حصہ ہے یا نہیں اس میں ائمہ اہل السنۃ میں اختلاف ہے اس بارے میں حضرت امام صاحب کا اظہار نظر یہ ہے کہ وہ عمل کو ایمان کا جز نہیں مانتے اور بھی مانتے ائمہ اہل السنۃ مابعد یہ کہی ہے اور یہی حق

—

باب چہارم:

عقائد سے لاعلمی، جہالت یا اس میں شک، تاویل کا قائل ہونا

(۵) ابو مطیع مکی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص ایمانات کی کسی چیز کا انکار کرے یا کسی چیز کے بنانے والے کے بارے میں لاعلمی ظاہر کرتے ہوئے کہے کہ میں نہیں جانتا اس کا خالق کون ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟

امام اعظم نے فرمایا:

وہ شخص کافر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

اللہ مخالفی کلّی حیۃ (المزمر: ۶۱)

اللہ تعالیٰ ہر چیز کو پیدا کرنے والے ہیں

اور اس شخص کی لاعلمی کا مطلب یہ ہے کہ وہ یوں کہہ رہا ہے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور بھی خالق ہے اور یہ بات صریحاً کفر ہے: اور اس طرح کا عقیدہ رکھنے کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم میں واضح طور پر بیان کی گئی باتوں کا انکار کر رہا ہے، جیسا کہ سورۃ زمر کے حوالے سے اوپر ایک آیت مذکور ہوئی ہے۔

اور اسی طرح اس شخص کا حکم ہے جیسا کہ بات کہے کہ میں نہیں جانتا اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر نماز، روزہ اور زکوٰۃ فرض کی ہیں؟ وہ بھی کافر ہو جائے گا کیونکہ یہ فرائض اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم میں بیان کردئے گئے ہیں، اور کسی بھی ایسے منصوص عمل کا انکار کرے کفر ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نماز کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:
 اقيموا الصلوة واتوا الزکوة (الحج: ۷۷)
 تم سب لوگ نماز قائم کیا کرو اور زکوٰۃ دے کر رہا کرو
 اللہ تعالیٰ کا رمضان کے روزوں کے بارے میں ارشاد ہے:
 کتب علیکم الصيام (البقرة: ۱۸۳)
 اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم سب لوگوں پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔
 اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فصبحان اللہ حين تسمون وحين تصبون وله الخمائل في
 السجود والارض وغشياً وجنّ تظہرون (الروم: ۳۱)
 تو تم اللہ کی پاکیزگی بیان کیا کرو جب شام کا وقت ہو اور صبح کا وقت ہو اور اسی کے
 لئے ساری حمد ہوتی ہے تمام آسمانوں اور تمام زمینوں میں اور اسی کے لئے تمام تعریفیں ہوتی
 ہیں جب شام کا وقت ہوتا ہے اور جب دوپہر ہوتی ہے
 اور جو شخص پانچ نمازوں کے فرض ہونے (۱) میں شک کرنے کی بناء پر ان کا رد کر رہا ہے
 اس لئے وہ کافر ہے۔

(۶) موطع بخاری نے پوچھا:
 اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں ان مذکورہ آیات پر تو کامل ایمان رکھتا ہوں مگر اس کی
 تفسیر اور تاویل کو اچھی طرح نہیں جانتا تو اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے؟
 امام اعظم نے فرمایا:

ایسے شخص کو کافر نہیں کہا جائے گا، کیونکہ وہ ان آیات کے لئے تعالیٰ کی طرف سے نازل
 ہونے پر ایمان رکھتا ہے مگر چودہ ان کی تاویل اور تفسیر میں غلطی کرنے والا ہے۔
 (۱) نوٹ: پانچ نمازوں کا تذکرہ قرآن کریم میں اگرچہ صریحاً اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا مگر
 مختلف آیات میں سے اس کا ثبوت مل جاتا ہے اور ایک آیت تو اپنے مفہوم میں پوری واضح

ہے اور پانچ نمازوں کے ثبوت میں بڑی واضح ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ (البقرة)

تمام نمازوں کی حفاظت کرو اور ان میں خاص طور سے درمیان نماز کی حفاظت کرو
اس آیت کے مفہوم کو صحیح طور سے سمجھتے اور اس سے پانچ نمازوں کے ثبوت کے لئے
پہلے تین ضابطے جانا ضروری ہے

پہلا ضابطہ: یہاں ابتدائے آیت میں لفظ ﴿صَلَاة﴾ جمع ہے اور عربی زبان میں جمع کا لفظ
کم از کم تین افراد کے لئے بولا جاتا ہے: لہذا اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ ﴿الصَّلَاةُ
الْوُسْطَى﴾ کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے اوپر اتنی نمازیں فرض ہیں جن کی مقدار کم
از کم تین ہے:

دوسرا ضابطہ: الصَّلَاةُ الْوُسْطَى کے علاوہ باقی نمازیں مجموعی طور پر جفت ہونی چاہئے: کیونکہ
ہر دو جفت دو برابر حصوں میں تقسیم ہو کر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے: اور ان دونوں حصوں
کے درمیان میں ﴿الصَّلَاةُ الْوُسْطَى﴾ کو رکھنے سے آیت کا مفہوم پورا ہو جاتا ہے: کیونکہ اگر
یہاں تین نمازیں ہوں جو کم از کم جمع کے لئے ضروری ہے تو ان کا درمیان کوئی نہیں
ہوتا اور اگر درمیان بنائیں ایک ایک طرف اور ایک دوسری طرف تو باقی نمازوں کی تعداد جمع
نہیں رہتی بلکہ صرف دو باقی رہ جاتی ہے اور اس پر صیغہ جمع کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور اگر کل
فرض نمازوں کی تعداد چار تکھی جائے تو اس صورت میں ﴿الصَّلَاةُ الْوُسْطَى﴾ کوئی نماز نہیں رہتی
کیونکہ دو حصے برابر ہو جاتے ہیں اور وہ عدد کا درمیان نہیں ہوتا لہذا ضروری ہے کہ یہ کل طاق
عدد ہوں تاکہ ان کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرنے سے ﴿الصَّلَاةُ الْوُسْطَى﴾ باقی بچ جائے:

تیسرا ضابطہ: الصَّلَاةُ الْوُسْطَى نفل کر باقی اتنی نمازیں انسان کے ذمے واجب الاداء ہونی
چاہئیں کہ ان پر صیغہ جمع کا اطلاق ہو سکے اور ﴿الصَّلَاةُ الْوُسْطَى﴾ اپنی جگہ وسطیٰ ہی
رہے: اور یہ کم از کم پانچ کا عدد ہے کیونکہ اگر نمازوں کی اس سے زیادہ تعداد میں یہ ضابطہ
پورا ہوتا ہو تو وہ ہمارا مقصود اصلی نہیں ہے۔ حریر تفصیل کے لئے احکام القرآن لہجاص

ملاحظہ فرمائیں۔

اجماع امت: اور پوری امت کا اجماع بھی پانچ نمازوں کی فرضیت پر ہے، اس سے زیادہ
فرائض کا کوئی شخص کمال نہیں ہوا اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سے زیادہ فرض
نمازوں کی تاکید ملتی ہے

احتراف: اگر یہ کہا جائے کہ یہاں ﴿و الصلوۃ الوسطی﴾ میں (و) جمع کے لئے ہے؟
جواب: اس صورت میں ﴿و الصلوۃ الوسطی﴾ کا مفہوم واضح نہیں ہوتا؛ کیونکہ صلوۃ جمع میں
سے ایک نماز وسطیٰ بھی معلوم ہو جاتی ہے اور وہ تین یا چار نمازوں میں سے بھی ہو سکتی ہے
، البتہ یہاں (و) ترتیب کے لئے ہے اس صورت میں اس آیت کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔
یعنی لفظ صلوۃ جمع میں وسطیٰ کو جمع کرنے یا نہ کرنے کی صورت میں یہ صلوۃ کا لفظ جمع ہی رہے
گا، مگر دیکھتے ہیں کہ گادریہ ہی اس بحث میں ہمارا مقصود وسطیٰ ہے، اسی بناء پر کہا گیا کہ
پانچ نمازوں کا ان کا ذکر ہے۔

باب پنجم

دارالحرب یا دار الکفر میں ایمان لانے کا حکم

(۷) ابو مطیع نخعی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص دارالحرب میں قیام رکھتے ہوئے ایمانیات کی تمام باتوں کا اقرار کرے، البتہ فرائض اسلامیہ، اور احکامات شریعہ سے بالکل ناواقف ہو، اور نہ ہی کتاب اللہ کے احکامات میں سے کچھ جانتا ہو، اور نہ ہی ایمان کے لوازمات کو جانتا ہو، البتہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس پر ایمان کا اقرار کرتا ہو، اگر ایسا شخص مر جائے تو کیا وہ مومن ہو گا یا نہیں؟

امام عظیم نے فرمایا:

ہاں وہ مومن ہی ہو گا کیونکہ اس نے اقرار اور تصدیق کی ہے۔

(۸) ابو مطیع نخعی نے پوچھا:

میں نے کہا کہ نہ تو اسے علم حاصل کیا، اور نہ عمل کیا، سو اے اس کے کہ ایمان کا اقرار کیا ہے، اگر وہ مر گیا کیا پھر بھی مومن ہے؟
امام عظیم نے فرمایا: ہاں بالکل وہ مومن ہے۔

خلاصہ مباحث ایمان

(۹) ابو مطیعؓ نے پوچھا:

میں نے امام ابو حنیفہؒ سے سوال کیا کہ مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے؟

امام اعظمؒ نے فرمایا:

ایمان یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کے بارے میں گواہی دے اور اس کی کتابوں کے بارے میں: اس کے رسولوں کے بارے میں اس جنت اور دوزخ کے بارے میں: قیامت کے دن کے بارے میں: اور ہر اچھی اور بری چیز کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے کی گواہی دینا ایمان کی بنیادی باتیں ہیں۔

اس موضوع کی تشریح میں امام ابو الولیث سمرقندی فرماتے ہیں:

جان لو! کہ ایمان کی تکمیل کے دو اعضاء ہیں دل اور زبان کیونکہ جو شخص دل سے یہ پہچانتا ہے کہ اللہ ایک ہے، مگر زبان سے اقرار نہیں کرتا ہے وہ شخص کافر ہے اور جو شخص زبان سے تو اقرار کرتا ہے مگر دل سے تصدیق نہیں کرتا وہ منافق ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ ایمان لانا صرف دل کا معاملہ ہے زبان کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے وہ شخص فرقہ کرامیہ سے تعلق رکھتا ہے: بتفصیل اس بحال کی امام صاحب کی کتاب الوسیہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے:

حقیقت ایمان کے بارے میں اختلاف

اور لوگوں میں ایمان اور عمل کے بارے میں اختلاف ہوا ہے:

(۱) بعض لوگ کہتے ہیں کہ ایمان زبان سے اقرار، دل سے تصدیق اور اعضاء سے

اعمال کے ہونے کا نام ہے اور یہ رائے اہل بدعت کی ہے

(۲) بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ ایمان دل سے تصدیق کا نام ہے اور وہ لوگ کہتے

ہیں کہ زبان سے اقرار کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے، یہ فرقہ خمیہ اور اہل تجسیم (مجسمہ) اور اس دور کے بعض جاہل صوفیاء کی رائے ہے

(۳) اور اس بارے میں درست ترین رائے یہ ہے کہ: خلی زبان سے اقرار جس میں دل کی تصدیق شامل نہ ہو منافقت ہے: اور اس کے برعکس خلی دل کی تصدیق جس میں زبان کا اقرار نہ ہو کفر ہے: جبکہ دونوں رکن یعنی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار ایمان کی صحیح شکل ہے۔

اس کی مثال یوں ہے کہ مجھے چنگبر اگھوڑا ہوتا ہے: کیونکہ اگر گھوڑا سفید ہو تو اس کو سفید (اشعب) کہتے ہیں اگر سیاہ ہو اس کو سیاہ (ادغم) کہتے ہیں اور اگر اس میں سفیدی اور سیاہی دونوں ہوں اس کو (امتل) یعنی چنگبر کہتے ہیں: اور اسی طرح جہاں ایمان کی صورت حال ہے کہ زبان سے اقرار، دل کی تصدیق کے بغیر نفاق ہے: دل سے تصدیق ہو یا نہ ہو زبان سے اقرار نہ ہو تو کفر ہے: زبان سے اقرار دل سے تصدیق دونوں ہوں تو ایمان ہے: ایمان کی کامل تعریف: یہ ہے کہ آدمی اپنی زبان سے ایسا اقرار اور دل سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تصدیق کرے کہ اللہ تعالیٰ ایک اکیلا وحدہ لا شریک ہے: اس کی کیفیت جانی نہیں جاسکتی: جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن مرہ بن طہیہ السلام کی مساجات کے جواب میں فرمایا کہ: اے موسیٰ دو ہاتھیں تو جان سکتا ہے اور دو بائیں نہیں جان سکتا،

- (۱) تو یہ جان سکتا ہے کہ: میں معبود برحق ہوں مگر میری کیفیت کو تو نہیں جان سکتا
- (۲) تو یہ جان سکتا ہے کہ: میں رزاق ہوں مگر تو یہ نہیں جان سکتا کہ کہاں سے اور کیوں رزق دیتا ہوں۔

یہ تفصیلات کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔
 فتح کوثری از ارض اہل شرک سے مراد یہ ہے کہ ہیں اہل شرک کا ایسا طلاق جہاں ابھی تک دعوت توحید نہ پہنچی ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانے کے لئے تو عقل دلیل کافی ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

ان الله لا يهتدي ان يمشرك به

بے شک اللہ تعالیٰ اس شخص کو معاف نہیں کرے گا جس نے اس کے ساتھ شرک کیا۔
 مراد اس آیت سے یہ ہے کہ اس حکم ربانی میں کوئی زمانی یا مکانی قید نہیں لگائی گئی اور یہ
 ایک بین الاقوامی اور دائمی صداقت ہے اس کا خلاف کبھی بھی قابل قبول نہ ہوگا اور جہاں تک
 مسئلہ احکام شرعیہ کا ہے اس کے بارے میں ہم یہ کہیں گے کہ جس شخص کو وہ احکامات ملے ہوں
 اس نے اگر ان کے موافق عمل نہ کیا وہ اس کی سزا کا مستحق ہے اور جس کو وہ احکامات نہیں ملے
 اس کی کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔

باب ششم:

اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور مشیت کا بیان

امام اعظم نے فرمایا:

تم اس بات کی گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ نے اعمال کسی کے پر نہیں کئے کہ جو چاہیں کرتے پھریں کوئی ان سے پوچھنے والا نہ ہو۔ بلکہ تمام لوگ اپنے جھلپتی مقصد کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں اور ہر شخص تقدیر کی طرف سے جبری کئے گئے پروگرام کے پورا کرنے میں لگا ہوا ہے۔

(۱۰) ابو مطیع غلی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص ان تمام باتوں کا اقرار کرے لیکن وہ یہ کہے کہ مشیت اور مرضی میری ہی چلتی ہے اگر میں چاہوں ایمان لاؤں اور اگر نہ چاہوں تو ایمان نہ لاؤں اور وہ اپنے اس دعوے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول پیش کرے:

فَنَشَاءُ فَلْيُؤْمِنْ وَنَحْنُ خَآءٌ فَلْيَكْفُرْ (المکذ: ۳۹)

بس تم میں سے جو شخص چاہے وہ ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کر لے تو ہم اس شخص کے استدلال کا کیا جواب دیں گے؟
امام اعظم نے فرمایا:

یہ شخص اپنی سوچ میں جھوٹا ہے۔ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں پڑھا:
كَذَٰلِكَ نَذْكُرُهُ لِمَنْ شَاءَ ذِكْرَهُ وَمَا يَسْتَكْبِرُونَ الْاَن نَشَاءَ اللّٰهُ

(الزمر: ۵۶)

یاد رکھا ہے شک یہ صحت کہ بات ہے، بس جو شخص چاہے اس سے صحت حاصل کرے اور اس کا فائدہ اسی کو ہوتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ شَاءَ فَلْيُشَاءِ ۚ اللَّهُ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ (المائدہ: ۲۵)

جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے وہی ہوتا ہے، تمہاری چاہت کسی کے کام نہیں آتی ہے۔

اعتراض کا جواب:

اور ان کا مندرجہ بالا استدلال جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان:

لَمَنْ شَاءَ فَلْيُشَاءِ ۚ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ (المکفہ: ۲۴)

بس تم میں سے جو شخص چاہے وہ ایمان لائے اور جو چاہے کفر اختیار کر لے

سے اخذ کیا تھا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو مدعو ہو

ڈراوا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ساری دنیا سے مستثنیٰ ہیں، ان کو کسی کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اس

کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو کفر اختیار کرنے کی اجازت دے دی ہے:

اور اسی بناء پر اس مذکورہ شخص کو کافر نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس نے قرآن کریم کی اس

آیت کو رد نہیں کیا البتہ اس کی تفسیر اور تاویل میں اس کو غلطی لگی ہے، اور وہ درست مفہوم تک

دستی حاصل نہیں کر سکا۔

(۱۱) ابو مطیع جلی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مجھ پر جو مصیبت آتی ہے وہ میرے اپنے شامت اعمال کی وجہ

سے ہوتی ہے اس کا اللہ کی طرف سے ہونے کا کوئی تعلق نہیں ہے، اور نہ ہی اللہ نے مجھے اس

میں مبتلا کیا ہے تو کیا اس قسم کی سوچ رکھنے والے شخص کافر کو کہا جائے گا یا نہیں؟

امام اعظم نے فرمایا: اس کو کافر نہیں کہا جائے گا۔

(۱۲) ابو مطیع جلی نے پوچھا: آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

امام اعظم نے فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَا أَصَابَكُمْ مِنْ خَاسَةٍ فَلْيَمْسِكُنَّ إِلَيْهِمْ (احقری: ۳۰)

جس شخص کو بھی کو مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے
 تمہارے اپنے گناہوں کی شامت اعمال ہوتی ہے
 دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ خَسْفَةٍ فَهِيَ مِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ نَجْوةٍ فَهِيَ
 نَجْوَكَ (انعام: ۷۹)

ہر وہ مصیبت جو اچھائی کی شکل میں تم پر آتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، اور وہ
 مصیبت جو برائی کی صورت میں ہوتی ہے وہ تمہارے اپنے گناہوں کا دہاں ہوتا ہے اور اللہ
 تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے مقدر کرنے کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔

(۱۳) ابو طلحہؓ نے پوچھا: تو وہ کیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
 يَجْعَلُ اللَّهُ مِنْ نَفْسِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَجْعَلُ مَنْ يَشَاءُ (المدثر: ۳۲)

اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے جا بجا دے دیتا ہے۔
 اس کا کیا مطلب ہوگا؟

امام اعظم نے فرمایا: یہ بات اپنی جگہ درست ہے، مگر تعبیر اور تاویل کی قطعی طور اس
 کا درست مفہوم نہ لکھنے کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے۔

(۱۴) ابو طلحہؓ نے پوچھا: اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا مطلب ہے:
 إِنَّ اللَّهَ فَضُولٌ مِّنَ الْغُرَاوِ وَلَهُ (ہٰ نفل: ۱۳)

اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دلوں کے درمیان حاکم ہو جاتا ہے
 امام اعظم نے فرمایا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن اور کافر کے درمیان
 اور کافر اور ایمان کے درمیان حاکم ہو جاتے ہیں اور جو عمل اللہ تعالیٰ بندے کو نہ کرنے
 دیتا چاہتے ہوں اس سے روک دیتے ہیں۔

دوسرے الفاظ میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ مومن کو کفر اختیار نہیں کرنے دیتے اور کافر کو
 ایمان نہیں قبول کرنے دیتے۔

نوٹ: اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

وَلَا يَحِثُّ الْمُتَكَبِّرُ الشَّيْءَ الْاِبَاهِلَه

برائی کرنے والے کی طرف اس کی برائی چلائی جائے گی

شیخ کوثری: اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں

ذات حکیم و خبیر کا اختیار و مقتضی یہ ہے کہ اس نے بندوں کو جن احکامات کے عمل کا ذمہ

دار ضمہ دیا ہے، ان میں ان کو آزاد چاہے اور اختیار کے ساتھ پیدا کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ازلی

مشیت بھی ان افعال کو شامل ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت انکو آزاد یا خود مختاری کے حکم

سے خارج نہیں کر دیتی ورنہ اشیا کی حقیقت ہی سرے سے بدل جاتی اور ایسا ہونا مشکل ہے

، اور اللہ تعالیٰ کے بہت سارے احکامات ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ بندے کی

آزادی کو بھی بیان کر رہے ہیں اور دونوں میں کوئی چیز مانع نہیں ہے جیسا کہ فرماں الہی ہے:

لَا يَكْلَفُ اللَّهُ لَكَ الْاَوْسَعَا

نہیں مکلف بنایا جاتا کسی انسان کو اگر اسی کی طاقت و وسعت کے مطابق

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَمَا تَشَاؤُنَ اِلَّا اِنْ يَشَاءُ اللَّهُ .

اور میں کوئی چاہت ہوائے اللہ تعالیٰ کی چاہت ہے

اور یہ نصوص کو جمع کر کے ان کے مطابق عمل کرنے کا طریقہ ہے

اور اسی طرح امام اعظم سے زید بن علی حمید نے سوال کیا تھا:

سوال: کیا اللہ تعالیٰ نے ہی ہمارے لئے گناہ مقدر کیا تھا؟

جواب: تو کیا کوئی انسان جبراً بھی گناہ کا ارتکاب کر سکتا ہے، یعنی کیا جبراً بھی کوئی

گناہ، گناہ ہی ہوتا ہے بلکہ وہ جبر ہے؟۔

اللہ تعالیٰ کی تقدیر اس کی مشیت اور اس کا علم ان سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اس

میں بھی تقدیر اور مشیت باری اللہ تعالیٰ کے علم میں مندرج ہو جاتے ہیں:

باب ہفتم:

توفیق عمل، وقوع عمل میں توافق

نسخہ دکنیہ مطبوعہ حیدرآباد دکن: میں مہارت میں موقوف ہے:
امام اعظم نے فرمایا:

بے شک وہ استطاعت اور طاقت جس کے ذریعے انسان گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے یہ وہی استطاعت ہوتی ہے جس کو اطاعت خدا کی بجا آوری کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے: ہر آدمی سے اللہ تعالیٰ اسی استطاعت کے استعمال پر پوچھ گچھ کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت بندوں میں پیدا کر کے ان کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کو استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا راستہ اختیار کریں، نہ کہ گناہ اور نافرمانی کے کام سرانجام دیں، مادور اگر کوئی انسان گناہ کے کام کرے گا تو اس گناہ کا بدلہ اسی کے کرنے والے کو ملے گا، نہ کہ اس گناہ کے عمل کو استطاعت کی طرف منسوب کیا جائے گا:

اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ عمل کی انجام دہی کی طاقت، عمل کے ساتھ ہی ہوتی ہے نہ عمل سے پہلے اور نہ ہی عمل کی انجام دہی کے بعد اس لئے کہ عمل کا ہر جز استطاعت کے ساتھ جزا ہوا ہے جب عمل کرنے کی طاقت ملتی ہے تو انسان سے وہ عمل صادر ہوتا ہے:

نسخہ حیدرآباد دکن: میں حضرت امام اعظم سے مہارت میں موقوف ہے:-
برفخص کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ فعل کے صادر ہونے کی توفیق دونوں طرف سے برابر ہے نہ فعل سے پہلے ہے اور نہ فعل کے صادر ہونے کے بعد: اب جو شخص یہ کہے کہ توفیق عمل، وقوع عمل سے پہلے ہوتی ہے وہ فرقہ جبر سے تعلق رکھتا ہے: اور جو یہ کہتا ہے کہ عمل کا صادر ہونا پہلے ہوتا ہے اور اس عمل کی توفیق بعد میں حاصل ہوتی ہے وہ فرقہ تقدیر ہے

سے تعلق رکھتا ہے:

(۱۵) ابو طلع غلی نے پوچھا:

اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ارباب گناہ کو کیوں لازم کرتے ہیں اور پھر اس پناہ پر ان کو سزا بھی دیتے ہیں یہ تو سرسبز دیوتی ہے، ایسے شخص کو کیا جواب دیا جائے گا؟

امام اعظم نے فرمایا:

اس کو جواب دیتے ہوئے آپ کہیں کہ کیا انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ طاقت بخش دی کہ وہ اپنی ذات کے لئے برائی بوسا چھائی یکساں طور پر سر انجام دے سکتا ہے؟ اگر وہ شخص کہے کہ نہیں اور اس شخص کی وضاحت میں پیش کرے کہ ہر انسان نفع اور نقصان میں تو مجھد ہے، مگر ملامت اور مصیبت میں مجبور نہیں ہے۔ تو آپ اس سے پوچھو کیا شر اور برائی کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے یا کسی اور نے پیدا کیا ہے؟

اگر وہ شخص کہے کہ شر کو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیا ہے، تو اس شخص نے اپنی بات کا خود رد کر دیا ہے کیونکہ اگر شر اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے تو مصیبت کا اظہار اسی شر کا نتیجہ ہوتا ہے۔
پھر اگر کہے کہ شر اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا تو اس اقرار کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کر رہا ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

قُلْ اَنعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ مِنْ خَيْرٍ مُّخْلَقٍ (الفلق: ۱)

اے نبی آپ کہہ دیجئے میں اپنے اس پروردگار کی پناہ میں آتا ہوں جسکے کو پیدا کرتا ہے اور اس کی پیدا کردہ ہر چیز کے شر سے بھی اسی کی پناہ میں آتا ہوں۔

(۱۶) ابو طلع غلی نے پوچھا:

اگر کوئی پوچھے کہ کیا تم نہیں کہتے کہ اللہ کی مشیت میں کفر اور ایمان دونوں شامل ہیں؟

امام اعظم نے فرمایا: ہم کہیں گے کہ ہاں بات تو ایسی ہی ہے۔
سوال: اگر وہ شخص یہ کہے کہ یا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا قول تو یہ ہے

هُوَ أَهْلُ الْقُوَىٰ وَفَعَلَ الضَّعِيفَةَ (المز: ۵۶)

وہ اللہ تعالیٰ قوی کا بھی مالک ہے اور ضعیف کا بھی مالک ہے

جواب: ہم کہیں گے ہاں بات ایسی ہی ہے۔

(علاء) ابو طلیح مثنیٰ نے پوچھا:

وہ شخص یہ کہے کہ، کیونکہ کفر کا بھی مالک یا اہل ہے یا نہیں ہے تو ہم اس کو کیا جواب

دیں گے؟

امام اعظم نے فرمایا:

اس کو یہ کہنا کہ: اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتا ہے اس کو طاعت نصیب فرمانے

کا تو مالک اور اہل ہے مگر جس کے لئے نہیں چاہتا اس کے لئے گناہ اور کفر کا اہل اور مالک

نہیں ہوتا ہے۔

نوٹ: امام ابو طلیح کے سوال نمبر: ۵۵ اور اس کے بعد کے کلام میں امام اعظم بن لوگوں کا رد

فرما رہے ہیں جن کا خیال ہے کہ خیر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور شر یا برائی اللہ تعالیٰ

کی طرف سے نہیں ہوتی، اصل میں یہ عقیدہ جیسائیت سے اسلام میں داخل ہوا ہے اور

مسلمانوں میں سے متعدد فرقوں نے اس کو اختیار کر کے اہل السنۃ والجماعت کے ماتے

سے ہٹ گئے تھے۔

اس لئے یہاں اس بات کی مکمل وضاحت فرمادی گئی ہے کہ خیر اور شر دونوں کا خالق

اللہ تعالیٰ ہے اور خیر و شر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی استیلاعت ملے کے بعد بندے سے صادر

ہوتے ہیں یہی لئے ہم حکماء کی کتابیں میں اس بات کا اقرار کرتے ہیں:

وَالْقَدَرُ خَيْرُهُ وَشَرُّهُ مِنَ اللَّهِ فَتَعَالَى

کہ ہر اچھی اور بری شے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ (الطوسی)

فتح کوثری کا اس بارے میں یہ کہنا ہے کہ
 کہ استطاعت کو کسی سے چھین لیا جانا اس کا مطلب یہ ہے کہ استطاعت اصل میں
 بندے کے مکلف بننے میں اصل دارموجود ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے استطاعت بندے کے
 ہاتھ میں دے دی ہے لہذا اس کے بعد ہم یہ بات کہنے کے ہاں نہیں ہیں کہ بندہ مجبور محض
 بنایا گیا ہے اس لئے کہ اس کو استطاعت اعمال میں ہم آزاد مانتے ہیں۔

باب ہشتم:

اللہ تعالیٰ کی قدرت، مشیت کا بیان

(۱۸) ابو طلحہؓ نے پوچھا:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہے کہ ان پر جھوٹ بولا جائے تو ان کو کیا جواب دیا جائے؟

امام عظیمؒ نے فرمایا:

تو اسے کہو کہ کیا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنا کلام یا بول چال کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ پر جرات ہے یا نہیں؟

(۱۹) ابو طلحہؓ نے پوچھا:

اگر وہ شخص جواب دے کہ ہاں یہ تو اللہ تعالیٰ پر بڑی جرات کی بات ہے۔
امام عظیمؒ نے فرمایا:

سوال: تو اس سے پوچھو کہ آدھ کو تمام اسامہ کاظمؒ کس نے دیا تھا؟

جواب: اگر وہ جواب دے کہ اللہ تعالیٰ نے دیا تھا:

سوال: تو ان سے پوچھو کہ کیا کلمات کفر اسی کلام کا نتیجہ ہوتے ہیں یا کسی اور کلام کی

بجائے ہوتے ہیں؟

جواب: اگر کہے ہاں اسی کلام کی بجائے ہے۔

سوال: تو ان سے پوچھو کہ اچھا یہ بتاؤ کہ کافر کو کفر یہ کلام کرنے کی طاقت کون

بتا ہے؟

جواب: اگر وہ شخص کہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہیں، تو وہ شخص خود اپنے ہی کلام میں الجھ گیا

ہے، کیونکہ شرک اور کفر پر کلمات بھی بولنے اور کلام کرنے سے بچے رہتے ہیں، البتہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس کو بولنے کی طاقت ہی نہ دے۔

(۲۰) ابو مطیع غلی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کسا دلی کی اپنی مرضی ہے چاہے تو کوئی عمل کرے چاہے تو کوئی عمل بھی نہ کرے، اور اگر چاہے تو کچھ کھائے اگر چاہے تو کچھ بھی نہ کھائے، اگر چاہے تو کچھ پیئے اگر چاہے تو کچھ بھی نہ پیئے؟

امام اعظم نے فرمایا:

ایسے شخص سے یہ پوچھو کہ کیا اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بارے میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ سمندر پار کر جائیں اور فرعون کے لئے یہ بات مقدر کی کہ وہ غرق ہو جائے؟

(۲۱) ابو مطیع غلی نے پوچھا:

میں کہتا ہوں کہ کیا فرعون کی قدرت میں ہے چاہے موسیٰ علیہ السلام کی حاضری میں تھے اور اپنے ساتھیوں سمیت غرق نہ ہو؟

امام اعظم نے فرمایا:

اگر وہ لوگ جواب ہاں میں دیں، کہ ہاں ہاں کو اس بات کی قدرت تھی کہ وہ خود اور اس کے ساتھی غرق ہونے سے بچ جاتے تو اس طرح کا کلام کر کے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کر رہے ہیں۔

اور اگر وہ لوگ جواب ان کار میں دیں کہ فرعون کو اس بات کی قدرت نہیں تھی کہ وہ خود اور اپنے ساتھیوں کو غرق ہونے سے بچالینا تو وہ اپنی ہی بات کے خلاف بات کر رہے ہیں: کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور ذات کی قدرت کے قائل ہو کر شرک کا ارتکاب کر رہے ہیں اور ساتھ ہی اس کا من کار بھی کر رہے ہیں۔

حدیث دوم:

ابو مطیع نے فرمایا:

کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حضرت عمارؓ سے انہوں نے ابراہیم نخعیؒ سے اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم میں سے کسی بھی شخص کی تکلیفی اس طرح ہوتی ہے کہ ہر انسان اس دنیا میں آنے سے پہلے چالیس دن تک نطفہ قلم میں رہا ہے پھر وہ اس کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہ اس کے بعد ماضی عرصہ کی مقدار علقہ (لغز) بنتا ہے؛ پھر وہ اسی قدر وقت کے بعد مضطرب (جسم صورت) بن جاتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتے ہیں جو اس کا (۱) رزق (۲) عمر: (۳) اور اس کا بد بخت (۴) اور خوش قسمت ہونا لکھتا ہے؛ اور قسم ہے اس ذات کی جس کے بغیر کوئی عبود نہیں آوی، جنہیں والے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جنم اور اس کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی کتاب سبقت لے جاتی ہے؛ اور وہ شخص جنت والا کوئی کام کرتے ہوئے مر جاتا ہے اور جنت کا حق دار بن جاتا ہے؛ اور بعض آوی جنتیوں والے کام کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کے بعد جنت کے درمیان ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نکتہ پر اس پر سبقت لے جاتی ہے اور وہ شخص جہنمی لوگوں والا کوئی کام کرتے ہوئے مر جاتا ہے اور سیدھا جنت میں چلا جاتا ہے۔

تخریج:

اس حدیث کو امام غوازی نے امام صاحب سے انہوں نے یزید بن عبدالرحمن سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

چالیس راتوں تک نطفہ ہوتا ہے، پھر اس کے بعد چالیس راتوں تک علقہ بن جاتا ہے، اس کے بعد چالیس راتوں تک مضطرب بن جاتا ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو تکلیفی کے دوسرے دور میں داخل فرماتے ہیں۔

اس دور میں ایک فرشتہ اللہ تعالیٰ کے پاس آکر سوال کرتا ہے کہ اے اللہ یہ ذکر ہو گا یا

موت ہوگا، خوش بخت ہوگا یا بد بخت ہوگا، اس کی موت کیسے ہوگی اس کا رزق کیسے اور کتنے ہوگا، اس کی عمر کتنی ہوگی، جو اللہ تعالیٰ کا ارادہ ملائکہ کو مطلق ہوتا ہے اس کو لکھ دیا جاتا ہے

اور فرمایا: خوش بخت وہ ہے جو دوسروں سے فصاحت حاصل کرے اور بد بخت تو اپنی بد بختی ماں کے پیٹ میں سے نکل آتا ہے اور ایک روایت میں الفاظ یوں ہیں: زیادہ بد بخت وہ ہے جو اپنی ماں کے پیٹ سے بد بختی لے کر پیدا ہوا، اور خوش بخت وہ ہے جو اوروں سے فصاحت حاصل کرتا ہے۔

اس باب میں ایک روایت امام حماد سے بھی منقول ہے لیکن وہ مرسل ہے لیکن اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔

اس حدیث کو امام طہاوی نے مشکل الحدیث میں اور بخاری نے مسلم نے ابو داؤد نے ترمذی نے رزین نے اور ابن ماجہ نے اور طحاوی نے اعمش من زید بن وہب من ابن مسعود کے طریق سے اور خطابی نے نقل کیا ہے۔

باب نہم

تقدیر باری اور اُمیر معروف و نہی منکر

(۲۲) ابو مطیع ثعلبی نے پوچھا:

آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو پہلے تو اُمیر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا رہے اور اس عمل کے ذریعہ لوگ اس پر احسان کرنے لگیں اور وہ شخص لوگوں میں احسان پیدا ہو جانے کے بعد ان لوگوں کو جماعت کے اجتماع کے خلاف بغاوت پر اکسانے لگے اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ آیا اس کا یہ عمل جائز ہے؟
امام اعظم: فرمایا کہ اس کا یہ عمل بالکل جائز نہیں۔

(۲۳) ابو مطیع ثعلبی نے پوچھا:

آفراس کی کیا وجہ ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے کاموں کے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور برائی سے روکا ہے اور یہ ایک ایسی ذمہ داری ہے جو ہر شخص کو ادا کرنی لازم ہے؟

امام اعظم: بات تو آپ کی بالکل درست ہے، لیکن اُمیر بالمعروف کے ذریعہ جو فساد وہ لوگ برپا کرنا چاہتے ہیں وہ ان کی اصلاح احوال کی کوشش سے کہیں زیادہ نقصان دہ ہے؛ کیونکہ جب فساد برپا کیا جائے گا تو اس میں خون بہایا جائے گا اور حرام کو حلال جانا جائے گا۔

اس مسئلہ میں ایک طرف تو وہ واجب کی ادائیگی کی کوشش کر رہے ہیں جس کی بناء پر ان کی تعریف کی جانی چاہئے اور دوسری طرف وہ معاشرہ میں فساد کا ذریعہ بن رہے ہیں جس پر ان کی مذمت کی جانی چاہئے۔

یہی وجہ ہے کہ اس قسم کے کام کرنے والوں کے لئے نہ تو کفر کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ان کے قاصد عمل پر جواز کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔
اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَان طَافُوا فِي الْأَرْضِ فَلْيُحْسِنُوا إِلَى الْبَنِيَاءِ الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ جُنُودٌ مُقَاتِلَةٌ
إِذَا خَرَبُوا مِنْ بَنِيائِهِمْ لِيُجِزُوا إِلَيْهِمْ وَأَمْ لَهُمْ آلَاءُ الْبَتِّ

(الجمرات: ۵)

اگر مومنوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان مصالحت کرادو
اور اگر ایک جماعت دوسرے پر چڑھائی کر دے تو زیادتی کرنے والی جماعت کے خلاف لڑو
، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود میں داخل نہ آجائیں۔
(۳۳) بہر مطیع ملکی نے پوچھا:

کیا ان میں سے باغی گروہ کے ساتھ کوار سے جنگ کی جائے گی؟
امام اعظم: ہاں ان کو پہلے اچھائی کا حکم دیا جائے گا اور برائی سے روکا جائے گا، اگر وہ
لوگ اس طرح نصیحت قبول کر لیں تو بہت بھر ہے، ورنہ ان سے اس وقت تک لڑائی کی
جائے گی تاہنگیکہ بغاوت کا راستہ چھوڑ کر درست عمل اختیار کر لیں اور راہ عدل پر چلنے والی
جماعت سے مل جائیں اور اس سارے طریقہ کار میں امام المسلمین کے ظالم ہونے کی پرواہ
نہیں کی جائے گی

حدیث سوم:

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
لَا يَخْرُجُ كُمْ جُوزٌ مِنْ خِلَارٍ وَلَا غِلٌّ مِنْ غِلٍّ لَكُمْ بَعْزٌكُمْ وَغَلِبَ وَزْرُهُ
ظلم کرنے والے کا ظہر اور حدود سے تجاوز کرنے والے کا اپنی حد سے تجاوز کرنا
تمہارے لئے کسی قسم کے نقصان کا باعث نہیں ہوگا۔ اگر تم اچھائی کرو گے تو اللہ تعالیٰ سے
اجر پاؤ گے اور ظلم و زیادتی کرنے پر اس کا بدلہ اور سزا کے مستوجب بنو گے۔

حدیث سوم:

امام اعظم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرمائی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اگر کوئی شخص دنیا میں اربکھاب گناہ کرتا ہے اور اس کو دنیا میں اگر سزا دے دی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ آخرت میں اس کی سزا نہیں دیتے، اور اگر کوئی شخص دنیا میں کسی گناہ کا اربکھاب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ستاری کرتے ہوئے اس کو معاف فرما دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بلند ہیں کہ جس گناہ کو وہ معاف فرما دیں اس کی آخرت میں دوبارہ اس کو سزا دیں اس کو خود رزی نے نقل کیا ہے۔

نوٹ: اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک امام المسلمین یا ائمہ المسلمین کا مصوم من خطا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک یہ ہو سکتا ہے کہ اس منصب پر فائز شخصیت قاصد و فاجر ہو، البتہ کفر یا عمل کے ارتکاب سے مکمل اجتناب ضروری ہے کیونکہ کفر یا عمل کے ارتکاب سے بندہ اس منصب کی اولیت سے گر جاتا۔

اور یہ منصب ہے جس کو اختیار کرنے کا حکم اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کو دیا ہے اور اسلامی تعلیمات میں اس کی بڑی اہمیت بیان کی گئی ہے۔

باب مہم :

فرقہ خوارج اور ان کے عقائد کا بیان

(۲۵) ابو مطیع الجلی نے پوچھا:-

آپ کی ایسے خوراج کے ہارے میں کیا رائے جو:

(ان الحکم اللہ تعالیٰ)

ہمیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی حکومت و حاکمیت قابل قبول و قابل تسلیم نہیں ہے

کا غرہ کا کر سچا کر ام کی برائی کرتے ہیں۔

ان کو خوراج قتلہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ واقعہ حکیم کے پیش آ جانے کے بعد حضرت علی

سے بغاوت کر گئے تھے، اور ان کا مشہور نعرہ تھا

(إِن الْحُكْمُ لِلَّهِ)

حکم صرف اللہ کا چلنا چاہئے اس کے علاوہ کسی اور کا نہیں چلنا چاہئے

امام اعظم: اس فرقہ کے لوگ اہل خوراج میں سب سے بڑے بدعت کے خبیث ہیں!

(۲۶) ابو مطیع الجلی نے پوچھا: کیا ان کو کا فر کہا جائے گا؟

امام اعظم: نہیں ان کو کافر نہیں کہا جائے گا لیکن ان کو راہ راست پر لانے کے لئے

ضرورت کے وقت ان سے جنگ ضرور کریں گے: کیونکہ ہمارے ائمہ خیر نے ان کے ساتھ

خود جہاد کیا ہے لہذا ان کی اصلاح کرتے ہوئے ہم بھی ضرورت کے وقت ایسا ہی کام کریں

گے اور ان کو راہ راست پر لانے کے لئے ان کے ساتھ جہاد کریں گے، اور ان ائمہ خیر میں

خاص طور سے حضرت علی اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ شامل ہیں۔

(۲۷) ابو مطیع الجلی نے پوچھا:

اہل خوارج اللہ تعالیٰ کی بڑائی میں عکس بھی کہتے ہیں اور قرآن کریم کی تلاوت بھی کرتے ہیں، کیا پھر بھی ان کے خلاف جہاد کیا جائے گا؟

امام اعظم: نے فرمایا کہ کیا آپ کو ابو امامہ کی حدیث یاد نہیں جب وہ دمشق کی جامع مسجد میں داخل ہوئے وہاں فرقہ خوارج کے چند مقتولین کے سر پڑے ہوئے تھے۔

ابو امامہ: ابو غالب حمصی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اے ابو غالب! کیا یہ آپ کی سرزمین کے لوگ نہیں ہیں؟ میں چاہتا ہوں کہ آپ سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھوں کہ آپ کی رائے میں یہ کیسے لوگ ہیں؟

ابو غالب: یہ سب لوگ آگ کے کتے ہیں یا آگ کے کتے! اور آج تک آسمان کے نیچے جتنے لوگ قتل کئے گئے ہیں ان میں سب سے بدترین مقتول یہ لوگ ہیں! اور یہی باتیں کرتے ہوئے ابو غالب رونے لگے۔

ابو امامہ: آپ کیوں رورہے ہیں؟

ابو غالب: یہ لوگ تو پہلے مسلمان تھے۔

ابو امامہ: بڑے تعجب سے بولے کہ یہ بات جو میں سن رہا ہوں کیا آپ ان لوگوں کے بارے میں فرما رہے ہیں؟

ابو غالب: کیا آپ وہی بات نہیں کہو گے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

يَوْمَ نَبْهَتُ الْوُجُوهُ لِأَنَّهَا هِيَ الَّتِي كَانَتْ وَجُوهُهُمْ
أَخْفَرْتُمْ بَعْدَ مَا مَنَعْتُمُ الْعُلَمَاءَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ وَإِنَّا لَآلِئِينَ
أَنْبَشْتُمْ وَجُوهُهُمْ فَنَقِي وَخِيفَ اللَّهُ فَمِنْ بَيْنِهَا ضَلَفُونَ

(الاحقران ۷۶: ۷۷)

ایک دن ایسا ہے جس میں بہت سارے چہرے خوش بخت اور سفید چمک دار ہوں گے اور بہت سارے چہرے سیاہ اور بد بخت ہوں گے اور جو چہرے سیاہ ہوں گے اس کی وجہ کیا ان کا ایمان لانے کے بعد کفر کرنا نہیں ہے، پھر ان کو چاہئے کہ کفر کرنے کی وجہ سے عذاب

۳۳۳ ——— تھا کبر و ابط

میں جتلاہ ہوں اور جو سفید چہروں والے ہوں گے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہوں گے اور اس
اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہمیشہ کے لئے رہیں گے۔

ابو امامہ: کیا آپ نے خود یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی؟

ابو غالب: سبحان اللہ! ایک بار دو بار، حتیٰ کہ سات بار تک اسی طرح کہا۔

امام عظیم: نے فرمایا

فرقہ خوارج کو کافر کہا جاتا، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفر کرنے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ اللہ
تعالیٰ نے ان پر جو انعامات کیے لیکن یہ لوگ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے کی بجائے اس
کی ناشکری کرنے لگے تھے۔

نوٹ: کفر ان نعمت سے مراد یہ ہے اللہ نے ان پر کئی نعمتیں نازل کیں، انبیاء کے ذریعے
مکمل دین اور صحابہ کرام کے ذریعہ مکمل راہ عمل اور ان کے لئے کامل کتاب اور اس کتاب کو
بیان کرنے والے نبی: اور ان کے قریبی صحابہ کرام کی ایک جماعت جس کی توثیق پر حضور اکرم
نے صبر و صبر و صبر کر دی ہے:

ہاتھم اللہ علیہم

یعنی ان میں جس کی اتباع کرو گے چاہے پانچو گے

اور خوارج کا کفر کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے کفر کی وجہ سے کہ اب اتنی بڑی نعمت کا ان
کا رکنا اور یہ کفر نہیں تو اور کیا ہے۔

باب یازمہم:

تأویل یا ان کار سے غلط کام کرنے کا حکم

(۲۸) ابو مطیع لجنی نے پوچھا:

اگر فرقہ خور لجن کے لوگ عام مسلمانوں کے خلاف بغاوت کا راستہ اختیار کریں اور جنگ و جدل اور عارت گری کا بازار گرم کریں اور ایسا کرنے کے بعد وہ ہمارے ساتھ صلح کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو کیا ان کی طرف سے کسی ہوئی ساتھ کارستانیوں کی ان کو سزا دی جائے گی؟

امام اعظم نے جواب دیا کہ:

دوران جنگ جن جرائم کا وہ ارتکاب کر چکے ہیں اس کا کوئی بدلہ نہیں لیا جائے گا: اور اسی طرح دوران بغاوت ان سے صادر ہونے والے افعال جو شرعی حد کا موجب ہوں ان پر کوئی حد جاری نہ کی جائے گی اور دوران بغاوت کسی کو ناحق قتل کرنے کی بناء پر ان سے قصاص بھی نہیں لیا جائے گا۔

(۲۹) ابو مطیع لجنی نے پوچھا:

آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ ان کے جرائم پر کوئی حد یا قصاص بھی جاری نہ کی جائے؟
امام اعظم نے فرمایا:

اس کی وجہ وہ حالات تھے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد لوگوں میں پیدا ہوئے تھے وہ یہ کہ ایک جماعت مظاہرہ کرتی تھی کہ ان کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے اور دوسری جماعت اس عمل کی مخالفت تھی۔

تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اس بارہ میں جماع منعقد ہو گیا کہ

فدا کبر و اہل ————— ۳۲۶

- (۱): جو شخص تاویل سے کسی کا خون بہائے اس پر قصاص لازم نہیں ہوگا۔
 - (۲): اور جو شخص تاویل کرتے ہوئے کسی عورت کے ساتھ زنا کرے اس پر شرعی حد جاری نہیں کی جائے گی۔
 - (۳): اور اسی طرح جو شخص کسی کا مال تاویل سے جائز سمجھتے ہوئے اٹھیا لے اُس پر اس مال اٹھیلانے کے جرم کی مدافعت نہیں کی جائے گی۔
- ہاں اگر اٹھیلانے والے کے پاس اصل مال برآمد ہو جائے تو وہ اس سے لکر اصل مال تک کو لوٹا دیا جائے گا۔

بطلب دولزمہم :

کافر کے کفر کی کیا حدود ہیں؟

(۳۰) ابو مطیع یحییٰ نے پوچھا:

اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ میں کافر کو کافر نہیں جانتا، اس کو کیا جواب دیا جائے گا؟

امام اعظم: وہ بھی اس کافر کی طرح کافر ہو جائے گا:

(۳۱) ابو مطیع یحییٰ نے پوچھا:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نہیں جانتا کہ کافر کا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ یعنی انہماک کے لحاظ

سے کافر کہاں جائے گا؟

امام اعظم نے فرمایا:

وہ شخص بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب کا ان کار کرنے کی وجہ سے کافر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا کہ کافر کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ شخص اس کے ٹھکانہ کے بارے میں شک میں ہے اور اس کے

کے جہنمی ہونے کا یقین نہیں رکھتا۔

باب سیز دہم:

ایمان کی حقیقت پر حضرت معاذ و ابن مسعودؓ کی حدیث

(۳۲) ابو طلحہؓ نے پوچھا:

آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جس سے سوال کیا جائے کہ کیا آپ مومن ہیں یا نہیں؟ تو وہ جواب دے کہ (اللہ اعلم) اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے؟
امام اعظم نے فرمایا: وہ شخص ایمان میں شک کرنے والا ہے۔

(۳۳) ابو طلحہؓ نے پوچھا:

آپ یہ فرمائیں کہ کیا کفر اور ایمان کے درمیان نفاق کے علاوہ کوئی اور وجہ بھی ہے، جہاں اس شک کرنے والے کو فائز کیا جائے؟

امام اعظم نے فرمایا:

وہ شخص تین مرتبوں میں سے کسی ایک پر لازمًا فائز ہوگا کیونکہ ان تین مراتب کے علاوہ کوئی چوتھا مرتبہ نہیں ہے یعنی یا تو وہ شخص

(۱) مومن (۲) یا کافر (۳) ہو۔ یا منافق ہوگا۔ اور جو شخص اپنے ایمان میں میں

شک کرے وہ منافق نہیں ہو سکتا بلکہ کافر ہوگا

(۳۴) ابو طلحہؓ نے پوچھا:

آخر میں کیا وجہ ہے؟

امام اعظم نے فرمایا:

حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابن مسعودؓ وہی حدیث کی بناء پر جس کی تفصیل یوں ہے۔

حدیث چہارم

جو مجھے امام عباد نے بیان فرمائی کہ حارث ابن مسلمہ حضرت محاذ بن جبلؓ کے پاس علم حاصل کیا کرتے تھے جب حضرت محاذ بن جبلؓ کی موت کا وقت قریب ہوا تو حضرت حارثؓ رونے لگے:

محاذ: اے حارث تیرے مدونے کی کیا وجہ ہے؟

حارث: مجھے یہ بات تو معلوم ہے کہ آپؓ کی آخرت کی زندگی دنیا سے بدرجہا بہتر ہے لیکن میں سوچتا ہوں آپؓ کے بعد کونسا عالم ہے جس کی خدمت میں رہ کر میں علم حاصل کر سکوں گا؟

محاذ: کوئی بات نہیں مگر کہہ دو میرے بعد تم عبداللہ بن مسعودؓ پاس چلے جانا ان سے علم حاصل کر لینا۔

حارث: مجھے کوئی وصیت فرما دیجئے اس کے بعد جو اللہ تعالیٰ نے چاہے وہ اس کی مرضی۔ حضرت محاذ بن جبلؓ نے مجھے وصیت کی اور دو دن وصیت یہ بھی کہا کہ کل علم کی طلبی لغزش سے ڈرتے رہنا۔ اس کے بعد حضرت محاذ رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے اور حارث کوفہ میں عبداللہ بن مسعودؓ کے طلباء میں آ کر شامل ہو گئے اور علم حاصل کرنے میں مصروف ہو گئے۔

ایک دن جب مذا ان ہوئی تو حارثؓ نے سب لوگوں سے کہا: اس گئی دعوت یعنی نواہن کا جواب دینے کے لئے تیار ہو جاؤ کیونکہ ہر مسلمان جو اذان سنے اس کو اس کا جواب دینا واجب ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں نے ان کی طرف خاص نظروں سے دیکھا اور ان سے کہا کہ کیا یہاں صرف قسمی مؤمن ہو؟

حارث: ہاں میں واقعی مؤمن ہوں!

یہ بات سن کر ابن مسعودؓ کے سارے شاگرد حارثؓ کو کن اکھیں سے یوں تازنے لگے کہ شائیدہ اس نے کوئی غلط بات کر دی ہو:

حادث: نے پریشانی میں اپنا سر جھکا لیا اور آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور اس دوران حضرت محاذ کے لئے رحمت کی دعائیں کرتے جاتے تھے:

اسی دوران یہ ساری بات حضرت ابن مسعودؓ کو بتادی گئی؛ ملاقات پر انہوں نے حادث سے پوچھا کہ کیا تو یہ کہتا کہ تو مؤمن ہے؟

حادث: ہاں میں واقعی مؤمن ہوں۔

ابن مسعودؓ: کیا آپ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تو اپنے آپ کو خشتی لوگوں میں سے شمار کرتا ہے؟

حادث: اس کا جواب دینے کی بجائے اپنے استاد حضرت محاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رحمت کی دعاء کرنے لگے: کیونکہ انہوں نے وصیت فرمائی تھی: کہ عالم کی بھول چوک سے ڈرتا رہو یہ بھی وصیت فرمائی تھی کہ بلاوجہ کسی کے بارے میں متعلق ہونے کا فیصلہ نہ صادر کر دیتا۔

ابن مسعودؓ: کیا تو نے کوئی غلطی دیکھی ہے؟

حادث: میں آنکھوں اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ یہ بتائیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کی تین قسموں کے علاوہ بھی کوئی قسم تھی؟

(۱): ظاہر و باطن کے لحاظ سے مؤمن (۲): ظاہر و باطن کے لحاظ سے کافر (۳): باطنی لحاظ سے متعلق اور باطن میں آپ کی گروہ میں ہیں۔

ابن مسعودؓ: اب جبکہ آپ نے اللہ کی قسم دی ہے: تو میرا جواب سنو اور وہ یہ کہ میں ظاہر و باطن کے لحاظ سے مؤمن ہوں۔

حادث: پھر آپ نے میری (انی لو سن) کہ میں واقعی مؤمن ہوں والی بات کہنے پر حلاوت کیوں کی؟

ابن مسعودؓ: کوئی بات نہیں یہ میری غلطی سمجھ لو: اور میرے پاس ہی اس کو دفن کر دو: اور اس کو یہیں بھول جاؤ پھر انہوں نے بھی حضرت محاذؓ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی دعاء کی:

حدیث چہارم:

امام اعظم نے اسی حدیث کو کئی اور طرق سے بھی نقل فرمایا ہے مثلاً خوارزمی نے جواب
نعمی سے انہوں نے حارث بن سوط نقل کیا کہ ایک آدمی حضرت معاذ کی خدمت کیا کرتے
تھے جب ان کو موت آگئی تو وہ حضرت عبداللہ کے طلباء میں شامل ہو گئے
ایک دن حضرت عبداللہ نے انہیں بلایا اور ان سے پوچھا کہ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم
بچے مؤمن ہو؟

اس نے کہا کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے
میں لوگوں کی تین ہی اقسام تھیں:

- (۱) قصہ یق کو ظاہر کرنے والا اور اسی کو دل میں بھی رکھنے والا، ویسا شخص اللہ
تعالیٰ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام اہل ایمان کے نزدیک ایمان والا شمار ہوتا تھا۔
- (۲) اپنی ظاہر اور باطن کے ساتھ ایمان کو جھٹلانے والا، ویسا شخص اللہ تعالیٰ اسکے
رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مؤمنوں کی نظر میں کافر شمار ہوگا (۳)۔ اپنے ظاہر میں ایمان
والا اور باطن میں کفر چھپانے والا، ویسا شخص منافق ہے
- حضرت عبداللہ نے فرمایا: میں ظاہر و باطن کے لحاظ سے ایمان کا دعوے دار ہوں

باب چہارم :

اپنے یا کسی زندہ شخص بارے دعوائے جنت یا جہنم کرنا

لوحینہ میں منقول ہے :

امام عظمیٰ نے فرمایا :

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور دو رہن گفتگو کہنے لگا : میں عباس :-

انا طر من ان شاء اللہ تعالیٰ

اگر اللہ نے چاہا تو میں مؤمن ہوں : اس پر حضرت ابن عباس نے جواب دیا :

لکلفک انتک ائمن باللہ تعالیٰ وبعاجدہ من اللہ تعالیٰ

حیرت مالا تیری موت کا بوجھ اٹھائے اور تیرے مرنے پر روئے کیا تو اللہ تعالیٰ اور اس ایمان کے بارے میں کہہ رہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے ؟

وہ شخص کہنے لگا کہ : ہاں :

جس کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم یہ کہا کرو کہ میں جا مؤمن ہوں اس کے بعد یہ آیت تلاوت کی :

﴿ اٰمَنَّا بِالْمَوْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ لَمْ يَرَوْا نَبَاۡہُمْ ﴾

(البقرہ : ۱۵)

بے شک مؤمن وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اس کے رسولوں پر مگر اس میں کسی قسم کے شک میں جتنا نہیں ہوئے

یعنی وہ نہ تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی شک میں جتلا ہوئے اور نہ اس کے رسول

کے بارے میں کسی شک میں جھکا ہوئے، اور نہ ہی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی کسی بات میں شک کیا، کیونکہ کسی ایک بات کا استثناء ایمان کو باطل کر دیتا ہے یعنی سارے ایمان میں سے ایک بات کا بھی من کار کر دیا تو گو یا سارے ایمان کا ان کا لازم آئے گا۔

اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ

میں اللہ تعالیٰ کی موجودگی کا دعوے دہاؤں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا

تو امت کا دن ضرور آئے گا اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتابیں ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا

تو ایسا شخص بلا کسی تردد کے خود بخود کافر ہو جائے گا۔

اور ہم یہ کہتے ہیں جس طرح قاری زبان کے کسی جملے میں استثناء سے حکم بہت نہیں

ہوتا ایسے ہی عربی میں بھی کسی جملے کے استثناء کا حکم ہوتا ہے۔

ہو اس کی صاف ستھری مثال فقہ میں یوں سمجھو کہ ایک شخص اپنی بیوی کو مخاطب کرتے

ہوئے کہتا ہے: اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تجھے طلاق ہے! یا اپنے غلام کو کہتا ہے اگر اللہ تعالیٰ

نے چاہا تو میری طرف سے تو آزاد ہے! یا کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں نے غلام

فحص کا اٹھنے بیٹوں کا مقروض ہوں! یا وہ کہتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں نے بچہ دیا

میں نے خرید لیا!

تو ان تمام صورتوں میں کچھ بھی لازم نہیں آئے گا کیونکہ جملے میں استثناء کی وجہ سے

سارے مسائل کا حکم ہی باطل ہو گیا ہے جب مسائل کی یہ حالت ہے کہ استثناء کی وجہ سے اس

میں سے حکم باطل ہو جاتا ہے تو ایمان کا معاملہ تو اس سے زیادہ حساس ہے لہذا وہاں بطریق

اولیٰ استثناء سے حکم بدل جائے گا۔

نام معظم نے فرمایا:

ہر شخص کو چاہئے کہ وہ یوں کہا کرے میں کچھ مومن ہوں کیوں کہ ایمان کے اعتبار میں

کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں ہے۔

(۳۵) ابو مطیع غلی نے پوچھا:-

تو کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا ایمان ملائکہ کے ایمان کی طرح ہے؟

امام اعظم نے فرمایا: ہاں ایسا کہہ سکتے ہیں، کیونکہ ایمان لانے کے لئے ایمانیات

میں سب برابر ہیں۔

(۳۶) ابو مطیع غلی نے پوچھا:

خواہ اس شخص کے عمل بہت تمیز سے ہوں پھر بھی وہ سچا مومن ہوگا؟ اس سوال کا جواب

دینے کے لئے:

حدیث پنجم:

امام اعظم:- نے ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا نبی علیہ السلام نے

ایک معروف صحابی حضرت حارثؓ سے پوچھا

(کیف اصبحتم؟)

رسول اللہؐ اے حارثؓ تو نے صبح کس حال میں کی ہے؟

حارثؓ: میں نے سچا مومن ہونے کی حالت میں صبح کی ہے:

رسول اللہؐ دیکھو کیا کہہ رہے ہو؟ کیونکہ ہر حق بات کی کوئی نہ کوئی حقیقت ہوتی ہے

تو تیرے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟

حارثؓ: اے اللہ کے رسولؐ! میرا نفس دنیا سے بے رغبت اور بے زار ہو گیا، یہاں

تک کہ میرا دل چاہی اور رات بیداری میں گزرتی ہے: اور میرا حال یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ

کا عرش واضح اور ظاہر طور پر دیکھتا ہوں! اور میں جنتی لوگوں کو جنت میں ایک دوسرے کی

زیارت کے لئے آتے جاتے ہوں، جہنمی لوگوں کو جہنم کی آگ میں غوطے کھاتے دیکھ

رہا ہوں۔

رسول اللہؐ فرمایا تو ایمان کی حقیقت تک پہنچ گیا ہے، اس پر قائم رہنا، اور یہ جملہ تین

مرتبہ ارشاد فرمایا:

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر کوئی شخص چاہے کہ ایسے شخص کو دیکھے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ایمان کے نور سے منور کر دیا ہے اس کو چاہئے کہ وہ حارثہ کو دیکھ لیا کرے۔

حارثہ: یا رسول اللہ! میرے لئے شہادت کی دعا کیجئے۔

رسول اللہ نے ان کے لئے شہادت دعا کی: اور اس دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے کہ حضرت حارثہ کو شہادت نصیب ہوئی۔

(۳۷) ابو مطیعؓ نے پوچھا:

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کوئی مؤمن جہنم میں داخل نہیں ہوگا: اس شخص کا کیا جواب ہے؟ امام اعظم: اس کو جواب دو کہ قیامت کے دن جہنم میں صرف مؤمن ہی داخل ہوں گے۔

(۳۸) ابو مطیعؓ نے پوچھا:

تو اس دن کافروں کا کیا معاملہ ہوگا؟

امام اعظم: وہ سب لوگ اس دن ایمان والے ہو جائیں گے:

(۳۹) ابو مطیعؓ نے پوچھا:

یہ بات کیسے معلوم ہوئی؟

امام اعظم: کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا:

فَلَمَّا رَوْزًا يَأْتِيهِمْ لِقَاءُ رَبِّهِمْ أَتَيْنَا هُمْ وَخَرُّوا سُجَّدًا

مُسْرِكِينَ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِهْمُهُمْ لِقَاءُ رَؤُوفًا نَّاسِنَا (الاف: ۸۵)

جب وہ لوگ ہماری آزمائش اور عذاب کو دیکھیں گے تو فوراً کہیں گے ہم اللہ وحدہ

لا شریک پر ایمان لاتے ہیں، اور ہم جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے تھے ان کا ان کار

کرتے ہیں: اگرچہ ان کو عذاب کا مشاہدہ کرنے کے بعد ایمان لانا کوئی نصیب نہ دے گا

لہذا جو بھی جہنم میں جائے گا وہ پہلے ایمان لائے گا مگر ان کا اس وقت ایمان ملانا ان کے لئے کوئی فائدہ مند ثابت نہ ہوگا:

نوٹ: اور دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: **اولئک ہم المؤمنون حقا** یعنی یہ ہی لوگ سچے مومن ہیں:

اب جو شخص یوں کہتا یا مومن ان شاء اللہ بتو اس سے پوچھا جائے کہ آپ کس لحاظ سے متبعی کر رہے ہیں:

(۱) اگر زمانہ ماضی کا استثناء کر رہے ہیں: تو یوں کہنا چاہئے ہیں کہ میں گذشتہ کل ان

شاء اللہ مومن ہوں گا

(۲) یا یہ کہ زمانہ حال میں استثناء کرے اور کہے میں اس وقت مومن ہوں:

(۳) یا یہ کہ زمانہ مستقبل میں استثناء کرے: تو یوں کہنا ہوگا میں کل آئندہ مومن

ہوں گا: اگر تو وہ ماضی یا حال کے بارے میں کہے کہ: میں گذشتہ کل یا موجودہ وقت میں استثناء

اللہ مومن ہوں تو ان دونوں کے ساتھ اس کا کفر لازم آئے گا: اور اگر مستقبل کے بارے

میں استثناء کرے اور کہے کہ میں ان شاء اللہ کل مومن ہوں گا: یہ صورت درست تو ہے مگر

بدعت ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من لم یکن مؤمناً حتماً کان کافراً حتماً

یعنی یہ کہ جو شخص مومن نہ ہو تو وہ کافر ہے حتماً:

شیخ کوثری: ایمان یقین حکم کا نام ہے لہذا کوئی ایسا عمل جو یقین حکم میں مانع ہو اس

کی ایمان میں محجبات نہیں ہے اس لئے ایمان کو ہم کامل ایمان ہی کہیں گے اور جو اس میں کمی یا

زیادتی کا عنصر پایا جاتا ہے اس کی وجہ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو ایمان لانے کے بعد

بندوں کو تکلف بنائے جانے کے لئے حکم کئے جاتے ہیں اور جن معصیات نے اعمال کو ایمان

کا ایک رکن قرار دیا ہے ان کو اپنے ایمان اور خواہج اور معتزلہ کے ایمان کے مفہوم میں فرق

کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔

خلاصہ کلام:

ایمان کا دعوے ایک اختلافی امر ہے بعض احباب کے نزدیک یہ کہنا کہ میں مومن ہوں گویا یہ کہنا ہے کہ میں جنتی ہوں جب کہ امام اعظم نے اس مقام پر اس بات کی مکمل وضاحت پیش کر دی ہے کہ دعوئے ایمان اور جزیہ اور جنتی ہونا اور جزیہ ہے کیونکہ ایمان کے ساتھ ساتھ کوئی شخص گناہ گار بھی ہو سکتا ہے اور اس کے گناہوں کی وجہ سے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہنم کی سزا بھی دی جاسکتی ہے لیکن بعض لوگوں کے نزدیک ایمان کے ساتھ جہنم کی سزا نہیں دی جاسکتی اسی لئے جب کسی نے یہ کہا کہ میں مومن ہوں تو فوراً اس سے یہ سمجھا گیا کہ شاید اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص کہتا ہے میں جنتی ہوں جس کی وجہ سے مسئلہ متعارض بننا چلا گیا ہے

باب پانزدہم:

ایمان پر معاصی کے اثرات

امام مسلم ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ:

جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے، یا چوری کرے، یا ڈاکہ ڈالے، یا گناہ کے کام کرے، یا فسق و فجور کا راستہ اختیار کرے، یا زنا کرے، یا شراب نوشی کرے یا کوئی ایسی نشہ آور چیز استعمال کرے جس سے اس کو نشہ ہو جائے تو اس کو مومن قاصق کہیں گے کافر نہ کہیں گے اور اے شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے گناہوں کی وجہ سے جہنم کا عذاب دیا جائے گا اور اس پر ایمان کی بہت غالب آ جانے کے بعد اس کو جہنم سے نکال لیا جائے گا۔

امام مسلم ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ

جو شخص ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے، مگر اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتا ہے: میں نہیں جانتا کہ مومن اور مصیٰ علیہا السلام اللہ تعالیٰ کے رسول تھے یا نہیں تھے؟ تو وہ شخص کافر ہوگا:

اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا کافر جنتی ہیں یا جہنمی ہیں؟

وہ اللہ تعالیٰ کے قول کا انکار کرنے کی وجہ سے خود کافر ہے۔ کیونکہ اللہ نے ارشاد فرمایا:

وَالَّذِينَ ظَنُّوا أَنَّهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ فَيَمُوتُوا

(طہ: ۷۵)

اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہے ان کے لئے جہنم کا عذاب جو مرنے کے بعد ان کو دیا جائے گا

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَلَهُمْ عَذَابٌ جَهَنَّمُ وَلَهُمْ عَذَابٌ الْخَرِيقِ (البقرہ: ۱۰)

ان کفار کے لئے جہنم کا عذاب، اور وہ بھی ایسا عذاب جو جلائے والا ہے
ایک مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَهُمْ عَذَابٌ قَسِیْدٌ (اشوری: ۱۶)

ان کفار کے لئے شدید ترین عذاب ہے

ان آیات سے معلوم ہوا کہ یہ عذاب اور سزا کفار کے لئے ہے۔

اور جو شخص ان آیات کے بارے میں شک کرتا ہے گویا وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی ان

آیات میں شک کرنے کی بناء پر ان کا رد کر رہا ہے لہذا وہ کافر ہے۔

اس بات کی دلیل وہ قول جو امام اعظم نے سعید بن مسیب سے نقل کیا ہے جس کے

الفاظ یوں ہیں:

امام صاحب نے فرمایا:

مجھ تک حضرت سعید بن مسیب سے یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص کافر کو کافر نہ جانے اور

ان کے جہنمی ہونے کا قائل نہ ہو وہ بھی انہی کی طرح کافر ہوگا۔

(۴۰) ابو مطیع جلی نے پوچھا:

آپ اس شخص کے بارے میں مجھے بتائیں جو ایماندار تو ہے، مگر عبادت میں سے نہ

نماز، نہ روزہ، اور نہ ہی نیک اعمال میں سے کوئی عمل سرانجام دیتا ہے، کیا ایسے شخص

کو اسکا ایماندار ہونا مفید ہوگا یا نہیں ہوگا؟

امام اعظم نے فرمایا:

وہ شخص ہندو سمن ہے مگر اس کی آخرت اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے وہ چاہے تو اس

کو عذاب دے یا اس کے حال پر دم فرماتے ہوئے اس کی بخشش فرما دے، اور جو شخص

ایمانیات اور اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے کسی چیز کا صراحتاً انکار نہ کرتا ہو وہ اہل ایمان میں

سے سمجھا جائے گا۔

باب شانزدهم

ایمان و عمل کا تعلق اور اس پر گناہ کے اثرات

حدیث ششم:

امام اعظم نے اپنی سند متصل کے ساتھ ایک حدیث نقل فرمائی ہے:
آپ فرماتے ہیں کہ مجھے بعض اہل علم نے کہا کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب شام کے مشہور شہر حص میں تخریب گئے تو بہت سے لوگ آپ کی زیارت کے لئے جمع ہو گئے بن زائرین میں سے ایک نوجوان نے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چند سوالات پوچھے:

سوال: اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے، حج بیت اللہ بھی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد بھی کرتا ہے، غلام بھی آزاد کرنا ہے اور اللہ کے راستے میں زکوٰۃ بھی دیتا ہے، البتہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں شک کرتا ہے کہ پتہ نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تھے بھی یا نہیں؟
معاذ بن جبل یہ شخص جنسی لوگوں میں سے ہے:

سوال: اچھا تو اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو ایمان تو رکھتا ہو، مگر عمل صالح نہیں کرتا، یعنی نہ وہ نماز پڑھتا ہے، نہ روزہ رکھتا ہے، نہ حج کرتا ہے، نہ اپنے مال میں سے زکوٰۃ دیتا ہے، البتہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان کا اقرار کرتا؟
معاذ بن جبل اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے مصیبت کی امید کے ساتھ ساتھ غلاب کا خوف بھی ہے۔

سوال: اے ابو عبد الرحمن! (حضرت معاذ بن جبل کی کھیت) آپ کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ

جیسے اس شخص کو شک کے ہوتے ہوئے کوئی عمل قائم نہیں دیتا، اسی طرح ایمان کے ہوتے ہوئے اس شخص کو کوئی گناہ اس کے ایمان کو نقصان نہیں دے سکتا، اور پھر وہ نوجوان اٹھا اور چلا گیا۔

معاذ بن جبلؓ اس راوی میں شام اس نوجوان سے زیادہ خیر اور کچھ دار کوئی اور شخص نہ ہو۔

شیخ کوثری فرماتے ہیں:

لا ینقطع مع الشک: کا مطلب یہ ہے کہ یہاں جو عمل کی ایمان کے ساتھ ہونے سے نفی کی جا رہی ہے اس کا ایک خاص قاعدہ ہے اور وہ یہ کہ ایمان کے بعد وہ شخص دائمی جہنمی ہونے سے بچ سکتا ہے اور وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں یا رسول اللہؐ کی رسالت کے بارے میں اپنے دل میں شک رکھتا ہو اس کو دائمی جہنمی ہونے سے نہیں بچایا جاسکتا اس لئے حضرت معاذؓ کے شاگرد نے ایمان بلا شک رکھنے والے کے لئے جہنمی ہونے کی نفی کر دی ہے اور جو ایمانیات میں شک کرتا ہو اس کے لئے ساتھ ساری نیکیوں کے ضائع ہونے کی بھی نفی کر دی گئی ہے۔

اور اسی طرح لا ینقطع الا ایمان: سے یہاں مراد ایک قسم کا ضرر خاص ہے اور ضرر سے مراد ایسا ضرر ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے امید ختم کرنے کا باعث بنے جیسا کہ اوپر متن میں کثرت چکا ہے لہذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو اور اس سے معافی کی امید نہ رکھتا ہو اس کے بارے میں تو خطرہ ہی خطرہ ہے اور جو گناہوں کے بارے میں ڈرتا بھی ہو اور ایمان بھی اللہ تعالیٰ پر رکھتا ہو وہ مومن ہے ماسی کے بارے میں حضرت معاذؓ کا قول ہے 'ار جولوہ واخاف طبعہ' یعنی اس کے بارے میں ایمان کی وجہ سے بخشش اور گناہوں کی وجہ سے عذاب کا خوف رکھتا ہوں، اس کے دائمی جہنمی ہونے کا نہیں کہ اس لئے کہ اس کے ایمان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید ہے۔

باب ہفت دہم:

مسئلہ استوی علی العرش کی حقیقت

امام عظیم نے فرمایا کہ
اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نہیں جانتا اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہے یا زمینوں میں؟ تو وہ
اپنے اس قول کی بناء پر کافر ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا:

الرحمن علی العرش اسوی (۵:۱۰)

اللہ تعالیٰ عرش عظیم پر مستوی ہو گئے

جبکہ اللہ تعالیٰ کا عرش ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے:

(۳۱) ابو طلع یحییٰ نے پوچھا:

میں تو یہ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہو گئے مگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نہیں جانتا
اللہ تعالیٰ کا عرش کہاں ہے؟ یا آسمانوں میں ہے یا زمین میں ہے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟
امام عظیم نے ارشاد فرمایا:

جب کوئی شخص عرش معلیٰ کے آسمانوں میں ہونے کا انکار کرتا ہے تو وہ کافر ہے کیونکہ
وہ شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ قرآن کریم کی آیات کا انکار کر رہا ہے۔

کیونکہ قرآن کریم میں لفظ فوق استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب اوپر ہے، لہذا اہم اللہ
تعالیٰ کے لئے اس سے بلندی کا مفہوم مراد لیتے ہیں، نہ کہ پستی کے لحاظ سے اس کا مفہوم مراد
لیتے ہیں۔

شیخ کوثری نے اس موقع پر کافی مفصل حاشیہ تحریر فرمایا ہے جو ان شاء اللہ اپنی فلا کبر و ابط
کی شرح میں ملاحظہ فرمایا جاوے

باب ہیثمہم :

ظالم حکمرانوں کے خلاف بغاوت اور انقلاب

امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ:

ہم باغیوں کے ساتھ ان کے بغاوت کرنے کی وجہ سے لڑتے ہیں نہ کہ ان کو کاٹ کر کھینچنے کی وجہ سے بلکہ ہم ان کو مسلمان عطا جانتے ہیں: اور ہم بدلہ پر قائم رہنے والی جماعت کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھتے ہیں: اگرچہ ان کا سربراہ اور بادشاہ انسانی تو کرے لیکن ایمان کی حدود میں قائم رہے، اور کفر کی حدود میں داخل نہ ہو چکا ہو:

اور اسی طرح ہم ایسے باغی گروہ کا ساتھ نہیں دیتے جو ظلم اور فساد کو عام کرنے والا ہو خواہ وہ اہل السنۃ والجماعت میں سے ہو: اور اس صورت میں صالح جماعت کی مدد کریں گے اور ان کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھتے ہوئے ان کی مدد کریں گے: اور جو حضرات حق پر قائم رہنے اور حق کو قائم کرنے میں تمہاری مدد کرنے والے ہوں ان کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھیں گے:

اگر اہل السنۃ والجماعت کے لوگ بغاوت کا راستہ اختیار کر لیں تو ہم ان سے علیحدگی اختیار کر لیتے ہیں: اور ان کی بجائے اہل حق کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھیں گے:

اور یہ سب باتیں مندرجہ ذیل آیات کی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاَسْعٰهُ فَتُهَاجِرُوْهَا (انعام: ۹۷)

کیا اللہ نے زمین کو بڑا وسیع نہیں کیا تاکہ تم اس کی طرف ہجرت کر جاؤ

اور دوسرے مقام پر ارشاد فرمائی ہے

اِنَّ اَرْضَیْ وَابِغَةً فَاتَّٰبٰی فَاَخْلٰوْا (الحکیم: ۵۶)

ہر شک میری زمین بہت وسیع ہے لہذا اس میں میری ہی عبادت کیا کرو
حدیث ہفتم:

امام ابوحنیفہ نے امام حماد سے انہوں نے حضرت امیر ایم سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی سرزمین پر فتنہ اور مصیبت اس انداز اور مقدار میں نکاہر ہو جائے کہ اس کو بدلنا ممکن نہ ہو اور نہ ہی اس کے بدلنے کی کوئی صورت اور طاقت نظر آتی ہو تو نہ کورہ بالا آیت پر عمل کرتے ہوئے تحول کیا جائے، تاکہ انسانی معاشرہ اور ماحول اللہ تعالیٰ کے لوہر کی تکمیل اور پھر اس کے کوہی کی تکمیل کے لئے مستعد ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے غالب ہونے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔

حدیث ہفتم:

امام ابوحنیفہ نے اپنی سند کے ساتھ مرفوعاً نبی صلیہ السلام سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص ایسی سرزمین میں تحول (انتقال) پیدا کرتا ہے جہاں لوگوں کے اسلامی احکامات کی بجائے فتنہ میں جماء ہونے کا اندیشہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں (۷۰) ستر صدیقین کا اجر لکھتے ہیں۔

نوٹ: پھر کسی مسلمان کو یہ بات ہرگز مناسب نہیں کہ کوئی شخص مال السنۃ والجماعت کے اجماع کی مخالفت کرے کیونکہ نبی صلیہ السلام نے فرمایا:

لا یجتمع امتی علی الضلالة

یعنی میری امت گمراہی پر کبھی جمع نہیں ہوگی

اور فرمایا تمہارے لئے سوا او اعظم یعنی ذیل السنۃ والجماعت کے راستے پر چٹالا لازم ہے: اور جو شخص بھی سچے مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی اختیار کرتا ہے وہ گمراہ اور بدعتی ہے: کیونکہ جماعت کی حفاظت کرنا رسول اللہ کی سنت ہے اور رسول اللہ کی سنت کی مخالفت فراموشی میں سے ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

اطيعوا الله تعالى وطيعوا الرسول

یعنی فرمائش میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اور سخن میں اس کے رسول کی اطاعت کرو اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا

جو دین کی باتیں تمہیں رسول اللہ ﷺ سے پہنچان کی اطاعت کرو، اور جس بات سے وہ منع فرمائیں ان سے رک جاؤ۔

اور جان لو کہ نبی علیہ السلام نے نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کو واجب قرار دیا ہے اور جو شخص اس کی جماعت نہیں کرے اور بلا ہذر اس کی پاسداری نہیں کرتا وہ مذکورہ دلائل کی بناء پر بدعتی ہے۔

اس بارے میں حضرت علامہ عظیم نے اپنی سند متصل کے ساتھ فرمایا کہ

حضرت امین عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من صل السيف على احدى فان لههم مائة اوب ، باب منها

لمن صل السيف (خرجا بفتح الخاء الموحدة)

جس شخص نے میری امت پر کوار اٹھائی تو اس کو طم ہونا چاہئے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں جن میں سے ایک دروازہ صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو میری امت پر کوار اٹھانے والے ہوں گے۔

ایک اور حدیث میں سند متصل کے ساتھ علامہ عظیم فرماتے ہیں

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ليس بشيء ممن عصى الله به عز وجل اعجل عقوبة من البهي

ومامن عصى طيع الله تعالى به اسرع ثوابا من الصلة الرحم و

في رواية قال كان اعجل الطاعة ثوابا صلة الرحم ، واليمين

الفاجر تدع الممار بلا طبع (خرجا بفتح الموحدة)

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں سب سے جلدی جس بات کی سزا بندے کو دی جاتی ہے وہ بے عادت ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سب سے جلدی ثواب کا حق دار بنانے والی بات صلہ رحمی ہے، اور جمہوری قسم تو شہروں کو خیر اور بے آباد کرنے کا باعث ہوتی ہے۔ اور ایک روایت میں امام اعظم سند مرسل صحابی ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر سے نقل فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

مَا أَسَى عَلَى شَيْءٍ كَمَا أَسَى عَلَى أَنْ لَا أَكُونَ فَقُلْتُ الْفَقْدُ
الْبَاهِيَةُ وَعَلَى الصَّوْمِ الْهَوَاجِرُ (مختصر المعجم والحواری)

مجھے کسی بات پر بھی اتنا افسوس نہیں ہوتا جتنا کسی باغی گروہ سے لڑنے نہ کرنے، اور چھوڑے ہوئے روزوں پر جتنا افسوس ہے۔

نوٹ: تحول کا مطلب ہے تبدیل کرنا اور اس کے مترادف آج کل انقلاب کی اصطلاح عموماً استعمال ہوتی ہے اسی لئے شارح لفظ اکبر (لفظ ثلاثی) مولانا عبید اللہ اعلویٰ کا ارشاد ہے کہ امام صاحب کے اس فرمان میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب برسر اقتدار حاکم سے ظلم عظیم ہونے لگے اور تاج کی کوئی صیحت اس پر اثر اُماڑ نہ ہو تو ایک متبادل جماعت بنا کر وہاں انقلاب برپا کر دینا چاہئے ایسی صورت میں انقلابی کام کرنے والا شخص باغی نہ کہلانے گا۔

اور مولانا عبید اللہ سندھی سورۃ البصر کی تفسیر میں انقلاب یا تحول کے لئے چار درجہ جات متعین فرماتے ہیں اور انہی چار درجہ جات کی وجہ سے کسی جگہ تحول ممکن ہے:

- (۱) ایمان، نظریہ یا نصب العین: جس پر اس جماعت کا سارا دار و مدار ہوگا اعلیٰ نظریہ اعلیٰ کارکردگی اور موافق نظریہ اپنی کارکردگی کا باعث ہوگا۔
- (۲) ملاحضہ عمل: طریقہ کار، یا عمل صالح: جس پر چل کر انسان اپنے مقصود اصلی کو حاصل کر سکتے ہیں۔

(۳) صیحت حق: جماعتی افراد کو بدنام کرنے ان کو معاشی یا معاشرتی نقصان پہنچانے کے

لئے باطل حم کا پرایسٹنڈہ کئے جانے کی صورت میں ہم جماعت ساتھیوں کو راہ حق پر نئے رہنے کی ہدایت اور تھقین کرنا۔

(۴) وصیت صبر: اس پرایسٹنڈہ سے متاثر ہو کر افراد کا جماعت کو یا نظریہ کو چھوڑنا یا معاشی نقصان پہچانے کے لئے اوجھے جھکنڈوں پر اتر آنے سے معاشی نقصان یا معاشی افراد کا جماعت سے وقادار یاں ترک کرنا یا بدلنا اس پر اپنے کئے ارکان کو صبر کی تھقین کرنا کیوں کہ جو شخص عداوت زمانہ سے اپنی وقاداری بدل لے یا جماعت کی مخالفت شروع کر دے وہ اصل میں محول یا انتھالی نہیں ہے!

(انتھاب کے لئے انسانوں کی اقسام)

اور مذکورہ باب میں امام صاحبؒ کے فرمان کا خلاصہ یہ ہے کہ انسانوں کی ان کے احوال طبعی کے لحاظ سے تین اقسام ہیں:

(۱): وہ آدمی جو دل کا کمزور اور احوال زمانہ سے نابلد ہے اس کو چاہئے کہ اپنا تعلق جماعت عادلہ کے ساتھ رکھے مگر خاتم حکمران کے ساتھ ملار ہے اس کے خلاف کوئی سیاسی کاروائی نہ کرے بلکہ خاموش رہ کر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرے۔

(۲): وہ شخص جو دل کا قوی اور احوال زمانہ پر وسیع نظر رکھے دلا ہوا اس کو چاہئے کہ ظلم سے عدل کی طرف تحول اور انتھاب کی جدوجہد کرے! اور اس مرتبہ کا اجر بہت زیادہ ہے جیسا کہ امام صاحبؒ نے متین میں ارشاد فرمایا ہے:

(۳): وہ شخص جس کی احوال زمانہ پر نظر تو بڑی وسیع ہو مگر طبیعت میں بہت کمزوری ہو اس کو چاہئے کہ اس علاقے سے ہجرت کر کے کسی دوسرے علاقہ میں چلا جائے اور وہاں جا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے۔

نوٹ: صدیقیت و ولایت کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے جو انبیاء کے بعد ساری دنیا کے درجہات ولایت سے افضل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

خدا برودہٹ ————— ۴۳۸

اُولَئِكَ الَّذِينَ اَعَمَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النّٰسِ وَالْمَلَائِكَةِ
وَالصّٰلِحِيْنَ

یعنی سب لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ان میں انبیاء بھی ہیں صدیقین بھی ہیں
اور شہداء بھی ہیں اور صالحین بھی ہیں۔

بلب نوزمہم :

عذاب قبر اور اس کے ان کار کا حکم

امام عظیم ابو حنیفہ فرماتے ہیں۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں عذاب قبر کا قائل نہیں ہوں وہ ناپاک غیبت اور ہلاک ہونے والے طبقہ میں سے ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا ان کا رد کر رہا ہے۔
اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے:

سُئِلْتُمْ عَنْ قُبُورِهِمْ (المجادلہ: ۱۰۱)

ہم ان کو دوبار عذاب دیں گے

ایک بار قبر میں اور دوسری بار قیامت کے دن۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے:

وَأَنَّ لِلْفَٰسِقِينَ ظُلُمًا عَلَيْهِمُ ذَٰلِكَ (المائدہ: ۴۷)

بے شک جن لوگوں نے ظلم کئے ان کے لئے عذاب ہے، عطا وہ اس عذاب کے

اور اس عذاب سے مراد عذاب قبر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

وَالَّذِينَ هُمْ مِنَ الْعُلَمَاءِ الْأَدْنَىٰ ذُنُوبُ الْعُلَمَاءِ الْكَبِيرِ (البقرہ: ۲۱۷)

اور جیسا کہ ہم ان لوگوں کی طرف سے عذاب کا حوالہ دیکھا ہے گئے سوائے اس عذاب کے

یہاں قرہی عذاب سے مراد عذاب قبر ہے

(۴۷) بطریق بخاری نے پوچھا:

اگر کوئی یہ کہے کہ میں ان تمام آیات پر ایمان تو رکھتا ہوں لیکن ان کی تاویل یا

تفسیر پر ایمان نہیں رکھتا اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

امام اعظم نے فرمایا:

اس کو کافر کہا جائے گا کیونکہ قرآن کی تاویل اور تفسیر یہ سب قرآن کے ہی اجزاء ہیں اگر ان کا انکار کرتا ہے تو وہ قرآن کا انکار کرتا ہے اور اسی وجہ سے اس شخص کو کافر کہا جائے گا۔

نوٹ: اس پر اعتراض کرنا کہ قبر میں میت پتھر کی طرح ہوتی ہے اس کو جزاء و سزا کا کیا فائدہ ہے؟

تو جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ایک حکام بتایا ہے اسی کے ماتحت رہنے سے خاتمہ بالخیر اور اس سے سرمو عقوبات کرنے سے فائدہ نہ ہوگا:

الذین عذبوا قبر کو کہنے کے لئے مندرجہ ذیل خطا سمجھنا ضروری ہے۔

(۱) یہ مادی دنیا ہے اس میں ہر چیز مادی ہے، لہذا اس سے مرعوب شدہ اثرات بھی مادی ہوں گے، خواہ فائدہ ہو یا نقصان؛ روپیہ ہو یا پیسہ، مال ہو یا دولت، مگر ہو یا گاڑی، یہ سب مادیت کی مثالیں ہیں، ان کے ملنے سے فائدہ، نہ ملنے سے سزا معلوم ہوتی ہے:

(۲) مرنے کے بعد کی دنیا نفسانی دنیا ہے اس میں جزاء و سزا کا تعلق انسانی نفس سے ہو گا؛ اور انسانی نفس لذات اور خواہشات کا گرویدہ ہے، اور یہ لذات و خواہشات مادی نہیں ہیں؛ اگر کسی چیز ذاتی سے نفس مانوس ہو لیکن اس چیز کی فعل صورت سے نہ مانوس ہو تو بدھ کی حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے ایک چیز ایک شخص کو مرے دار دوسرے کو بدھ و معلوم ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح قبر کی زندگی اور جزاء و سزا کا تعلق نفس سے ہوگا؛ اور جسم یا روح سے نفس کا تعلق اسی قدر ہوگا جس قدر مادی دنیا کا نفس کے ساتھ ہے؛ جب معاملہ اس طرح ہے تو جزاء و سزا کی نوعیت کا صحیح پتہ نہ مل سکے گا اس لئے ذات ہماری تعالیٰ کی طرف سے:

ولکن لا تشعرون

کی نوید سنائی گئی ہے۔

(۳) روح کا تعلق عالم حشر جنت و دوزخ سے ہے۔ جسے دنیا میں نماز پڑھنے سے حرا نہیں آتا آخرت میں اس کا بدلہ مرے اور لذت کی شکل میں ملے گا: اسی طرح روحانی لذت اور حرا تو اصل ہوگا مگر نفس اور جسم سے اسی قدر حلق ہوگا جس قدر انسانی جسم کو دنیا میں نفس اور روح سے تعلق ہوگا: مگر لذت کا انداز بدل جائے گا اس لئے خدا ب قبر کا امن کار کرنا، اور آخرت میں جنت و دوزخ خالص روحانی جاننے سے ان کی حقیقت کا امن کار کا زہم آتا ہے اور یہی بات انسان کو کفر کی طرف لے جاتی ہے۔

حقیقی بات یہ ہے کہ یہ تینوں جہان (عالم ارواح: عالم دنیا: عالم حقیقی) اپنی اصل اور حقیقت کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں: اور انسان جب ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے اس کی لذات و منفعت کی نوعیت بدل جاتی ہے: یہ درست مدویہ نہیں ہے کہ جو محسوس نہ ہو اس کا امن کار کر دیا جائے: کیونکہ ضروری نہیں جو محسوسات کی حدود میں نہ آئے وہ محسوس سمجھ کر رد کر دیا جائے، غیر محسوسات کا رد کر دینا اپنے حواس پر ماتم کرنے کے مترادف ہے: اس لئے کہ دنیا میں ہزار ہا اشیاء موجود ہونے کے باوجود محسوس نہیں ہوتیں:

مثلاً اتم Atom ہم دیکھ نہیں سکتے: جراثیم Germs ہم محسوس نہیں کر سکتے: آواز ریو کے ذریعے سن سکتے ہیں بغیر ریو کے نہیں سن سکتے: تصویر ٹی وی کے ذریعے دیکھ سکتے ہیں بغیر ٹی وی کے نہیں دیکھ سکتے: موبائل فون پر کسی سے بات کر سکتے ہیں مگر اس کے بغیر بات نہیں کی جاسکتی: یہ اور اس کی ہزار ہا مثالیں ہیں جو اس بات کی شاہد مآول ہیں کہ محسوسات اور حواس بذات خود دھوکہ کھا جاتے ہیں: لہذا امن کی وجہ سے خدا ب قبر یا ایمان کے دوسرے ارکان کا امن کار کرنا عقل کی بات نہیں ہے

خلاصہ بحث یہ ہے کہ:

انسانی جسم دنیاوی لذات کا رسیا ہے جبکہ انسانی نفس عالم نفس کا شہدائی اور روح عالم ارواح کے فراق میں بے تاب رہتی ہے۔

دنیا میں انسانی جسم ان تین اشیاء کا مجموعہ ہے: لیکن ملائیت غالب ہونے کی وجہ سے

فنا کبر و لہ ————— ۳۵۴

تمام اثرات جسم پر مرتب ہوتے ہیں چنانچہ قسطنطنیہ اس دنیا سے ہے اور جب قسطنطنیہ قسطنطنیہ سے ہو جائے تو ان کے اثرات عالم قسطنطنیہ میں مرتب ہوتے ہیں مگر جسم اور روح وہیں بھی ساتھ ہوتے ہیں اسی طرح جسٹس ہوؤں یا حشر میں جو اثرات مرتب ہوں گے وہ انسانی روح کے ذریعہ قسطنطنیہ اور جسم پر بھی ہوں گے مگر انسان روحانیت سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے دنیا میں مادیت کو مائل چیز سمجھتا ہے جبکہ یہ مادیت بچوں کے اخروٹ اور بلور اور انسانی سوچ و فکر سے بھی زیادہ معارضی ہیں۔

باب ہستم

مٹاؤ لین کون ہیں اور ان کا کیا حکم ہے

حدیث نم:

ابو طلحہ فرماتے ہیں:

مجھے حضرت امام ابو حنیفہ نے اپنی متصل سند کے ساتھ حضرت ابن مہاشم سے بیان فرمایا کہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کے بدترین لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں

انی فی الجنتہ

کہ میں تو جنتی ہوں: جہنم میں ہرگز نہ جاؤں گا

حدیث دوم:

امام صاحب نے فرمایا کہ

میں تمہیں ابو ظہران سے روایت کرتے ہوئے بیان کرتا ہوں اور وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میری امت کے مٹاؤ لین کون کون ہیں؟

کسی نے پوچھا اے اللہ کے نبی مٹاؤ لین کون کون ہیں؟

تو آپؐ نے ارشاد فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی طرف سے کہیں کہ فلاں شخص جنتی ہے، اور فلاں شخص جہنمی ہے۔

حدیث یا زود ہم:

امام اعظم فرماتے ہیں کہ:

میں جنہیں نافع من الٰہی عز سے روایت کرتے ہوئے بتاتا ہوں انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یہ نہ کہا کرو کہ میری امت کے فلاں افراد جنت میں اور فلاں افراد جہنم میں ہیں، بلکہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دتا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کے بارہ میں فیصلہ کرے۔

حدیث دوا زود ہم:

امام صاحب نے فرمایا حضرت حسن بھری سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندوں کو جنت یا دوزخ میں داخلہ کا سرٹیفکیٹ جاری نہ کیا کرو، یہاں تک کہ قیامت کے روز میں ان کے درمیان فیصلہ کروں، بلکہ ہر ایک کو اصل کا مناسب اور صحیح ٹھکانہ دوں، اور جو کسی بھی شخص کا اصل مقام ہے اس مقام پر میں ان کو پہنچا دوں۔

نوٹ: آج کے دور میں یہ بھڑے عام ہو رہے ہیں لوگ تصوف کا جعلی لہوہ اودھ کر دعویٰ کرتے پھرتے ہیں کہ ہم آپ کو بتاتے ہیں فلاں جنت میں اور فلاں جہنم میں ہے، اپنی جہالت تو ان کی ہے ہی مگر ساتھ ہی تصوف جیسے پاکیزہ جملے کو ناپاک اور ہدام کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں؛ یاد رکھنا چاہئے کہ کشف لبور کے ذریعے اگر کسی کو کچھ معلوم ہوتا ہے تو وہ اس سے کم تر ہے جس پر کسی بات کی بنیاد رکھ کر دعویٰ کیا جاسکے۔ بعض اوقات کشف لبور کامل کرنے والے پر اس کا اپنا باطن نکلتا ہے؛ یا کسی مستقل عمل کی وجہ سے میت کے بارے میں فیصلہ کرنا کہ وہ جنت یا جہنم میں ہے سراسر لفظ اور گمراہی ہے۔

اور بعض اہل تصوف میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی کی میت کے جنازے میں کوئی

بزرگ شامل ہو گئے تو یہ اس کی بخشش کی نوع اور اگر وہ بزرگ کسی عذر کی وجہ سے شامل نہ ہو سکے یہ اس صیغہ کے لئے بدھگونی سمجھی جاتی ہے: بلکہ صیغہ کے ایمان کے حال میں مرنے کے بعد حسن ظن رکھنا ایمان کا حصہ ہے: اور بدگمانی کرنا سرے سے غلط ہے: مہاچھاگلن کرد اچھے الفاظ سے یاد کرو اور صیغہ کے لئے دعا کرتے رہو: اور ہرگز ہرگز اس کے بارے میں دھونی کرنا کہ وہ جنتی یا جہنمی ہے غلط اور باطل ہے: اس لئے کہ اگر کوئی کیفیت معلوم ہو بھی جائے جس سے معلوم ہو کہ یہ کیفیت جہنمی ہونے کی ہے: تاہم اللہ تعالیٰ کے نہیں نظام پر کسی کو دوسرے نہیں ہے: اور انسان کے اس دنیا میں ہونے کی وجہ سے کسی کو ایک کیفیت سے مختلف معلوم ہوتی ہے اور دوسرے کو اس اپنی کیفیت سے مشابہ معلوم ہوتی ہے لیکن انسان اپنی کم مانگی اور فحشی نظام سے پہلی طرح آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے اپنی طرف سے حتیٰ فیصلہ کر لیتا ہے: یا ایک قسم کی گمراہی ہے اس سے بچنا ہر اس شخص کے لئے لازم ہے چاہے یہ اشخاص سالکانِ رملو طریقہ میں سے ہوں یا راہروان منزلِ حقیقت سے از حد ضروری ہے: اور ہارگاہِ ایزدی میں دستِ انتہاء ہے راہ بیان و صادق و قائم میں ہماری حفاظت فرمائے اور اس بات کی تمنا ہے کہ اللہ ان آزمائشوں میں منتہا کرے کہ کیفیات غلط ہونے پر رلوگم کشہ کا راضی بنادے (آمین)

باب بست ویکم

اہل السنۃ والجماعت اور اہل بدعت کی امامت کا حکم

(۴۳) ابو مطیع یحییٰ نے پوچھا:

کہ قاتل کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

امام اعظم نے فرمایا:

امام چاہے نیک ہو یا بد اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ اس صورت میں تمہارے نماز کی ادائیگی کا جس میں اجر ملے گا اور امام بننے کی اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے امامت کے لئے آگے ہونے کا گناہ ملے گا۔

(نور حنیفہ مرقول ہے)

امام اعظم نے فرمایا:

ہر شخص کے لئے جائز ہے کہ وہ ہر قاتل و قاتلہ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کو جائز سمجھے۔

کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

صلوا خلف کل یزولاجر

ہر قاتل اور قاتلہ کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو؛

اس مسئلہ میں روافض کا ہمارے ساتھ اختلاف ہے کیونکہ اہل کے نزدیک قاتل و قاتلہ کے پیچھے نماز درست نہیں ہوتی اور ہمارے نزدیک ہر گناہ گار آدمی کے پیچھے نماز جائز ہے؛ بشرطیکہ وہ بدعتی نہ ہو کیونکہ ہمارے نزدیک بدعتی کے پیچھے نماز جائز نہیں ہوتی۔

اور جو شخص قاتل و قاتلہ کے پیچھے نماز کی ادائیگی کو جائز نہیں سمجھتا وہ صحیح معنوں میں بدعتی

—

اس پر امام صاحب نے اپنی سند کے ساتھ امام کھول شامی سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے اپنے شاگردوں کو مرض موت کے وقت کہا۔

چار باتیں ایسی ہیں جو میرے تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سند متصل کے ساتھ پہنچی ہیں اور میں نے اب تک تمہارے سامنے بیان نہیں کیں مگر اب جبکہ میں اس دنیا سے جانے والا ہوں اس لئے آپ کے سامنے بیان کرنے لگا ہوں ان کو دھین سے سنو اور یاد رکھو اور وہ یہ کہ:

(۱) اہل قبلہ میں سے کوئی شخص ماگر چہ گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے تو بھی اس کو کافرت نہ کہو۔

(۲) اور اہل قبلہ سے اگر کوئی شخص خواہ جتنے گناہ کر کے فوت ہوا ہو اس پر نماز جنازہ ضرور پڑھو۔

(۳) اور ہر امام کی اقتداء میں نماز پڑھ لیا کرو، خواہ اس سے فسق و فجور کا ارتکاب ہی ہوا ہو۔

(۴) اور ہر امیر جو کفار کے ساتھ تمام شرائط کو پورا کرتے ہوئے جہاد کی دعوت دے تو اس کے ساتھ مل کر کفار کے ساتھ جہاد ضرور کرنا۔

امام صاحب سے نسخہ میں یوں موقوف ہے۔

اور کسی ایمان والے شخص کے لئے مناسب نہیں کہ اہل السنۃ والجماعت کے راستے کی خلاف ورزی کرے کیونکہ نبی صلیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

(۱) میری امت گمراہی کے راستے پر جمع نہیں ہو سکتی لہذا تمہارے لئے لازم ہے کہ تم سوا اہل علم کے راستے کو اختیار کرو۔

(۲) اور جو شخص عام مسلمانوں سے اپنا راستہ جدا کرتا ہے وہ حقیقی معنوں میں گمراہ اور بدعتی ہے؛ کیونکہ جماعت کے ساتھ جہاد ہونے اور اس کی حفاظت کا حکم نبی صلیہ السلام کی طرف سے دیا گیا ہے اور نبی صلیہ السلام کی ایسی سنتوں کی حفاظت فرض شریعہ میں سے ہے۔

اور دلیل اس کی اللہ تعالیٰ کا قول ہے جس میں آپ ارشاد فرمایا:

اطيعوا الله واطيعوا الرسول (عمر ۳۳)

اطاعت کرو تم اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس کے فرائض کے پورا کرنے سے
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت آپ کی مقرر کردہ سنتوں کی پوائیگی سے لازم ہے:

اور دوسرے مقام پر ارشاد باری ہے:

وما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا (البقرہ)

جو بات رسول اللہ تعالیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہیں ملے اس کو لے لیا کرو اور جس بات
سے وہ تمہیں منع کریں اس سے رک جاؤ۔

(۳۳) ابو طلحہؓ نے پوچھا

میں نے پوچھا کہ مجھے اس جگہ کے بارے میں بتائیں جو نکواریں لے کر لوگوں کے
خلاف بغاوت کرنے لگ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

امام اعظم:

یہ لوگ خواہشات نفسانی کے بندے اور اہل بدعت میں سے ہیں اور ان کی مختلف
اقسام ہیں سب کے سب جہنمی ہیں۔

حدیث نیز وہم:

امام ابو حنیفہؒ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا:

نی اسرائیل ہجرتوں میں بٹ گئے تھے اور مقترب میری امت ہجرتوں میں بٹ
جائیں گے اور وہ سارے کے سارے جہنمی ہوں گے سوائے سواد اعظم کے اور وہ سواد اعظم
فی اللہ المستوف والجماعت ہیں۔

حدیث چہار وہم:

امام اعظم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ: رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو شخص اسلام میں نبی نو ملی بات گھرے گا وہ آخرت میں ہلاک ہوگا اور جو نبی بدعت ایجاد کرے گا وہ گمراہ ہوگا جو گمراہ ہو وہ جہنم میں جائے گا۔

حدیث پانزدہم:

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا بدترین کام دین میں نبی نو ملی بات پیدا کرنا ہے اور برقی بات (جس کو دین یا جزو دین یا لوازم دین سمجھ کر کیا جائے) بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

حدیث شانزدہم:

امام ابوحنیفہؒ نے احداث اور بدعت سے بچنے کا آسان نسخہ جو یہ فرماتے ہوئے ایک روایت حضرت امین عباسؓ سے اپنی سند متصل کے ساتھ بیان فرمائی:

ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے اللہ کے نبی مجھے تعلیم دیجئے اور کچھ سکھائیے؟

جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قرآن کی تعلیم حاصل کر۔
اس نے دوبارہ یہی کہا؟

آپ نے پھر وہی جواب دیا۔

حتیٰ کہ تمنا باریہ جواب دیجئے کے بعد حضور اکرمؐ نے فرمایا:

قرآن کی تعلیم حاصل کر، جو نبی باریہ اس نے کہا مجھے تعلیم دیجئے تو ارشاد فرمایا حق بات کو قبول کر، خود وہ حق بات کہنے والا شخص آپ کو محبوب ہو جائیگا۔ یہی ارشاد فرمایا اور قرآن کی تعلیم حاصل کر اور قرآن کی تعلیم تجھے چھڑ کر چھٹکے لاد کر چھٹکے۔

نوٹ: اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہے۔

صلو علیٰ کل امام تبرؤ فاجعلکم صلوٰۃ لکم وعلیہم السلام
یعنی ہر ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ لیا کہہ گئے کہ تمہارے لئے صلوٰۃ ہے اور ان کے لئے سلام

لئے ان کا گناہ ہوگا اگر وہ امام بننے کی شرائط پوری نہ کرنے کی وجہ سے امام بنے ہوں پر ان عمل پر اس کو گناہ ملنے کی وجہ و بذات خود ہے:

نوٹ: کیونکہ ان کے نزدیک امام کا مصوم عن الخطاء ہونا ضروری ہے: یہی وجہ ہے ان کے آخر خواہ کتنے بھی سیاہ کارنامے سرانجام دیتے رہیں مگر ان کے نزدیک چونکہ امام مصوم ہوتے ہیں لہذا اس کو وہ گناہ نہیں جانتے: جبکہ ہمارے نزدیک چونکہ امام کا مصوم ہونا ضروری نہیں

نوٹ: اور اہل قبلہ وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ کے دین پر (بلا کسی قید) مکمل ایمان رکھتے ہوں۔ اگر کسی ایک چیز کا ان کا رد کر دے تو اہل قبلہ نہ ہیں گے: جبکہ گناہ کبیرہ کی وجہ سے کفر میں داخل نہیں ہوتے۔

علامات اہل السنۃ والجماعت از ملاح النجاشی:

اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہدایت یافتہ ہونے کی سات نشانی ہیں اور اہل السنۃ والجماعت بھی وہی لوگ ہیں جو ان سات باتوں کو مانتے ہیں اور جو ان کو نہیں مانتے وہ اہل السنۃ والجماعت کی حدود سے باہر ہو جاتے ہیں۔

(۱) اہل قبلہ پر کفر یا شرک کی کوئی چیز نہیں دیتے اور نہ ان کو منافق جانتے ہیں یہ تو ظاہری بات ہے:

(۲) ان کے راز دل کی پوشیدہ باتیں اور خفی معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں کہ وہ جو چاہے ان کے ساتھ معاملہ فرمائے۔

(۳) اہل قبلہ میں سے کسی کے مرنے پر ان کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔

(۴) پانچ نماز، جمعہ، جماعت کے ساتھ بلور ہر نیک و بد امام کے اقتداء میں پڑھ لیتے

ہیں۔

(۵) ہر نیک و بد ظالم مسلمان کی اقتداء کرتے ہوئے دشمن کے ساتھ جہاد کرنے کے

لئے ہمدقت تیار رہے ہیں۔

(۶) اپنے حکمرانوں اہل فتنہ کے خلاف کھوار کے ذریعہ بغاوت نہیں کرتے اگرچہ وہ علم کرنے کی عادت اختیار کریں، اور اللہ تعالیٰ سے ان کی اصلاح اور عالیت کی دعا کے ساتھ انکو جماعت کے راستے کی طرف دعویت دیتے ہیں بلور ان کے لئے ہدایت کی دعا کرتے ہیں ان کی ہلاکت اور بڑے سانہام کی دعا نہیں کرتے۔

(۷) ہر قسم کی خواہشات کو دباتے اور چھپاتے ہیں کیونکہ ہوا و ہوس ابتداء سے انتہاء تک باطل اور سہکار ہیں اور یہ بات عقل مند شخص کے لئے کافی ہے اور اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

امام ابو نصر احمد بن احمد الجہاتی سے ملاح الجہاد میں روایت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سے فرمایا جو شخص اہل السنۃ والجماعت کے راستہ پر ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کے ہر دن کا اجر ایک ہزار انبیاء بنی اسرائیل کے اجر کے برابر دیں گے اور اس کے ہر ایک دن کے بدلے میں اللہ تعالیٰ جنت میں اس کے لئے ایک شہر آباد کرتے ہیں؛ بلور اس کے ہر قدم اٹھانے اور رکھنے کے بدلے میں دس نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں درج کی جاتی ہیں، اور اسی راوی اہل السنۃ پر قائم رہے ہوئے جو شخص نماز پڑھتا ہے یا جماعت نماز پڑھتا ہے اس کو ہر رکعت کے بدلے میں ایک شہید کا اجر اور جلد دیا جاتا ہے۔

صحابہ کرام نے پوچھا کہ: آدمی کو کب اور کیسے چھ چلے گا کہ وہ اہل السنۃ والجماعت کے راستہ پر قائم ہے یا نہیں؟ تو حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا جب اپنے دل میں دس باتیں دیکھے اور میں پر پوری دل و جان سے عمل پیرا ہو تو سمجھ جائے کہ وہ اہل السنۃ کے راہ پر چل رہا ہے۔

(۱) جماعت کو ترک نہ کرے یعنی مسلمانوں کی جماعت کو کسی صورت میں بھی چھوڑ کر اپنی جماعت بنانے کی کوشش نہ کرے۔

نوٹ: اور آج کل یہ فتنہ عام ہے ہر شخص چھوٹی چھوٹی بات پر فتنی جماعت بناتا اور فتنی پارٹی

بنانے کی فکر میں رہتا ہے اگرچہ ان کے اکثر مسائل ایک جیسے ہوتے ہیں مگر ایک دو مسائل کے اختلاف کی وجہ سے ایک نئی جماعت معرض وجود میں آ جاتی ہے۔ ائمہ میں تو اخلاص ہوتا ہے لہذا لوگ محبت کے ساتھ اور اس فرقہ کو پیش نظر رکھ کر چلتے رہتے ہیں مگر سربراہ کے اس دنیا سے رخصت ہونے کے بعد تو بس ایک ایسا فرقہ بن جاتا ہے جن کو یہ بھی مظلوم نہیں ہوتا کہ ہماری فرض و ناییت اور مقصد تخلیق کیا تھا۔ ہر گروہ کے احباب صرف اسی قدر جاننے ہیں کہ جو ہماری جماعت میں نہیں وہ کافر، مشرک، منافق، یا کم از کم بدعتی اور گناہ گار تو ضرور ہے۔ جبکہ یاد رکھنا چاہیے کہ چھوٹے موٹے طبعی اختلافات کو طبعی ہی رہنا چاہئے ذاتی نہیں بن جانا چاہیے اور نہ ہی ایک الگ فرقہ بن جانا چاہئے۔

(۲) یہ کہ کسی صحابی کو سب و شتم نہ کرے اور ان کی زندگیوں میں ہونگئی ہوئی بھول چوک کو بیان کر کے مورد طعن و تفتیح نہ بنائے اور خاص طور پر جن کے بارے میں اللہ نے خود فرمادیا:

اولئک الذین امعن اللہ قلوبہم لعلہم یفہم مغفرۃ و اجر عظیم
یعنی اس جماعت کو اللہ نے تقویٰ کا لباس پہننانے کے لئے آزمایا تو کامیاب پایا اسی لئے ان کو اجر عظیم کا انعام عنایت فرمایا مگر جدید دور کے ہر قن انداز میں جمہوریت اور اکثریت کا بے ہنگم راگ الاپ کر اللہ تعالیٰ کے کسی کام اور مخلوق کو بھی مورد طعن و تحقیر بنانا اور یہ جاننا کہ یہ ہماری آزادی کا حق ہے، جان لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کے لئے کچھ حد و حدود مقرر فرمائی ہیں اس پر رکنا اور ان پر قائم رہنا انسانی تخلیق کا اصل مقصد ہے اور اس میں کامیابی ہے۔ ورنہ سوائے خسروان و دھواں اور مورد لعن و لعن الہی کے اور کچھ نہیں ہے۔

(۳) اس امت کے کسی فرد یا جماعت پر اپنی تلوار لے کر حملہ آور نہ ہونا اور نہ ہی اس پر جماعت سازی کرے۔

(۴) اور اچھی بری اللہ پر کے اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہونے کو نہ جھٹلائے کیونکہ وہی اچھائی کو نور برائی کو پھیرا کرنے والی ذات ہے، تفصیل اس کی امام صاحب کی زبانی اسی

کتاب میں قیل ازیں مگر رکھی ہے۔

(۵) اور ایمان میں کسی طرح شک پیدا نہ کرے اور نہ ہی ایمان کے اقرار کو مشیت ہاری کے ساتھ مطلق کرے۔

نوٹ: اس کے دو مطلب ہیں ایک تو یہ کہ اپنے دعویٰ ایمان کے ساتھ ان شاء اللہ کی قید لگانے اور دوسرے یہ کہ معمولی گناہ کی وجہ سے کفر یا شرک یا نفاق کا حکم اور فیصلہ صادر نہ کرے (۶) اور اللہ کے بندین میں شکوک و شبہات پیدا نہ کرے کیونکہ:

اما اللہین فی قلوبہم ذلیع فیہ یحون ما تشاہد منہ ابطاء القضاۃ

جن لوگوں کے دلوں میں اللہ کی طرف سے کجی اور بُرائیاں پیدا کر دیا گیا ہے وہ اللہ کی آیات میں شک و اور آزمائش پیدا کرنے کے لئے مشتبه ہاتوں اور شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں۔

(۷) اہل قبلہ میں سے اگر کوئی مر جائے اس پر نماز جنازہ پڑھنا ترک نہیں کرتے خود وہ کس قدر گناہ گار ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ اس پر نماز جنازہ پڑھنا اس کی مطہرت کی دلیل نہیں بلکہ مسلمانی کا حق ہوا کرتا ہے۔

(۸) اہل تو حید اور اہل ایمان کے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے ان کے کفر کے کاشک نہیں ہوتے اگرچہ ان سے گناہ کبیرہ سرزد ہوئے ہوں۔ بلکہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیتے ہیں۔

(۹) سرورِ محترم میں سوزوں پر مسح کرنا شرعی طور پر نہیں چھوڑتے اور ان کے عدم جواز کے کاشک نہیں ہوتے ہاں اگر عذر شرعی ہو جس پر مسح کی بجائے عموماً ضروری ہو یا عذر طبعی ہو کہ طبعیت مطمئن نہ ہوتی ہو یا اور بات ہے مگر عذر طبعی کو عذر شرعی نہیں جانتے۔

(۱۰) ہر نیک و ہمام کے پیچھے نماز پڑھنا نہیں چھوڑتے اور جو شخص دن دس میں سے ایک خلعت یا پچھ خلعتوں کو چھوڑتا ہے وہ اہل السنۃ کے راستے سے اسی قدر دور چلا جاتا ہے۔ امام کل بن عبد اللہ الحنفی طحا مات اہل السنۃ میں دس باتیں قائم ہیں ان میں

فقہ اکبر وابط ————— ۳۶۳

مخاچ کرام کے بارے میں سب دشمن نہ کر نیکاتہ کر دہی کیا ہے
نوٹ: احداث لعل میں کسی بھی نئی بات کو کہا جاتا ہے جو اس وقت دین کا حصہ ہو یا آنکدہ
جل کر دین کا حصہ بن جائے یہ نہ بنے: احداث اور بدعت میں عموم خصوص ہے یعنی ہر بدعت
احداث ہے مگر ہر احداث بدعت نہیں ہے: اچھی طرح سمجھ لو!

باب بست و دوم:

کتاب اللہ اور کلام اللہ کی حقیقت

نوسہینہ میں متحول ہے:

قرآن کا نزول اور اس کی حقیقت:

امام اعظمؒ نے فرمایا کہ ہر شخص کو چاہیے کہ وہ جان لے کہ جو کچھ مصحف میں لکھا جا چکا ہے وہی حقیقت میں قرآن ہے: اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ جو مصحف میں لکھا ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا قرآن نہیں ہے دراصل وہ شخص نزول قرآن کا انکار کرتا ہے: کیونکہ:

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لما دناک اللہین نزل القرآن علی عبدہ (الفرقان: ۱)

وہ ذات پاک ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان یعنی حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والی کتاب نازل فرمائی ہے

(۲) دوسری جگہ ارشاد ہوئی ہے:

انا انزلناه قرآنا عربیاً (یس: ۲)

ہم نے قرآن کریم کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے

(۳) ایک اور جگہ ارشاد ہوئی ہے:

انما نحن نزلنا الذکر وانا لعلین (البر: ۱)

قرآن کریم کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں

(۴) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

آثم ذلک الکتاب لاریب فیہ (البقرہ: ۲:۱۰۱)

اللہ اعلم بسر ادہ ہدلیک

یہ کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے

(۵) اور دوسری جگہ ارشاد ہاری ہے:

انا نحن نزلنا علیک القرآن لتذکرا (الدہر: ۳۳)

ہم نے قرآن کریم کو ایک خاص طریقے سے نازل کیا ہے

(۶) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قلہ ما نزلنا علیک القرآن لتتقی (طہ: ۲۱)

طہ: ہم نے قرآن بہ ہستی کے لئے نازل نہیں فرمایا

(۷) اور ایک اور مقام پر ارشاد ہاری ہے:

نزل بہ الروح الامین (اشعرا: ۱۵۳)

ہم نے روح الامین کو قرآن دے کر بھیجا ہے۔

اگر کوئی شخص اس بات کا گمان کرے کہ جو شخص میں ہے وہ قرآن نہیں ہے تو وہ شخص

قرآن کریم کے من جانب اللہ نازل ہونے کا ان کا کر رہا ہے اور جو نزول قرآن کا ان کا کر

کرے وہ ان تمام آیات کا ان کا کر رہا ہے۔ کیونکہ لفظ کتاب اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن کریم

پر ہی بولا جاتا ہے۔ اس پر یہ بات بھی دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو حکم فرمایا کہ

قرآن کریم کو پڑھا کریں۔

(۸) اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ

فلقروا ما یسر من القرآن (المول: ۸۰)

قرآن پڑھو جس قدر آسانی سے پڑھا جا سکے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جو شخص میں لکھا ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا قرآن نہیں ہے تو سوال

یہاں کہ ہمیں کس چیز کے پڑھنے کا حکم دیا جا رہا ہے؟

اور دوسری جگہ قرآن کریم کے استماع یعنی اس کی طرف دھیان رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

(۹) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْأَلْفُ لُفَى الظُّرَىٰ أَنْ تَأْمُرُوا لَهُ وَالْصَّو۟ا (الاحزاب: ۴۰)

جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو دھیان سے سنو اور اس کی طرف متوجہ رہو
تو اگر یہ اللہ کی کتاب بھی نہیں تو حکم کس بات کے استماع کا دیا جا رہا ہے؟

کلام اللہ کی حقیقت اور اس کی اقسام:

قرآن کا مفہوم مشہور ہے، اور متن کا ترجمہ بھی ظاہر ہے۔

امام اعظم فرماتے ہیں کہ:

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کلام نفسی کا نزول فرمائے، اور کلام نفسی اس کو کہتے ہیں جس میں مخلوق کا کوئی عمل دخل نہیں ہو سکتا بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا طریقہ کلام ہے۔

اور جبریل امین بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ہیں۔ ان کو بھی کلام نفسی کا طریقہ معلوم نہیں ہے، اس لئے وہ بھی مخلوقات ربانی میں سے ایک مخلوق ہیں، اور مخلوق اپنی دعا کو ظاہر کرنے کا وہی طریقہ اختیار کر سکتی ہے جو ان کی جنس اور نوع کے موافق ہو۔ لہذا مخلوق کے کلام کا جو طریقہ ہے وہ انہی حروف اور آواز کے اظہار کے ذریعے ہوتا ہے اور جو کلام جبریل امین نے اللہ تعالیٰ کے کلام میں سے سنا تھا وہ کلام نفسی تھا، انہی مفہیم کو لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور ان کو سناتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سننے اور سمجھتے تھے۔

اور کلام نفسی کی مثال ایسے ہے جیسے قالب انسانی میں روح کی مثال ہوتی ہے اور وہ انسانی جسم میں حیات اور شعور پیدا کرنے کا ذریعہ بنتی ہے اور کلام نفسی آواز اور حروف میں ایسا مقام رکھتی ہے جیسے قالب اور جسم میں روح کی مثال ہو اور حروف اور آواز اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے جبکہ کلام نفسی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے صفت ہے اور اس

کی صفات کو مخلوق نہیں کہا جاسکتا بلکہ یہ الفاظ اور حروف کی روح ہے۔

پورے دونوں الفاظ اور روح ہمارے سینے میں محفوظ ہیں، ہماری زبانوں کے ذریعے پڑھے اور پورے جاتے ہیں اور ہمارے مصاحف میں لکھنے کا ذریعہ ہیں۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر احسان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ مِصْحَابًا الْمُنَافَىٰ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ (النجم: ۸۷)

اور بے شک ہم نے آپ کو سات آیات دوہارا اور قرآن عظیم بھی دیا

اب اگر سورۃ فاتحہ کو قرآن نہ مانیں تو اللہ تعالیٰ اس بات کو بطور احسان تذکرہ کر رہے ہیں اس کا کوئی قائلہ نہ ہوتا۔

اور دوسری بات یہ کہ حکم خداوندی ہے کہ مصحف کو بغیر طہارت کے نہ پکڑا جائے؛ جیسے ارشاد فرمایا کہ:

لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (البقرہ: ۷۹)

تم اللہ تعالیٰ کی کتاب کو نہ چھو؛ مگر صرف پاک ہونے کی صورت میں

اگر مصاحف میں لکھا ہوا قرآن نہ ہو تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں پاکیزہ ہو کر چھونے کا

حکم اور ناپاک ہونے کی صورت میں اس کو چھونے سے منع کیوں کیا جا رہا ہے؟

سوال: اگر کہا جائے کہ قرآن صرف اسی کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

یا اللہ تعالیٰ کا کلام صرف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے جبریل کو سنایا ہے،

یا اللہ تعالیٰ کا کلام صرف وہ ہے جو جبریل امین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل

فرمایا ہے:

یا اللہ تعالیٰ کا کلام صرف وہ ہے جو مصحف میں لکھا ہوا ہے۔

یا اللہ تعالیٰ کا کلام صرف وہ ہے جو پڑھنے کے دوران قاری کی زبان سے جاری ہوتا

ہے۔

یہ ساری باتیں ظاہر اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام

ہے بلکہ اس طرح کا کلام اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور صفت اور موصوف ایک دوسرے کے لازم و ملزوم ہوتے ہیں۔

لہذا یا تو محاذ اللہ، اللہ تعالیٰ حادث ہیں یا ہمارے مصحف بھی اللہ ہی ہیں؟

امام اعظم جواب میں یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ

اس سوال میں ہمارا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قول بلا حروف، بلا آواز اور بلا ضرورت

حروف بجا ہے۔

جبکہ جبریلؑ نے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حروف آواز اور ہجاء کے روپ میں سنا تھا کیونکہ یہ ان کی مجبوری تھی۔

اور جبریلؑ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرتے ہوئے اسی طرح پڑھ کر بچایا:

اور حضور اکرمؐ نے صحابہ کرام کے لئے انہی شرائط اور آواز کے ساتھ پڑھ کر سنایا:

پھر اس کے بعد صحابہ کرام نے اس کو سنا اور تمام نے اس کو زباناً یاد کرنے اور جمع کرنے پر اتفاق کیا اور ان میں سے کچھ وہ صحابہ کرام جنہوں نے یاد کیا جمع کیا ان کے نام عبد اللہ بن مسعود، عثمان بن عفان، ذوالنورین اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ ہیں ان سب نے قرآن کو مصاحف میں لکھا۔

اور یہ قرآن من مختلف کیفیات اور حالات میں سے ہوتا ہوا جو نزول قرآن سے جمع قرآن تک وارد ہوئے ان تمام احوال کے مختلف ہونے کے ساتھ یہ قرآن مختلف نہیں ہوا بلکہ تمام حالات میں قرآن کریم ایک ہی رہا اور ہے۔

لہذا جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اور جو اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو سنایا اور جو جبریلؑ نے سنا اور جو جبریلؑ نے قرآن کریم کی کھل میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف ہازل فرمانے کے لئے لائے اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سننے اور جبریلؑ کے سننے میں کوئی فرق نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لکھنے اور صحابہ کے جمع

کرنے میں: اور ہمارے پڑھنے میں باوجود فرق ہونے کے قرآن اپنی اصل کے لحاظ سے ایک ہی ہے اس ساری کیفیات کے بدلنے کے باوجود اس قرآن میں کوئی فرق نہیں پڑا اور ان کیفیات کے بدل جانے سے حادث اور قدیم کا حکم اللہ تعالیٰ کے کلام پر نہیں لگایا جاسکتا۔

سوال: کیا یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا قول ہے؟

جواب: جی ہاں یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے!

سوال: اگر پوچھا جائے کہ یہ کب سے اللہ تعالیٰ کا کلام تھا؟

جواب: اس کا کلام الہی ہوا (کب) کی حدود سے دور ہے!

سوال: اگر پوچھا جائے کہ یہ کہاں کلام الہی کے حکم میں تھا؟

جواب: اس کا کلام الہی ہوا (کہاں) کی حدود و قیود سے دور ہے!

سوال: اگر پوچھا جائے یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے کس طرح کلام الہی ہے؟

جواب: اس کا کلام الہی ہونا کیفیات کیلئے سے بہت بلند ہے!

سوال: اگر پوچھا جائے کہ یہ قرآن کتنے زمانے یا مدت یا حالات میں کلام الہی تھا؟

جواب: اس کا کلام الہی ہونا ہر قسم کی کیت سے بالا اور مدت کی حدود سے دور ہے۔

اور حالات سے بے حال تھا!

سوال: اگر پوچھا جائے کہ اس کا کلام الہی ہونا آواز سے ہو یا بلا آواز کے ہوا تھا؟

جواب: تو جان لو کہ قرآن کریم کا کلام الہی ہونا بلا آواز کے ہوا تھا اور اگر کوئی شخص

آواز و صوت کی حدود میں ان کو متعین کر کے اس کو کلام الہی سمجھتا ہے وہ بد جہتی ہے۔ اس سے کسی قسم کا تعلق رکھنے سے پرہیز کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کرنے والے ہیں۔

نوٹ: قراءت حواثرہ میں امام شعبہ من عاصم اور امام ابو عاصم شامی، امام کسائی کو فی اور حمزہ کو فی قراءت اسی طرح ہے اور چونکہ امام اعظم قراءت جو روایت شخص کے علاوہ ہے نقل کرتے

ہیں ورنہ عام قرآت جو امام غصص کی ہے اس کے مطابق ترجمہ ہوگا اللہ کی طرف سے روح الامن کے اس کا نزول فرمایا ہے۔

نوٹ: آج کے دور میں بعض لوگوں نے یہ عقیدہ بنالیا ہے کہ جیسے ٹیلی فون ہوتا ہے اس کے ایک طرف ایک آدمی ہوتا ہے اور دوسری طرف دوسرا ہے درمیان میں (Electrcity) یا بجلی بطور فرشتہ کام کرتی ہے، اسی طرح کی فرض باتیں کرتے ہیں جن کا اس طرح کہنا اپنی عقل کے مطابق ہے ورنہ شریعت میں اس کی کوئی مثال یا ثبوت نہیں ملتا؛ کیونکہ فرشتہ اللہ کی وہ مخلوق ہے جو ازل سے جب سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہوئے ہیں اور جب تک پیدا کئے رکھے گا وہ موجود رہیں گے اور اس کو دیکھیں تو پتہ چلے گا کہ یہ ملائکہ اس وقت سے ہیں جب سے یہ نظام کائنات پیدا ہوا ہے؛ اور جب یہ نظام نہ تھا تو ان کا وجود بھی سرے سے نہ تھا۔ ان کو از خود نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ تمام اللہ تعالیٰ کے اوامر کے تابع اور اس کی مخلوق ہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ

یعنی جو اللہ تعالیٰ انکو حکم دیتے ہیں وہ اس کی فرمانبرداری کرنے اور اس کے حکم کی تعمیل میں ہر وقت مصروف رہتے ہیں؛ اور یہ کہ اللہ کی نہی کا نکتہ اسی کے حکم کے مطابق اس کے آقا و خیر سے اہتمام دنیا تک اس کے حکم بجا لانے میں مصروف اور مجاہد ہے؛ اللہ تعالیٰ اگر اس قسم کی باتوں کو سمجھنے کے لئے بطور مثال ذکر کر دیا جائے تو درست ہے مگر اس کو بطور عقیدہ اختیار کرنا سرے سے ہریت کی نگر اور دعوت ہے اس قسم کی سوچ کا دین اسلام سے قطعی طور پر کوئی تعلق نہیں ہے۔

باب بست و سوم:

اللہ تعالیٰ کی مشیت، رضاء اور اس کے امر کی حقیقت

امام اعظم نے ارشاد فرمایا کہ

مشیت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے وہ چاہنے والا ہے اور ارادہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کیونکہ ہر کام کا سربراہ اور ہر چیز کا ارادہ کرنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، اور امر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو حکم کرنے والی ذات ہے، اور علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو عالم الملک والملکوت ذات ہے، اور حکم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو حکم کی صفت ازلی کے ساتھ متصف ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَالِهْمُ الْجَوْرَ هَا وَتَقْوَاهَا (الحس: ۸)

پھر الہام کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو نفس و فجور کا، اور تقویٰ پر پیڑ گاری کا

اور اسی طرح موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَا قَدْ فَتَنَّا لُوطَ مَكٍ مِنْ بَعْدِكَ وَاحْلُفْنَاهُ السَّمْعِي (ط: ۸۵)

اے موسیٰ ہم نے آپ کے کوہ طور پر جانے کے بعد آپ کی قوم کو آزمایا مگر انکو سامری

نے گمراہ کر دیا تھا:

لہذا آزمائش میں ڈالنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور گمراہ بھی وہی کرتا ہے

جماعت بھی وہی دیتا ہے مگر برائی کی اللہ تعالیٰ کی طرف ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے نسبت نہیں کر سکتے۔

(۳۵) ابو مطیع بلخی نے پوچھا:

کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کی تخلیق کو ناپسند کرتے ہوں مگر اس کا حکم کرتے

ہوں؟ یا کسی چیز کو پسند تو کرتے ہوں مگر اس کا حکم نہ فرماتے ہوں؟

امام اعظم: ہیں ایسا ہو سکتا ہے

(۳۶) ابو مطیع غلی: وہ کیسے ہو سکتا ہے؟

امام اعظم: اللہ تعالیٰ اسلام کے اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں: مگر کافر کے لئے قبول اسلام پسند نہیں فرماتے، مگر اسی طرح کافر کے لئے کفر اختیار کرنا تو پسند فرماتے ہیں مگر اپنی تمام مخلوقات میں سے کسی کو کفر اختیار کرنے کا حکم صادر نہیں فرماتے۔

(۳۷) ابو مطیع غلی نے پوچھا:-

کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز سے راضی ہوں، مگر اس کے اختیار کرنے کا حکم نہ

دینا؟

امام صاحب: ہیں ایسا ہو سکتا ہے، جیسے مہادات ناظر ہیں انکو اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ

نے حکم نہیں دیا اور اس کے عمل کرنے پر اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں۔

(۳۸) ابو مطیع غلی نے پوچھا:-

کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کا حکم دیں، مگر اس سے راضی نہ ہوں؟

امام اعظم: ایسا ہرگز نہیں ہوتا

(۳۹) ابو مطیع غلی نے پوچھا:-

آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

امام اعظم: اس کی وجہ یہ ہے کہ جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس کے ساتھ اللہ راضی

بھی ہوتے ہیں، مگر جس چیز سے راضی ہوں اسی کے اختیار کرنے کا حکم بھی فرماتے ہیں۔

کیا تو دیکھتا نہیں؟ کہ اللہ تعالیٰ ایمان سے راضی ہیں اور بدوں کو اس کے اختیار کرنے

کا حکم دیا ہوا ہے؛ کیونکہ اسر خود بوعہی اور اس کی رضا، اصل میں یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت

اور فرمانبرداری کے دو مختلف پہلو ہیں۔

(۵۰) ابو مطیع غلی نے پوچھا:-

کیا اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کی مرضی کے تابع ہے، یا اس کی مرضی کے خلاف ہے؟

امام اعظم: اللہ تعالیٰ کی مشیت ہی اس کی مرضی ہے!

باب بست و چہارم

عذاب کی وجہ مشیت باری ہے یا رضائے خداوندی

اہم نوٹ: یہ سوال ابو مطیع نے حضرت امام اعظم سے چار مرتبہ لیکن معلوم بدل کر پہلے یہاں ۵۱ نمبر پر اس کے بعد ۵۶ نمبر پر اس کے بعد ۵۷ نمبر پر کیا اس کے بعد ۵۹ نمبر پر سوال کیا ہے۔

(۵۱) ابو مطیع علی نے پوچھا:

کیا اللہ تعالیٰ بندوں کو عذاب (اور سزا) اپنی رضا کی وجہ سے دیتے ہیں یا ناراضگی کی

وجہ سے دیتے ہیں؟

امام اعظم: بلکہ اللہ تعالیٰ بندوں کو عذاب اس بناء پر دیتے ہیں کہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والا کام کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کافر کو اس کے کفر کی وجہ سے عذاب دیتے ہیں مگر اس کے کفر یہ عمل سے راضی نہیں ہوتے۔ اس طرح انسانوں سے اگر عذاب گناہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی نہیں ہوتے۔ اسی بناء پر مرکب معاصی کو عذاب دیتے ہیں۔

(۵۲) ابو مطیع علی نے پوچھا:

کیا اللہ تعالیٰ بندوں کو عذاب ایسے کاموں کی وجہ سے دیتے ہیں جو ان کی مشیت اور چاہت کے مطابق ہوں یا ایسے اعمال کی وجہ سے جو ان کی مشیت اور چاہت کے مطابق نہ ہوں؟

امام اعظم: اللہ تعالیٰ ان کاموں پر عذاب دیتے ہیں جو ان کی مشیت اور چاہت کے مطابق ہوتے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کی وجہ کفر اور گناہ کے کاموں کا ارتکاب ہے۔

اور کافر کے لئے کفر اور اسی طرح عاصی کی معصیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے میں مطابق ہوتی ہے۔

(۵۳) ابو مطیع مکی نے پوچھا:-

کیا آپ یہ بات نہیں کہہ چکے کہ: عاصی اور کفر یہ اعمال اللہ تعالیٰ کی مشیت کی وجہ سے معرض وجود میں آتے ہیں؛ اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کی رضا کی وجہ سے ہوتی ہے؟ امام اعظم: ہاں بات تو ایسے ہی ہے کہ: مشیت باری تعالیٰ اس کا ارادہ، اس کا فیصلہ، اور اس کے علاوہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کی مرضی کی وجہ سے معرض وجود میں آتی ہیں۔

ہاں کبھی بندے سے صادر شدہ فعل اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت دونوں کی موافقت کا ظہور کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کیلئے کئے جانے والے تمام نیک اور فرمانبرداری والے کام اور کبھی بندے سے صادر ہونے والے افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ مگر اس کی مرضی کے خلاف صادر ہوتے ہیں جیسے انسان سے صادر ہونے والے گناہ اور بے اعمال۔

(۵۴) ابو مطیع مکی نے پوچھا:

اس سے تو یہ پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کی مشیت دو جدا گانہ چیزیں ہیں؟ اگر بات ایسے ہی ہے تو یہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اس کے حکم سے مقدم ہے؟ یا اللہ تعالیٰ کا حکم اس کی مشیت سے مقدم ہے؟ امام اعظم: اس کی مشیت اس کے حکم سے مقدم ہے؛

(۵۵) ابو مطیع مکی نے پوچھا:-

تو کیا اللہ تعالیٰ کی مشیت، اس کی رضا (مرضی کے مطابق ہونے) کی وجہ سے ہے یا نہیں؟

امام اعظم: ہاں وہ اللہ تعالیٰ کی رضا (مرضی) کی وجہ سے ہے۔

اس جواب کے بعد مشیت باری تعالیٰ کے درجات ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

(۱) جو شخص اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق عمل کرتا ہے، گو یا وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر عمل

کرتا ہے۔

(۲) جو شخص اللہ تعالیٰ کی مشیت، اور اس کی اطاعت، اور اس کے حکم کی تعمیل میں عمل بجالاتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف اور رضا کے مطابق عمل بجالاتا ہے۔

(۳) جو شخص اللہ تعالیٰ کی مشیت، اور اس کے حکم کے خلاف عمل کرتا ہے، وہ اللہ کی رضا پر عمل نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت پر عمل کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی معصیت میں اس کی رضا شامل نہیں ہے:

(۵۶) ابو مطیع الحنفی نے پوچھا: یہی سوال ابو مطیع نے حضرت امام اعظم سے پہلے ۵۱ نمبر پر کیا اور اب دوبارہ لیکن مفہوم بدل کر کیا جا رہا ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ بندوں کو عذاب اپنی رضا مندی والی باتوں پر دیں گے: یا ناراضگی والی باتوں پر دیں گے؟

امام اعظم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی ناراضگی والی باتوں کی وجہ سے عذاب دیں گے جیسے معصیت کا راستہ اختیار کرنا وغیرہ۔ کیونکہ معصیت بندے کا فعل ہے اور مشیت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اور اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔
(۵۷) ابو مطیع الحنفی نے پوچھا: (یہی سوال ابو مطیع نے حضرت امام اعظم سے پہلے ۵۶ نمبر پر کیا اور اب دوبارہ لیکن مفہوم بدل کر کیا جا رہا ہے)

میں نے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ بندوں کو اس بناء پر عذاب دیتے ہیں کہ وہ ان سے راضی ہوتے ہیں یا اس بناء پر عذاب دیتے ہیں کہ وہ ان سے ناراض ہوتے؟

امام اعظم: بلکہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ایسے کاموں پر عذاب دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی بجائے ناراضگی والے کام ہوتے جیسے کفر اختیار کرنا وغیرہ، لیکن اللہ تعالیٰ اس بات پر تو راضی ہوتے ہیں کہ ان کو عذاب دیا جائے اور ان سے اطاعت و فرمانبرداری والے کام چھوڑنے کی وجہ سے انتظام لیا جائے، اور ان سے معاصی کے ارتکاب کی وجہ سے مواخذہ کیا جائے۔

(۵۸) ابو مطیعؒ نے پوچھا:

کیا اللہ تعالیٰ کی مشیت اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ کوئی مومن کفر یہ اعمال کو اختیار کرے یا نہیں؟
امام اعظم: ہرگز نہیں۔

بلکہ اللہ تعالیٰ کسی مومن کے لئے ایمان چاہے ہیں جیسے کسی کافر کے لئے کفر چاہے ہیں۔

اور جیسے نفاق کے لئے زنا چاہے ہیں۔

اور جیسے چور کے لئے چوری کے عمل کو چاہے ہیں۔

اور جیسے اہل علم کے لئے حصول علم۔

اور اصحاب خیر کیلئے خیر اور اچھائی کے اختیار کرنے کو چاہے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کفار کے لئے اس وقت سے کفر چاہے ہیں کہ ابھی کفار کو پیدا بھی نہیں کیا گیا تھا، اور ان کے لئے ابھی یہ فیصلہ نہیں کیا گیا تھا کہ اس مخلوق میں سے ایک مردہ کافروں کا اور دوسرا مردہ مردوں کو کس کا ہوگا۔

(۵۹) ابو مطیعؒ نے پوچھا:۔ (یہی سوال ابو مطیعؒ نے حضرت امام اعظم سے پہلے ۵۷

نمبر پر کیا اور اب دوبارہ لیکن مفہوم بدل کر کیا جا رہا ہے)

اللہ تعالیٰ کفار کو عذاب دیتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مرضی پوری کرتے ہیں، یا اس وجہ سے کہ ان کا پیدا کرنا اس کی مرضی کے مطابق نہیں ہے؟

امام اعظم: بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دیتا ہے اس وجہ سے کہ ان کا پیدا کرنا اس کی مرضی کے مطابق ہوا ہے۔

(۶۰) ابو مطیعؒ نے پوچھا:

آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

امام اعظم: کیونکہ اللہ تعالیٰ کفار کو عذاب اور عقاب تو ان کے کفر کی وجہ سے دیتے

ہیں، اور کفر اللہ تعالیٰ کی مرضیات میں سے نہیں ہے، اگرچہ اللہ تعالیٰ اس بات پر تو راضی ہیں کہ کافروں کی عقلیت کریں، البتہ خاص کفر سے وہ راضی نہیں ہوتے، اسی طرح معاصی اللہ تعالیٰ کی رضامندی نہیں ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ وَإِن تَشْكُرُوا لَكُمْ (الزمر: ۷)

اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے کفر اختیار کرنے پر راضی نہیں ہوتے اور اگر تم اللہ تعالیٰ کا شکر کرو گے تو وہ تم سے راضی ہو جائے گا (۶۱) ہو مطیع علی نے پوچھا:

کیا آپ نے یہ نہیں کہا کہ معاصی اور کفر اللہ تعالیٰ کی حیثیت کی وجہ سے معرض وجود میں آتے ہیں، اور کیا اس کی حیثیت اس کی رضا کا دوسرا نام نہیں ہے؟

امام اعظم: ہاں ہم نے اس سے پہلے کہا ہے کہ: ”حیثیت باری تعالیٰ اس کا اور وہ اس کا فیصلہ، اور اس کے علاوہ تمام صفات اللہ تعالیٰ کی مرضی کی وجہ سے ہی معرض وجود میں آتے ہیں۔“

البتہ کبھی کبھار بندے سے صادر شدہ فعل اللہ تعالیٰ کی مرضی کے ساتھ اس کی حیثیت کا بھی ٹکھا کر رہا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے تمام فعلی اور فرمانبرداروں والے کام:

اور کبھی بندے سے صادر ہونے والے فعل صرف حیثیت باری تعالیٰ کے ساتھ مگر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف صادر ہوتے ہیں جیسے: انسان سے صادر ہونے والے گناہ اور کفر اور تمام ”ساحل“

اس کو ایمان میں اہتمام کر کے بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خاص کافر کو پیدا کیا اور اس میں کوئی اختلاف والی بات نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی عقلیت ہے، اب اللہ تعالیٰ اس کی عقلیت پر تو راضی تھے جمعی اس کو پیدا کیا تھا مگر اللہ تعالیٰ کفر اللہ تعالیٰ کے لعل پر ہرگز راضی نہ تھے:

اور اسی طرح شراب پر ہرگز راضی نہ تھے مگر خاص انہی

کو پیدا کرنے میں راضی نہ تھے اور اسی طرح کی صورت احوال ایمان سے آگے بڑھ کر انسانی احوال میں سمجھ لینی چاہئے۔

(۶۲) ابو مطیع ثعلبی نے پوچھا: آخر ایسا کیوں ہے؟

امام اعظم: اللہ تعالیٰ نے انہیں کو تو پیدا کیا اور اس کے پیدا کرنے سے وہ راضی بھی تھے مگر اس کے فسق و فجور اور انسانوں کے خواہ کرنے کے عمل سے راضی نہیں تھے۔

اسی طرح شراب، خنزیر کو پیدا کرنے پر وہ راضی تو تھے مگر ان کے برے اثرات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ خاص ان کی تخلیق سے راضی نہیں تھے۔

(۶۳) ابو مطیع ثعلبی نے پوچھا:

آخر اس کی کیا وجہ ہے اور ایسا کیوں ہے؟

امام اعظم: اس لئے کہ اگر اللہ تعالیٰ شراب کی تخلیق سے راضی ہوتے تو انکو شراب پینے والے سے بھی راضی ہونا چاہئے تھا؛ کیونکہ وہ شخص شراب خوردی اسی کی رضا سے کر رہا تھا؛ لیکن اللہ تعالیٰ شراب اور انہیں سے ان کے احوال اور نتیجہ کی وجہ سے راضی نہیں ہے البتہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ان سے صادر ہونے والے تمام اعمال سمیت راضی ہیں:

نوٹ: ۵۳ اسی کو آسان مثال سے میں سمجھ لوں: اللہ تعالیٰ نے کفار کو تو پیدا کیا ہے اور اس میں کسی کا کوئی شک اور اختلاف بھی نہیں اور اللہ تعالیٰ کافر کے کفر سے راضی نہیں ہے اسی طرح شراب خنزیر اور ان کے استعمال کرنے سے صادر ہونے والے تمام احوال پیدا تو اللہ تعالیٰ نے کئے مگر ان سے راضی نہیں ہے وغیرہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو!

باب بت وینیم

تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے پیدا کی ہیں

امام اعظم نے تمام مخلوقات کی پیدائش ولی خاصِ فطرت پر پیدا کئے جانے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ابتدائے تخلیق کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی تین قسمیں بنائی ہیں :

(۱) مطیعین: ان میں اللہ تعالیٰ نے تمام ملائکہ کو صرف اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے پیدا کیا ہے، اور انکو ہر جسم کی باخبر مانی اور گناہ سے محفوظ پیدا کیا ہے؛ سوائے ہاروت اور ماروت کے ان کو بائی فرشتوں کی تخلیق کے اصل ماحول سے مسکمی کر کے پیدا کیا ہے:

(۲) مترو دین: جن میں تمام شیاطین شامل ہیں ان سب کو اللہ تعالیٰ نے شر اور فساد کے لئے پیدا کیا ہے: جن میں سوائے ایک شیطان کے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مسلط کیا گیا تھا جس کا نام حام بن صمم بن قیس بن الجس تھا: اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی تو وہ آپ کے دست مبارک پر مسلمان ہو گیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سورۃ الباقعہ، سورۃ المرسلات، سورۃ التباہ، سورۃ المکوہ، سورۃ الکافرون، سورۃ الاخلاص، اور المومنین کی تعلیم دی تھی: یہ شیطان عام شیطانوں کی تخلیق فطرت سے مستثنیٰ پیدا کیا گیا تھا:

(۳) فطرین: انسانوں اور جنوں کو اللہ تعالیٰ نے جن کی فطرت پر پیدا کیا:

(۳) فطرہیں: انسانوں اور جنوں کو اللہ تعالیٰ نے جن کی فطرت پر پیدا کیا:

(۶۳) ابو مطیع یحییٰ نے یوحنا:

اس بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے جو یہودی کہتے ہیں:

بِإِذْنِ اللَّهِ مَقُولُ لَتَغْلِبَنَّ أَيْدِيهِمْ (الأنعام: ١٢٦)

اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، حالانکہ انہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔

تو کیا اللہ تعالیٰ ان کے اس قول پر مرضی تھے یا انہوں نے اپنی مرضی سے یہ بات کہی ہے؟

امام عظم: نہیں اس بات کے کہنے میں اللہ تعالیٰ کی مرضی شامل نہیں تھی۔
اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

سوال: آپ ان سے پوچھیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ساری مخلوق کفر و شتوں کی طرح اپنا مطیع اور فرمان بردار بنا سکتے تھے یا نہیں؟ اور کیا اس بات پر اللہ تعالیٰ قادر ہیں یا نہیں؟

جواب: (۱): اگر وہ نہیں میں جواب دیتا ہے: تو اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ بات کرتے ہیں جو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں نہیں کی! کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے:

و هو الظاهر فوق عباده (الاحقاف: ۱۸)

وہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب رہنے والا ہے

اور دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

قل هو اللّٰہ العزیز ان یحییٰ علیکم هذا ما من فوقکم (الاحقاف: ۶۵)

اے نبی! آپ فرما دیجئے کہ: اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جو قادر ہے اس بات پر کہ تم میں سے کسی پر طغیان نہ لے کر مارتا ہے۔

اس جواب کے ذریعے جو انہوں نے اوپر دیا ہے وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر اپنی مطیع اور فرمانبردار مخلوق پیدا نہ کر سکتے کا اصرار نگاہ کر رہے ہیں اور اس بات کا دعویٰ کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صانع اور معبود ہیں:

(۲) اور اگر وہ مندرجہ بالا سوال کا جواب ہاں میں دیں، اور کہیں کہ ہاں اللہ تعالیٰ سب مخلوقات کفر و شتوں کی طرح اپنی مطیع فرمانبردار بنانے پر قادر ہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قل للّٰہ العزیز العلیٰ فلو شاء لہدّٰکم اجمعین (الاحقاف: ۴۹)

اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ سب معنوں میں چاہے تو اللہ تعالیٰ کے لئے

ثابت ہے اس لئے اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَوْ شَاءَ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ لَسَبَلُّوْكُمْ فِى مَا آتَاكُمْ

(المائدہ: ۴۸)

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک اُمت بنا دیتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت لوگوں کو دی ہے اس کی بناء پر اللہ تعالیٰ تم سب کو آزماتے ہیں

سوال: ان سے پوچھنا چاہئے کہ کیا اللہ تعالیٰ انھیں کو جبریل کی طرح فرما ہر وہ ماوراء مطیع بنانے کی طاقت رکھتے ہیں یا نہیں؟

جواب: اگر وہ جواب نہیں میں دین اور کہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بات کی قدرت نہیں رکھتے تو انہوں نے اپنی بات کا خود رد کر دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ہمیں صفات کا ان کا رد کیا:

سوال: اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ جو شخص زندہ کرتا ہے ہر چہ دی کرتا ہے ہر کسی پاک یا شخصیت پر تہمت لگاتا ہے تو کیا اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کی مشیت کی وجہ سے نہیں؟

جواب: ہاں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مشیت کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔

سوال: تو پھر اس پر سزا کے طور پر حد کیوں جاری کی جاتی ہے؟

جواب: اس کو کہا جائے گا کہ اس پر حد تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا اور اس کے امر کی تعمیل کے لئے جاری کی جاتی ہے کیونکہ مجرم پر حد جاری کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، لہذا اس کے حکم کی تعمیل اس کی مشیت کی تعمیل کے لئے کی جائے گی کیونکہ اگر نظام کا چرخی کی وجہ سے ہاتھ کاٹا جائے تو یہ کام درودِ جہود کی بنا پر ہوگا:

(ایک) تو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پوری ہو:

(دوسرا) اس لئے کہ لوگوں کے حقوق کی اچھی طرح حفاظت ہو سکے۔

اب اگر لوگ مجرم کے جرم کو معاف کر دیں اور اس کو آ زہ کر دیں تو ان کا معاف

کرنا بھی قابلِ تہلیل ہوگا۔

اور یہ دونوں کام یعنی چور کا چوری کرنا اور اس جرم میں بطور سزا اس کا ہاتھ کاٹنا جتنا دونوں کام اللہ تعالیٰ کی حیثیت کی وجہ سے ہیں: یعنی گناہگار سے اس کا گناہ اللہ تعالیٰ کی حیثیت کی وجہ سے صادر ہوا، اور اس جرم پر حد جاری ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی حیثیت پر در کرنے کے لئے لگائی گئی، مگر چہ ایک کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا شامل ہے اور دوسرے کام میں رضا شامل نہیں ہے، لہذا اتمام ایسے کام جن میں احکام شرعیہ کی مخالفت کی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حیثیت کے عین مطابق ہونے کے باوجود اس کی رضا کی بجائے ناراضگی کا ذریعہ ہیں: اور یہاں شخص اپنے اس قسم کے انھل میں راہِ ہدٰی کی بجائے راہِ ظلم اختیار کئے ہوئے ہے۔

اگر یہ بات واضح ہو گئی ہے تو اب یہ سوال کرنا کہ ”محرم پر حد کیوں جاری کی جاتی ہے؟“ یہ سوال فاسد اور بے معنی ہو گیا ہے: کیونکہ یہ سوال کرنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کے بہت سارے گناہ کے کاموں میں اس کی حیثیت ثابت نہیں کرتے: بلکہ ان کے نزدیک بہت سارے کام اللہ تعالیٰ کی حیثیت کے بغیر ہی صادر ہو جاتے ہیں لہذا ان کے نزدیک ایسے کام جو اللہ تعالیٰ کی حیثیت کے بغیر صادر ہوں ان پر حد جاری نہیں ہونی چاہئے۔

مثلاً اگر کوئی شخص شراب خوردی کرتا ہے یا اس کے جتنے محاسن ہیں وہ سارے اللہ تعالیٰ کی حیثیت کی وجہ سے ہیں ان پر حد بھی جاری نہ ہونی چاہئے، جبکہ امام صاحب نے یہاں مسئلہ واضح کر دیا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سے کیا کیا عمل اس کی خوشنودی کا باعث ہے: جبکہ اس کی حیثیت سے کیا کیا کوئی بھی عمل ضروری نہیں کہ اس کی خوشنودی کا باعث ہو:

نوٹ: ۱۳۰۴ اور اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو پیچھے فرماتے ہوئے کفر اور اسلام سے سالم رکھا اب جو چاہے اسلام قبول کر لے اور جو چاہے کفر اختیار کر لے: پھر ان کو قصوم پیر نہیں فرمایا بلکہ گناہ کرنا ان کی فطرت میں رکھ دیا: سو انے انھما بطور رسولوں کے کیونکہ انھما کا حد نہ کھارے محفوظ کر دیا گیا ہے وجہ اس کی یہ کہ اگر انکو گناہ سے محفوظ نہ کیا جاتا تو اللہ تعالیٰ

فہم کبر و اہل ————— ۲۸۴

کے پیغام پہچانے میں غلط واقع ہو جاتا اور بعض مبہوت لوگ دعوائے نبوت کرتے اور لوگوں کو گمراہ کرتے اسی لئے مبہوت آدمی نبوت کی اہلیت سے محروم ہو جاتا ہے لہٰذا ان پاکیزہ ہستیوں کے لئے صفات اور معمولی بھول چوک بشری قصصوں کے پیش نظر جائز رکھی گئی ہے تاکہ عام انسان ان کو مافوق الفطرت ہستیاں نہ سمجھنا شروع کر دیں کیونکہ اس سے نبوت کا اصل مقصد فوت ہو جاتا۔

بلب بست و شتم :

ایمان اور گناہ کا تعلق اور مومنین کی تکفیر

نور حسینہ میں منقول ہے :

امام اعظم نے فرمایا :

جان لو! کہ کسی مومن کو گناہ کی وجہ سے نہ تو کافر کہا جائے گا اور نہ ہی اس کو ایمان سے خارج جان کر اس کے بارے میں کفر کا فتویٰ دیا جائے گا: اس مسئلہ کو ایسے سمجھو جیسے نیکیاں کرنے والا شخص اپنی نیکیوں کے زور پر دائرہ کفر سے نکل کر احاطہ ایمان میں داخل نہیں ہو سکتا تاہم اگر وہ لوازمات ایمان نہ پورے کر لے: اسی طرح کوئی مومن چاہے جتنے بھی گناہ کرتا رہے وہ اس وقت تک دائرہ کفر میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک دائرہ کفر میں داخل ہونے کا باقاعدہ اقرار نہ کر لے:

(۱): اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا توبوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا (التحریم: ۸)

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پکی پکی توبہ کرو

اب اس آیت میں ایمان والوں کے ایماندار ہونے کا اقرار بھی ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کا حکم بھی ہے اگرچہ ان سے زنا شراب خوری وغیرہ جیسے ہر قسم کے گناہوں کا ارتکاب ہو رہا ہوگا۔

(۲) اسی طرح قصہ آدم علیہ السلام میں آدم علیہ السلام کو درخت کا پھل کھانے سے

مع کیا گیا تھا مگر جب لعلی سے آدم نے اسی درخت ممنوع کا پھل کھا لیا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کا تذکرہ ان الفاظ سے فرمایا:

و حصی آدم ربہ طہوی (۱۲۰)

آدم نے اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی کی: اس مقام پر آدم وہلی مینا علیہ السلام کے بارے میں یہ نہیں کہا گیا: و کفر آدم: یعنی آدم نے اپنے پروردگار کا کفر کیا۔

(۳) اور اسی طرح ہاروت اور ماروت نے جب شراب پی: اور زنا کا ارادہ کیا تو اللہ کی طرف سے انہوں نے دنیاوی عذاب کو آخرت کے عذاب پر ترجیح دی: اور ان کے اس عمل پر کفر کا فیصلہ نہیں دیا گیا اور نہ ہی انہیں کافر کہا گیا ہے اسی طرح جو شخص گناہ کا ارتکاب کرنے والا ہے اس کی تکفیر نہ کی جائے گی۔

(۴) اور اسی طرح ایک روایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ میں مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دنیا میں ہدایت یافتہ ہونے کی سات نشانیاں ہیں: اور یہی اہل السنۃ والجماعت کی طامات ہیں اگر کوئی شخص ان میں سے بعض باتوں کے خلاف عمل کرے یا عقیدہ رکھتا ہے وہ اتنا ہی اہل السنۃ والجماعت کے راستے دور ہے اور وہ سات باتیں منہجہذیل ہیں۔

اہل السنۃ والجماعت کی سات نشانیاں:

(۱): اہل قبلہ (یعنی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر بلا کسی شرط و قید ایمان لاتا ہے) کے بارے میں کفر و شرک، یا منافقت، یا کفری یا گواہی نہیں دیتے:
(۲): لوگوں کے دلوں میں جھگی ہوئی باتوں کو کرینے کی بجائے ان کا معاملہ اور فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے ہیں:

(۳): اہل قبلہ میں سے اگر کوئی مر جائے اس کی نماز جنازہ میں شریک ہوتے ہیں:
(۴): پانچ نمازیں اور جمعہ، ہر نیک و بد امام کی اقتداء میں باجماعت ادا کرتے ہیں:
(۵): ہر دشمن اسلام کے خلاف جہاد کرنے کے لئے ہر نیک و بد خلیفہ اور امیر کی اطاعت کرتے ہیں۔

(۶): مسلمانوں کے کسی امام اور عقیدہ کے خلاف مسلح بغاوت نہیں کرتے: اگرچہ وہ ظلم

دستم کا باز اور گرم رکھے، البتہ اسکے لئے اصلاح اور برے راہ سے عافیت کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہتے ہیں، اس کی جی اور ہلاکت کی بددعا نہیں کرتے:

(۷): تمام خواہشات نفسانی کو چھوڑنے کی کوشش کرتے ہیں، اس لئے کہ خواہشات نفسانی اول سے آخر تک باطل پختی ہیں۔

(۶۵) ابو مطیع یحییٰ نے پوچھا:

میں نے کہا جو شخص گناہ گار کو اس کے گناہ کی وجہ سے کافر کہے گا جواب کیا ہوگا؟

امام اعظم: اس کے جواب میں یوں کہا جائے کہ:

(۱): اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُنَّ اَذْهَبَ مَصْحَبًا لِّهٰذَا اِنْ لَّنْ نَقْدِرْ عَلَيْهِ فَعَادِي لٰہِی

الظُّلُمَاتِ اِنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ نَحْنُ حَلٰکٌ اَنْتَ نَخْلُکَ مِنْ الطَّاغُوْتِ

(الانبیاء: ۸۷)

(کہ مچھلی والا (یونسؑ) جب غصہ کی وجہ سے بستی چھوڑ کر چلے گئے شائد وہ یہ خیال

کرتے ہوں کہ ہم اس کے بیٹن آمدہ حالات پر قدرت نہیں رکھتے، بھروسہ ہماری قدرتوں

کے انکار ہونے پر اندھیروں میں پھرنے لگے کہ: اے اللہ حیرے سوا کوئی معبود نہیں

تو پاک ہے: میں تو ہمیشہ سے ہی ظالموں میں سے رہا ہوں

ان آیات میں یونسؑ کا وہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے: جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر اس بستی

کو چھوڑ کر چلے گئے تھے جس میں آپؑ کو نبی بنا کر بھیجا گیا تھا: ابھی راستے میں کشتی پر سوار

تھے کہ طوفان آ گیا لوگوں نے کہا ہم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو اپنے مالک سے بھاگا ہوا

ہے: وہ شخص مظلوم نہ ہونے پر انہوں نے قرعہ کے ذریعے معلوم کیا جو اس دور کی شریعت میں

جائز تھا اور ہر مرتبہ قرعہ میں یونسؑ کا نام نکلتا تھا: جس پر انہوں نے لوگوں کے کہنے پر اپنی

مرضی سے سمندر میں چھلانگ لگا دی: اللہ تعالیٰ نے ایک خاص مچھلی کو حکم دیا اس نے آپؑ

کو نگل لیا: اب یونسؑ ہر طرف جب سے اندھیرے میں گھرے ہوئے تھے تو اس اندھیرے

میں جو پھلی کے پیٹ، اور سمندر کی تہ، اور کالی رات میں تھا تو یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ دعاء پڑھی: قرآن کریم کی آیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے یونس کے اس عمل پر ان کو کھلم کھسوٹ نہیں کیا گیا ہے، کافر یا منافق نہیں کہا گیا ہے:

(۲): اور اسی طرح یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے:

قلو یا اہانا استغفر لنا ذلونا الاکثا عاصطین (یوسف: ۷۵)

کہا انہوں نے اے ہمارے باپ! ہمارے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کر کہ ہمارے گناہ اور خطائیں معاف ہوں۔

یہاں بھائیوں کے برے عمل کی وجہ سے ان کو گناہ مگر تو کہا گیا ہے کافر نہیں کہا گیا ہے:

(۳): اسی طرح حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ نے عہم فرمایا:

لیطفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر (فتح: ۲)

تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے گناہ اور گزشتہ گناہ معاف فرمادے

گناہ معاف کئے جانے کا کہا گیا ہے، کفر میں جلاء ہونے یا کفر کی معافی دے دیے جانے کا نہیں کہا گیا۔

(۴): اسی طرح جب موسیٰ علیہ السلام نے ایک بنی اسرائیلی کو قتل کیا تو بن کو اس قتل کی وجہ سے گناہ گار کہا گیا، نہ کہ کافر

ہذا مندبجہ بالا دلائل سے معلوم ہوا کہ ہر کتاب گناہ سے خطا کار یا غلطی کا مرکب قرار دیا جاسکتا ہے: نہ کہ ان کی وجہ سے ان کے بارے میں کفر کا فیصلہ صادر کیا جائے گا۔

نوٹ: اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عہم فرمایا:

استغفر للذنبک وللمؤمنین والمؤمنات (محمد:)

(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اور تمام مومن مردوں اور عورتوں سے گناہوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے توبہ کیجئے)

اس میں اپنے کفر یا کافروں کے لئے توبہ کرنے کا نہیں کہا گیا:

باب بست و ہفتم:

ایمان میں شک کی حقیقت اور اس کا حکم

(۶۶) مطیع النبی نے پوچھا:

جب کوئی شخص کہان شامادھ میں مؤمن ہوں، جو اس کو جواب میں کیا کہا جائے گا؟
 امام عسکری نے فرمایا کہ: اس کو جواب میں کہا جائے گا
 (۱): اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ان الله و ملتكمه يصلون على النبي، يا ايها الذين آمنوا صلوا عليه
 وسلموا تسليما (الاحزاب: ۵۶)

بے شک اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت نازل فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے
 فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کثرت سے دعائے رحمت کرتے ہیں: اے ایمان
 والو! تم بھی کثرت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود (نزل رحمت باری تعالیٰ) کی دعا کیا کرو
 اب اگر تم مؤمن ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو، اور اگر مؤمن نہیں تو نہ پڑھو۔
 (۲): اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يا ايها الذين آمنوا اذا لودى للصلوة من يوم الجمعة فاسعوا الي
 ذكر الله (الجمعة: ۹)

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف
 پوری کوشش سے دوڑ پڑو

اب اگر آپ ایمان والے ہو تو نماز جمعہ کا حکم تم پر لاگو ہوگا، اگر ایمان والے نہیں
 تو بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔

اور اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ:

حدیث مفت وہم:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جو شخص اللہ کے بارہ میں شک کرتا ہے اس کا یوں شک کرتا اس کی تمام نیکیوں کو زائل اور باطل کرنے کا باعث بن جاتا ہے، اور جو شخص ایمان لے آتا ہے اور گناہوں سے طہرگی اختیار کر لیتا ہے، اب اس کے لئے مغفرت کی امید کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا اور عذاب کا خوف بھی ہے: یعنی اللہ چاہے تو اس کو صاف کر دے اور چاہے تو اس کے گناہوں کی وجہ سے اس کو سزا دے حضرت معاذ کی یہ بات سن کر ایک شخص نے سوال کیا۔

سوال: سائل نے حضرت معاذ سے وضاحت چاہتے ہوئے کہا کہ اسکا مطلب یہ ہوا کہ جیسے شک کی وجہ سے ایمان اور تمام نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں، اسی طرح ایمان لانے کی وجہ سے بندے کے تمام گناہ زائل ہو جاتے ہیں؟

جواب: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دینے کے انداز میں توشیح کرتے ہوئے کہا:

قسم بخدا! میں نے اس آدمی سے زیادہ کچھ دہرا آدمی نہیں دیکھا۔

(۶۷) ابو طلحہؓ نے پوچھا:

اگر کسی شخص سے پوچھا جائے کہ: تو مومن ہے یا نہیں؟ وہ جواب دے کہ میں نہیں جانتا تو اس کے بارے میں کیا کہم ہے؟
اس کا حکم نے:

اچھے شخص کے بارے میں سوال و جواب کے ذریعے بات ابھی طرح واضح کر کے سمجائی ہے، اور فرمایا کہ:

سوال: اس سے پوچھا جائے کہ تیرا یہ کہنا ”میں نہیں جانتا“ عدل کی وجہ سے ہے، یا ظلم کی وجہ سے، یعنی تم یہ عقیدہ رکھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کرتے ہیں اور کسی

پر علم و زیادتی نہیں کرتے پاس کے علاوہ کسی اور بناء پر تم نے یہ کہا ہے؟
جواب: اگر وہ کہے کہ اللہ تعالیٰ کے حمل کے ٹاکل ہونے کی وجہ سے یہ بات کی
ہے۔

سوال: تو اس سے پوچھو کہ جہود دنیا میں اللہ تعالیٰ کا طرحہ حمل ہے؟ کیا آخرت
میں بھی بندوں کے فیصلہ کرنے میں وہی طرحہ حمل ہوگا؟ یا وہیں کوئی اور طریقہ ہو جائے
گا؟

جواب: اگر وہاں میں جواب دے اور کہے کہ اللہ تعالیٰ کا طرحہ حمل و انصاف
دنیا و آخرت میں یکساں ہے۔

سوال: تو اس سے پوچھو کہ: تم (۱) عذاب قبر؛ (۲) منکر و کبر اور (۳) ہر امی
اور بری تقدیر کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے پر ایمان رکھتے ہو یا نہیں؟
جواب: (۱): اگر وہ جواب دے کہ: ہیں، میں ان سب باتوں کے اللہ تعالیٰ کی طرف
سے ہونے پر ایمان رکھتا ہوں۔

امام اعظم نے فرمایا: اس کو سو سن کہیں گے۔
(۲): اور اگر وہ جواب میں بھر سکی کہے کہ ”میں نہیں جانتا“
امام اعظم نے فرمایا کہ: اس کو جواب میں یوں کہو کہ تم جانتے ہو، نہ کیجئے ہو، اور اسی
وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا و آخرت میں تمہاری کامیابی بھی ممکن نہیں ہے؛

باب بست و ہشتم :

جنت اور دوزخ کے بارے میں

(۶۸) ہر مطیع علی نے پوچھا :

جو شخص یہ کہے کہ جنت اور دوزخ اللہ تعالیٰ کی پیدا شدہ مخلوق نہیں بلکہ دائمی اور خود بخود سے ہیں کسی خالق کی تخلیق نہیں ہیں : یا یہ کہے کہ وہ پیدا نہیں ہو چکی ہیں بلکہ قیامت کے دن انکو پیدا کیا جائے گا :

امام اعظم نے فرمایا : اس سے پوچھو کہ جنت اور جہنم تمہارے نزدیک شے کی تعریف میں آتی ہیں یا نہیں ؟

اگر وہ کہے کہ ہاں شے کی تعریف میں تو آتی ہیں ۔

تو اس کو بتادو کہ :

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اللہ خالق کل شیء (المر: ۶۲)

اللہ تعالیٰ ہر شے کے خالق ہیں

(۲) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

انا کل شیء خلقناہ بقدر (التر: ۴۹)

ہم نے ہر شے کو ایک (menu) قدر کے ساتھ تخلیق کیا ہے

اور اس کے علاوہ آگ کی پہلے سے تخلیق شدہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا مندرجہ ذیل

فرمان ہے

(۳) ارشاد رہائی ہے :

اَللّٰهُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا (الماعن ۴۶)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور عذاب صبح و شام آل فرعون پر آگ پیش کی جاتی ہے

(۶۹) ابو مطیع الجلی نے پوچھا:

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جنت اور جہنم کا ہو جائیں گی۔

امام اعظم نے فرمایا:

ان کو جواب دیتے ہوئے ان سے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آخرت کی نعمتوں کے

بارے میں یوں ارشاد فرمایا ہے:

لَا مَقْطُوعَ حَقٍّ وَلَا مَمْنُوعَ (الموعدہ: ۳۳)

وہ نعمتیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں کی وہ نہ تو قطع ہونے والی ہیں اور نہ ہی ان کے

ٹلنے میں کوئی چیز مانع ہوگی۔

سوال: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جنتی جنت میں اور جہنمی جہنم میں داخل ہونے کے

بعد جنت اور دوزخ کا ہو جائیں گی؟

جواب: وہ شخص اپنے اس قول کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے کفر کر رہا ہے، کیونکہ وہ شخص

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کے عذاب کے دائمی ہونے کا انکار کر رہا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے

قرآن کریم میں جنتی لوگوں کے جنت اور جہنمی لوگوں کے جہنم ہونے پر (خالعین) اس کے

دائم ہونے کی قید لگائی ہے مگر یہ شخص جنت اور جہنم کے خلوع و دوام اور اس کی یقینی گاہی کا انکار

کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے کفر کر رہا ہے۔

ابو مطیع فرماتے ہیں کہ:

مجھے امام اعظم نے فرمایا کہ

علم کلام کا مقصد یہ ہے کہ جس سے بات کی جائے اس کو صحیح رہنمائی مہیا کی جائے اس

کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ صاحب کلام کو جواب کر کے ہی کو کا سیلابی سمجھ لیا جائے۔

کیونکہ کسی کو لا جواب کرنا تو مجبور ہوتا ہے اور مجبورہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف انبیاء

کودیا جاتا ہے یہ غیر انبیاء کو نہیں دیا جاتا اور نہ ہی غیر انبیاء کو یہ بات زبیا ہے ایسا طریقہ کلام اختیار کریں جس سے ان کی کلام میں انبیاء و اہل طریقت بن جائے۔

اور جبکہ ہمارے نزدیک جنت اور جہنم موجود ہیں اب اس کے بارے میں کسی کو لا جواب کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے: اور اہم بات یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی جائے تو باقی ساری باتیں وہ خود بخود مان جائے گا

نفسِ حسینہ میں ہے:

حضرت امامِ اعظم نے ارشاد فرمایا:

اسی بناء پر ہم روز قیامت کو (شے) نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہمارے نزدیک بحال وہ موجود نہیں ہے اور نہ ہی اس کو تخلیق کیا جا چکا ہے

جبکہ معزز لوگ کہتے ہیں کہ روز قیامت تخلیق کیا جا چکا ہے اگرچہ زندہ لوگوں پر وہ ظاہر نہیں ہوتا البتہ جب کسی زندہ شخص پر موت واقع ہوتی ہے تو اس کے لئے قیامت ظاہر ہو جاتی ہے۔

ان کی دلیل اس بارے میں یہ ہے:

من مات فقد قامت قیامتہ

جو شخص مر گیا اس کی قیامت واقع ہو گئی

جبکہ ہم یہ کہتے ہیں جس چیز کا اثر زندہ اشخاص پر نہ ہو، اس کا موجود ہونے کا اقرار ہے معنی چیز ہے۔ اس کے جواب میں ہم یوں کہیں گے کہ

پہلی بات یہ کہ اس کے لئے سعادت یا شقاوت کا حال تو قبر میں ظاہر ہوگا کہ جب اس پر قبر کو ٹھک یا کشادہ کر دیا جائیگا مگر اس کا پورا بدلہ ملنے کا وقت ابھی نہیں آیا۔

دوسری بات یہ کہ جب اس کی قبر کو اس کے لئے جنت کا باغ یا جہنم کا گڑھا بنادیا جائے: یا انسان کی روح ایمان یا کفر کے عالم میں نکالی جائے اس سے بھی اس کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ جنتی ہے یا جہنمی ہے۔

اور معتزلہ فرقہ کے لوگوں کو جواب کے طور پر ہم یوں کہیں گے جن معنوں میں تم قیامت کے قیام کو لیتے ہو، وہ تو آسمانوں اور زمینوں میں بکھری ہوئی ہے کسی ایک جگہ محدود نہیں ہے: اگر موجود ہوتی تو کسی نہ کسی جگہ اس کی موجودگی کا پتہ تو چل کر ایسا ہرگز نہیں ہے لہذا یہ کہنا کہ قیامت موجود ہے درست نہیں ہے۔

نوٹ: اب جو چیز وقت کی حدود میں محدود ہو جائے وہ مخلوق ہی ہو سکتی ہے: اور اس کا خالق بھی کوئی نہ کوئی ماننا پڑے گا: وہ حدود غلوہ ایک طرف ہوں جیسے انسان، جنت، دوزخ، ملائکہ، حور، و قطان کیونکہ ان کی زندگی کی ابتداء ہے مگر انتہاء نہیں ہے:

ہر دوسری طرف وہ مخلوقات ہیں کہ ان کی ابتداء بھی ہے اور اس کی انتہاء بھی ہے جیسے حیوانات اور دنیا کی تمام دوسری مخلوقات کیونکہ ان کی دونوں اطراف میں خاکی چار دیواری ہوئی ہے: جبکہ انسان جنت، دوزخ، ملائکہ وغیرہ پر ایک طرف دم ہے دوسری طرف دوام ہے: جیسے ارشاد دہائی ہے:

هل اتي على الانسان حين من الدهر لم يكن شيئا مذكورا
کیا انسان پر ایک ایسا وقت نہیں آیا جس میں وہ اس قابل نہ ہو کہ اس کا تذکرہ بھی کیا جائے: یہی اس کا دم ہے: پھر اس کو وجود ملا: تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

الاعطينا الانسان من نطقه امشاج ليعلمه فجعلناه سميا بصيرا
ہم نے انسان کو نطق کی آمیزش اور لہجہ سے بنایا اور پھر اس کو سمجھ و بصر کے درجہ تک جا پہنچایا۔ اس کے سمجھ اور بصر بتائے جانے کی صفت بتا رہی ہے کہ اب اس پر آئندہ کو دم نہیں آئے گا بلکہ ان کو جو ایک نوع کی زندگی دے دی گئی ہے اب اس کا ایک سلسلہ ہے جو جملہ دوام پر مبنی چل رہا ہے گا البتہ اس کی کیفیت میں تبدیلی آتی رہے گی۔

خلاصہ کلام: یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات کسی نہ کسی طرف میں محدود ہونے کی وجہ سے اس کی مخلوقات کے دمر سے مشاغل ہو جاتی ہیں دوام اور پختگی کسی پر بھی نہیں ہے:

بَابُ بَسْتٍ وَنَعَمٍ:

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا بیان

امام اعظم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کو ہرگز ہرگز مخلوق کی صفات کے ساتھ متصف نہیں کیا جاسکتا۔

اللہ تعالیٰ غصہ ہوتے ہیں: راضی ہوتے ہیں: اور اللہ تعالیٰ کا غضب اس کی طرف سے سزا، اور ان کا راضی ہونا ان کی طرف سے اجر و ثواب کا باعث ہوتا ہے۔

اور ہم اللہ تعالیٰ کی صفات کا تذکرہ اسی طرح کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ بذات خود اپنی صفات کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ:

قُلْ هُوَ الْمَلِكُ ٱلْحَيُّ ٱلْقَيُّوْمُ ٱلَّذِى لَا تَاْخُذُہٗ سِنَةٌ وَّ نَوْمٌ وَّ لَا نَوْمٌ لَّہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَّ مَا فِی ٱلْاَرْضِ ۚ سَیُّدُ ٱلسَّمٰوٰتِ وَّ ٱلْاَرْضِ ۚ سَیُّدُ ٱلْعَرْشِ ۚ ۝۱۰

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرما دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اکیلے ہیں، اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں، نہ اس کی کوئی اولاد ہے بلکہ نہ ہی وہ کسی کی اولاد میں سے ہیں: اور اللہ تعالیٰ کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

وہ سب دائے زندگی ہیں، وہ قدرت کاملہ والے ہیں، وہ کامل سننے والے ہیں، وہ مکمل اولاد کرنے والے، از خود دیکھنے والے ہیں، اور وہ سب کچھ جاننے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اصحاء ہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا ٱلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ٱلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۚ

اس کا ہاتھ سب کے ہاتھ کے اوپر ہے

لیکن اس کا ہاتھ مخلوق کے ہاتھ کی طرح نہیں ہے۔

(۱): اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا ایسا ہاتھ ہے جو من جملہ دیگر اعضاء میں سے ہو؛ بلکہ اللہ تعالیٰ وہ کامل اور مکمل ذات ہیں جو ہاتھوں جتنی سے پاک اور سب ہاتھوں کو پیدا کرنے والے ہیں۔

(۲): اس کا چہرہ ہے لیکن اس کا چہرہ مخلوقات کے چہرے کی طرح نہیں ہے؛ بلکہ وہ ذات چہروں کو پیدا کرنے والی ہے۔

(۳): وہ ذات ایسی ہے جس پر نفس کا اطلاق کیا جاسکتا ہے مگر اس کا نفس مخلوقات کے نفس کی طرح نہیں ہے؛ بلکہ وہ تمام نفسوں کو پیدا کرنے والے ہیں؛

اللہ تعالیٰ ایسی ذات ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (الأنعام: ۱۱)

اس کی مانند ذات اور صفات کے لحاظ سے کوئی ذات نہیں ہے اور اصل میں سننے اور جاننے والی وہی ذات ہے

امام اعظم: اس بات کو سمجھانے کے انداز میں یوں ارشاد فرمایا:

سوال: کیا تو نے کبھی سوچا ہے کہ اگر کوئی شخص تجھ سے پوچھے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کی تخلیق سے پہلے کہاں تھے تو تیرے پاس اس کا جواب کیا ہے؟

جواب: اس کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے کہ مخلوقات کو بنائے اس وقت بھی اللہ تعالیٰ وہیں موجود تھے۔

اور ان کو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ اس وقت بھی تھے جب کہ نام کی کوئی چیز بھی نہ تھی اور جب مخلوقات کسی شے کا نام ہنشان بھی نہ تھا۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَهُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الأنعام: ۱۰۳)

اللہ تعالیٰ وہ ذات ہیں جو ہر چیز کی تخلیق کرنے والے ہیں۔

سوال: اگر کوئی پوچھے کہ کیا اللہ تعالیٰ چاہنے والے ہیں تو انہوں نے اپنی حیثیت کے

ساتھ چاہتا ہے یا شیت کے چاہتا ہے؟

جواب: آپ اس کو یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کے ساتھ چاہتا ہے: اور اللہ تعالیٰ قادر ہے اور اپنی ہی قدرت کے ساتھ ہر چیز پر قادر ہے، اور اللہ تعالیٰ عالم ہے اور وہ اپنے ہی علم کے ساتھ عالم ہے، اور اللہ تعالیٰ مالک ہے اور اپنی ہی ملکیت کے ساتھ مالک ہے:

سوال: اگر پوچھا جائے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے اپنی شیت کے ساتھ چاہتا ہے اور شیت کے ساتھ ہی مقدر رکھنے، اور کیا اس کی شیت اس کے علم کے تابع ہے یا نہیں؟

جواب: آپ اس کو کہہ دو کہ: ہاں اس کی شیت اس کے علم کے تابع ہے۔
کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی شیت کے تابع ہے، اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا يَشَاوُنَ إِلَّا إِنْ يَشَاءَ اللَّهُ

اور تم کچھ نہیں چاہتے مگر اللہ تعالیٰ کی چاہت کے بعد ہی تمہاری چاہت کا اظہار کیا

جاتا ہے۔

باب سیوم:

ایمان کا مستقر کہاں ہے؟

(۷۰) ابو طلحہؓ نے پوچھا: انسانی جسم میں ایمان کی قراگاہ کہاں ہے؟
امام اعظمؒ نے فرمایا: اس کا مکانہ اور اصل قرار کی جگہ دل ہے، جبکہ سارے جسم میں اس کی شاخیں پھیلی ہوئی ہوتی ہیں۔

(۷۱) ابو طلحہؓ نے پوچھا:
اگر کوئی پوچھے کہ کیا تیری ہڈی میں بھی ایمان ہے؟
امام اعظمؒ نے فرمایا: تو کہہ دے کہ ہاں ہڈی میں بھی ایمان ہے۔

(۷۲) ابو طلحہؓ نے پوچھا:
اگر ہڈی کو کاٹ دیا جائے تو ایمان کہاں چلا جاتا ہے؟
امام اعظمؒ نے فرمایا: تو کہہ دے کہ ہڈی کٹ جانے کی صورت میں ایمان دل کی طرف چلا جاتا ہے جس کا اصل مرکز اور مخزن ہے۔

(۷۳) ابو طلحہؓ نے پوچھا:
جب بندہ مر جاتا ہے تو اس کا ایمان روح کے ساتھ جڑا رہتا ہے یا جسم کے ساتھ جڑا رہتا ہے؟

امام اعظمؒ نے فرمایا: ہم کہیں گے ایمان دونوں میں سے کسی کے ساتھ بھی نہیں ہوتا؛ بلکہ ایسے حال میں ہوتا ہے کہ جس سے بندے میں ایمان کی اہلیت ہو کر مؤمن کہلاتا ہے اور وہی طریقہ جس سے وہ زندقہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا؛ اسی طریقہ سے مرنے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کے کمال ہو سکے؛ اس طریقہ ایمان اس کے ساتھ جڑا رہتا ہے۔

نوٹ: جس طرح موت کے بعد اللہ تعالیٰ نے بندے کے جسم کے لئے زمین بتائی اور حکم دیا گیا کہ اس کو جلد از جلد زمین میں دفن دیا جائے اسی طرح اس میں موجود نفس بھی اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہوا ہوتا ہے اور اس طرح روح بھی اپنے عالم ارواح کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے لیکن یہ تینوں چیزیں ایسے حال میں نہیں ہوتیں کہ دوسرے حال سے مکمل طور پر منقطع ہو جائیں بلکہ سب ایک دوسرے کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے متعلق ہرگز نہیں ہوتے بلکہ جسم کو اذیت دئے جانے پر روح اور نفس کو اذیت پہنچتی ہے اسی طرح روح کو اذیت دئے جانے پر جسم اور نفس کو اذیت پہنچتی ہے اور اسی طرح نفس کو اذیت دئے جانے پر جسم اور روح کو بھی اذیت پہنچتی ہے اسی لئے میت کو خوشبو لگانے اور پاکیزہ کر کے دفن کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور میت کے قریب میت کو تلقین کے لئے اچھے کلمات کی تلقین فرمائی گئی۔

باب سی ویکم:

اللہ تعالیٰ پر بندوں کا اور بندوں پر اللہ تعالیٰ کا حق

(۷۴) ابو مطیع مٹلی نے پوچھا:

کیا اللہ تعالیٰ دنیا کی اس ذمگی میں بندوں سے کسی چیز اہل کاسطہ پر کرتے ہیں؟
امام اعظم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے دنیا کی اس ذمگی میں کسی چیز یا کسی
خاص اہل کاسطہ پر نہیں کرتے۔

(۷۵) ابو مطیع مٹلی نے پوچھا:

اچھا تو اللہ تعالیٰ کا دنیا کی اس ذمگی میں بندوں پر کیا حق ہے؟
امام اعظم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ حق ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں
اور کسی کو اس کا شریک و سا جھے و اور نہ ٹھہرائیں، اور جب بندے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے
لئے یہ کام کر لیں تو اس پر حق ہے کہ وہ ان بندوں کی آخرت میں مغفرت کرے اور دنیا کی
ذمگی میں ان کو راجح پر ثابت قدم رکھے۔

اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ راضی بھی ہوتے ہیں:

جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يَبَايَعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (فتح: ۱۸)

اللہ تعالیٰ مومنوں کے ساتھ اسی وقت راضی ہو گئے تھے جب وہ ایک خاص درخت

کے نیچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر رہے تھے، جس کو بیت دضوان کہا جاتا ہے۔

جس طرح اللہ تعالیٰ بندوں سے راضی ہوتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ بندوں سے

ہمراض بھی ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی صرف کفار کے ساتھ خاص ہے اور کفار سے

ناراضگی کا مطلب یہ ہے کہ ابن کو آخرت میں عذاب دیا جائیگا اور مومنوں سے اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ابن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین حق پر ثابت قدم رکھا جائے اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے راضی ہیں جبکہ انھیں سے ناراض ہیں۔

(۷۶) ابو مطیع الجلی نے پوچھا:

تو محمد اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہوگا جس میں ارشاد ہاری تعالیٰ ہے:

اعملوا ما احسنتم انہ بما تعملون بصیر (فصلت: ۴۰)

تم جو چاہو عمل کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں سمیت دیکھ رہے ہیں امام اعظم نے فرمایا: اصل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم بطور وعید یا ڈرانے کے لئے دیا جا رہا ہے

(۷۷) ابو مطیع الجلی نے پوچھا:

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مطلب کیا ہے:

ولعنی ذنک ان لا تعقلوا الا انہما (ہود: ۲۳)

اللہ نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ اس کے علاوہ کسی کی مہادت نہ کیا کرو امام اعظم نے فرمایا: اصل میں اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قضاء و قدر اور ہر قسم کا فیصلہ کرنے والی ذات ہے

(۷۸) ابو مطیع الجلی نے پوچھا:

اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا مطلب ہے جس میں فرمایا:

واقالعود لھلھنا ہم (فصلت: ۱۷)

ہم نے تو قوم شہود کو ہدایت دے دی تھی

امام اعظم نے فرمایا: اصل میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے راہ راست پر چلنے کے لئے ان کی آنکھیں تو کھول دیں تھیں اور سیدھا راستہ ان کے لئے ظاہر کر دیا تھا۔

سوال: اور اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل قول کا کیا مطلب ہے:

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ (التکویف: ۲۹)

جو شخص چاہے ایمان لائے اور جو شخص چاہے کفر کا راستہ اختیار کر لے

امام اعظم نے فرمایا: اصل میں اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تہدید یا

وعید کے الفاظ ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی شان و عظمت کی نشان دہی فرما رہے ہیں۔

سوال: اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کیا مطلب ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (المذہبیات: ۵۲)

ہم نے جنوں اور انسانوں میں سے ہر ایک کو (عبادت) دے دیے ہوئے پروگرام کے

مطابق زندگی گزارنے کے لئے پیدا کیا ہے؟

امام اعظم نے فرمایا: اصل میں یہاں عبادت سے مراد یہ ہے کہ وہ تمام اقسام کے شرک

چھوڑ کر تو حیدر پائی کے قائل ہو جائیں۔

نوٹ: ابتدائی طور پر بیعت کی پانچ اقسام ہیں:

(۱) بیعت برکت: اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی بزرگ ہستی ملے تو اس سے اپنا

روحانی تعلق جوڑنے کے لئے بیعت کی جائے اس بیعت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان

روحانی طور پر ان کی صحبت سے فائدہ اٹھائے اور اپنا روحانی تعلق ان سے قائم رکھے:

(۲) بیعت خلافت: اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص امیر المؤمنین بنے گا جو

کے تو اس کی بیعت کرنا؛ جو آجکل ووٹ کا روپ اختیار کر گیا ہے: فرق صرف اتنا ہوتا

ہے کہ ووٹ میں ۵۱ فیصد والا سربراہ ہوتا ہے؛ جبکہ اسلامی نظام خلافت میں سولہ صد شخص

بیعت کرتے ہیں اور اگر کوئی شخص بلا مذہبی بیعت نہیں کرتا تو وہ باقی سمجھا جاتا ہے

اور امام شاہ ولی اللہ کے بقول خلافت شریعت میں سے کسی ایک طریقہ سے

منعقد ہو جاتی ہے (۱) مسلمانوں کا جماع ملکر اس کو خلیفہ ماحرود کر لے (۲) سابقہ خلیفہ اپنے

بعد کسی کو خلیفہ ماحرود کر دے۔ (۳) کوئی مسلمان بزرگ یا کسی علاقہ میں قبضہ کر کے خلیفہ

فقہ اکبر وابط ————— ۴۰۴

اسلمین ہونے کا دعویٰ کر دے: اور ان صورتوں میں لوگ اس کو خلیفہ المسلمین کے طور پر تسلیم کر لیں۔

(۳) بیعت توپ: اگر انسان سے گناہ سرزد ہو جائیں تو ان سے توپ کا ایک طریقہ جس کے لئے کسی نیک ہستی سے بیعت توپ کیا جاتی ہے۔

(۴) بیعت طریقت: اصل میں کسی بھی سلسلہ تصوف میں روحانی افکار کرتے ہوئے اپنی روحانی ترقی کرنے کے لئے جو ضابطہ ہے وہ بیعت طریقت سے شروع ہو جاتا ہے۔

(۵) بیعت احکامات: جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکامات کے نزول پر صحابہ کرام سے ان احکامات کے ماننے اور اطاعت کرنے پر بیعت لی جاتی کہ ان احکامات کو ماننے رہیں گے اور اس سے انحراف نہیں کریں گے۔ مگر یہ بیعت کا طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد منقطع ہو گیا ہے۔

باب سی و دوم:

سب کچھ مشیت اور خدا کی مرضی سے ہوتا ہے

دنیا کا ہر کام یا چیز اللہ تعالیٰ کی مرضی، اس کی مشیت، اور اسی کی رضا، اور اسی کی تقدیر کے مقدر کرنے سے معرض وجود میں آتی ہیں، اور اس چیز کی اچھائی اور برائی۔ اس کا شیریں اور تلخ ہونا اور اس کا نفع یا نقصان وہ ہوتا: اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی مشیت اور اس کی اجازت اور اس کی راہنمائی سے پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔

ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور لائن کی لازمی شمولیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

(۱) ارشادِ باری ہے:

وَلَوْ أَنَّا نَزَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ لَّخَفُوا حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْحُكْمُ وَأَنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ أَلَمْ يَرْحَمْنَا وَلَمْ نَمُوتْ لَهُمْ أَلَمْ يُرْسِلْنَا الرِّسَالَاتِ بَلَدًا وَلَمْ نَكُنْ لَهُم مِّنْ قَبْلِ هَٰذَا نَذِيرًا ۚ بَلْ كَانُوا قَوْمًا شَاكِرِينَ (الأنعام: ۱۱۳)

اور اگر ہم نے ان کی طرف فرشتے نازل کئے ہوتے یا ان کے ساتھ مزدے ہم کلام ہوتے: اور ان کے سامنے ہر چیز کو ہم دوبارہ زندہ کر کے جمع کر لیں، تو بھی ان میں سے کوئی شخص ایمان نہ لائے، سوائے وہ شخص جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی چاہت ہو کہ وہ ایمان لے آئیں۔

(۲) دوسری جگہ ارشادِ باری ہے:

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآتَيْنَا مِن لَّدُنِّي الْأَرْضَ كُلَّهَا جَنَاحًا يَّوْمَ الْبَاسِ ۚ فَكَفَىٰ لَكَ حُجَّتُكَ إِن كُنْتَ بِذِكْرِ الْأَشْيَاءِ مُتَّقِيًا (الناس: ۶۶)

اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو زمین پر آباد سارے لوگ ایمان لے آتے کیا جب تک سارے لوگ ایمان نہ لائیں، تو آپ ان سب کو ناپسند کرتے رہیں گے۔ ہر کام کے پایہ تکمیل تک پہنچنے کے لئے اذن (اجازت) خداوندی کے لازمی عنصر کا تذکرہ کرتے ہوئے۔

(۳) اللہ تعالیٰ کا ارشاد کرامی ہے:

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَقُولَ مِنَ الْإِبْرَاهِيمَ اللَّهُ (نہس: ۱۰۰)

اور کسی جان کو یہ بات زبانی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اذن (اجازت) کے بغیر ایمان لے آئے اللہ تعالیٰ کی حیثیت کی اہمیت بیان کرنے کے لئے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَ النَّفْسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۚ وَالْغَالِظُونَ مُخْطَلِفِينَ الْأَمْنِ

رَحْمَ رَبِّكَ وَلِلذَلِكَ خَلْقَهُمْ (حود: ۸۸)

اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمام لوگوں کو ایک جماعت بنا دیتے مگر یہ آپس میں ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے سوائے ان کے جن پر اللہ تعالیٰ رحم اور مہربان کرے، وہی رہے راست پر آئے گا۔

اور (رحم کے معنی اللہ تعالیٰ کی حیثیت کے ہیں) اور اسی مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اپنی حیثیت اور اپنی رضا سے پیدا کیا ہے بلکہ ہر ایک کو ہدایت اور گمراہی بھی اللہ کی حیثیت سے ملتی ہے۔

ہدایت اور گمراہی کا منبع بھی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور جس کسی کو ہدایت ملتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور جس کسی کو گمراہی ملتی ہے وہ بھی اسی ذات باری تعالیٰ کی طرف سے اسی لئے

(۵) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

إِنْ أَغْبَدُوا اللَّهَ وَاجْتَبَوْا الطَّاهِرَاتِ لِيُنْهَضُوا مِنْ هُدَى اللَّهِ وَمِنْهُمْ مَنْ

حَقِّتْ عَلَيْهِ الْخَلَائِقَ (المحل: ۳۲)

یہ کہ تم سب صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اور ہر باطل، اور طاغوت سے دوری اختیار کرو، ماسی پر عمل کرنے کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو ہدایت دے دی ہے، اور اس کے مطابق عمل نہ کرنے کی بنا پر بعض لوگوں کے مقدر میں گمراہی لازم کی جا چکی ہے۔

حیثیت کے تمام مدارج صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو سزاوار ہیں۔

(۶) ایک مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَعْلُومُونَ الْاِيَانَ تَشَاءُ اللَّهُ (المحرر: ۳۹)

اور تم کچھ نہیں چاہ سکتے، سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ کی چاہش کے موافق ہوتا ہے

یعنی اسی کے حیثیت اور مقدر کرنے سے کام بننے یا گزرتے ہیں

(۷) اسی طرح قرآن کریم میں قوم حضرت شعیب علیہ السلام کا تذکرہ کرتے

ہوئے، اور ان پر بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی حیثیت کے غلبہ کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

قُلِ الْقَسْبَ إِنَّا عَلَى اللَّهِ كَالْبَهْمَاءِ الْمُتَعَلِّمَاتِ أَنْ غَدَا لِي مَلْعُوكُمْ بَعْدَ إِذْ نَجَّيْنَا اللَّهَ

مِنْهَا وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ تَشَاءَ اللَّهُ وَتَنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ

شَيْءٍ عِلْمًا (الاحزاب: ۵۸)

بے شک ہم نے اللہ تعالیٰ پر بلا وجہ جھوٹا بہانہ باوجود حقائق، تاکہ ہم باوجود آپ کو اللہ

تعالیٰ کی طرف سے نجات کا پروانہ مل جانے کے بعد اپنے ساتھ ملت و مذہب کی طرف لوٹ

دیں، اور یہ بات اللہ تعالیٰ کی حیثیت کے بغیر ہمارے بس میں نہیں کہ ہم اپنے ساتھ ملت یا

مذہب پر لوٹ جائیں، کیونکہ وہی ہمارا پروردگار ہے: اور ہمارا پروردگار ہر چیز پر اپنی وسعتِ علم

کے ذریعے حاوی ہے۔

مذکورہ آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہر جسم کی نجات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ

کی طرف سے اسی کی کامل حیثیت کے بعد ہی میسر آ سکتی ہے

(۸) حضرت لوح علیہ السلام کی زبان یہ پیغام انسانوں کو دیتے ہوئے کہ کسی کو کوئی

صحت کام نہیں آسکتی سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ اس کے شامل حال ہو جائے۔
ارشاد باری ہے:

وَلَا يُلَاقِيكُمْ نَفْسِي اِنْ اُرِدْتُ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيدُ اَنْ
يُهَوِّمَكُمْ هُوَ رَازِكُمْ وَلِلّٰهِ تَرْجِعُونَ (صود ۳۳)

میری صحت کا تم لوگوں پر نہ کوئی اثر ہے اور نہ فائدہ مگر چہ میرا مقصد تمہاری اصلاح
کرنے کا تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری گمراہی کا فیصلہ ہو چکا ہو تو کسی تاسع کی
کوئی شخص تمہاری اصلاح احوال میں کام نہیں آسکتی کیونکہ وہ تمہارا پروردگار ہے اور اسی کی
طرف تم سب نے لوٹ جانا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گمراہی کا ارادہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، تو
بندے کو گمراہ ہوتے ہیں۔

(۹) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو آزمانے کا طریقہ بھی دنیا کی اس زندگی میں
جاری کیا ہوا ہے، وہ جس کو چاہتا ہے اور جس طریقے سے چاہتا ہے آزمائش میں مبتلا کر دیتا
ہے، اسی لئے ارشاد باری ہے:

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَالْقَيْنَ عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَلَمَّا (ص ۳۳)
ہم نے سلیمان کو اس طریقے سے آزمایا، کہ اس کی کرسی کے سامنے کسی سے ایک مردہ
جسم لاکر لٹوا دیا، پھر اس کو صحیح مسئلہ حل کرنے کی راہ دکھائی۔
گویا اس آیت میں سلیمان علیہ السلام کو آزمائش میں مبتلا کئے جانے کا مصل اللہ تعالیٰ
نے اپنی جانب منسوب کیا ہے۔

(۱۰) قرآن کریم کے ایک اور مقام پر انسانوں کو ہدایت اور درست عمل کی راہنمائی کو
اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے ارشاد
باری یوں جاری ہوا:

وَلَقَدْ هَمَمْتُ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّاہِیْ یُرٰی اَنْ یَّکْفِلَکَ اِنْصَرَفْ

فقہ اکبر و اہل ————— ۴۰۹

عنه السوا والصحشاء (ہدف ۳۳)

واقعی زلیخا نے تو یوسف کے بارے میں برائی کا رنودہ کر لیا تھا۔ اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح راہنمائی نہ دیکھے لیتے تو ہو سکتا ہے یوسف کا میلان لودر ہو جاتا۔ اسے طریقوں سے ہم ان سے برائی اور گناہ اور ہر عیب اور ہڈی کو دور کرتے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندے تو اپنی کزوریوں کی وجہ سے گناہوں میں جلا ہو جاتے ہیں۔ یا شیطان ان کو اٹنے راستوں میں لگا دیتا ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو درست ہدایت اور راہنمائی ملتی ہے تو وہ سیدھے صراط پر چلنے لگتے ہیں۔

باب سی و سوم:

اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں عادل اور حکیم ہیں

(۷۹) ابو مطیع غلی نے پوچھا:

کیا اللہ تعالیٰ اپنے افعال کی تخلیق میں عادل اور حکیم ہیں یا نہیں؟
امام اعظم نے فرمایا: ہاں اللہ تعالیٰ اپنے تمام کاموں میں عادل اور حکیم ہیں۔

(۸۰) ابو مطیع غلی نے پوچھا:

کیا اللہ تعالیٰ نے ہی کسی شخص کو اندھا، کسی کو کھڑا، اور کسی کو مالدار، اور کسی کو فقیر، کسی کو صل کی نعمت سے مالا مال، اور کسی کو بے خوف پیدا کیا ہے؟

امام اعظم نے فرمایا: جی ہاں ان سب کو اللہ تعالیٰ نے ہی ایسا پیدا کیا ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پر زیادہ اور کسی پر کم مہربانی کی وجہ سے ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں ہے کہ وہ ایک شخص کو کوئی نعمت دے، اور دوسرے کو وہ نعمت نہ دے،
امام اعظم نے:

ایک مثال کے ذریعے بات واضح کرتے ہوئے کہا کہ

ساری مخلوقات اللہ تعالیٰ کے سامنے ایسی ہیں جیسے کسی کے غلام ہوں اور ان کا مالک اپنی مرضی میں آزاد ہوتا ہے، وہ چاہے تو ایک غلام کو کوئی خیر دے، اور دوسرے کو کچھ بھی نہ دے، اس کی حیثیت اور مرضی پر کوئی غالب نہیں آ سکتا

نوٹ: اس مقام پر علامہ زاد کوثری نے ایک بہت قیمتی حاشیہ لکھا وہ فرماتے ہیں کہ اس آخری باب میں مقول عبارت اگرچہ نسخہ سعید یہ میں مقول تو ہے لیکن اس کے بارے میں عادل اس لحاظ سے مطمئن نہیں کہ یہ بھی فقہ اہل کی عبارات ہوں کیونکہ اس میں مسئلہ

تقدیر کے رازوں سے بحث کرنے کی کوشش کی گئی جبکہ یہ مسئلہ اہل ایمان میں سے کسی کو اس بات کے بارے میں غور و خوض کی شریعت میں اجازت نہیں دی گئی لایاح لاحد من البہر اس کے بعد ایک عبارت نقل فرمائی ہے کہ یوسف بن ابان نے لیث بن خزیمہ سے انہوں نے قتادہ سے انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ اگر کسی آدمی کو اللہ تعالیٰ چالیس دلوں میں کسی آزمائش میں جلائے فرمائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایسے بندے کی کوئی پروا نہ ہوگی۔ اور مقاتل بن سلیمان نے کہا کہ ایمان کی اصل وہ ہے جو قرآن کریم میں ارشاد ہوئی ہے کہ

”ولكن البر من آمن بالله“ اى بصدق الوحید ”والیوم الآخر

والملائکة والکتاب“ ۳۳۱ ذلک کلمہ حق اور یقین نیک یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، یعنی اس اللہ تعالیٰ کی توحید کا صدق دل سے اقرار کرے، اور آخرت کے دن پر، اور ملائکہ پر اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابوں پر اور اس کے تمام انبیاء پر ایمان لائے، یعنی اس بات کا اقرار کرے کہ یہ ساری باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق اور سچ ہیں۔

لیکن اس عبارت کے بارے میں شیخ کوثری فرماتے ہیں کہ مالک نے جو نسخے پر یہ بات زیادہ کی ہے اس عبارت کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ اس کی اپنی طرف سے لکھا ہوا ایک فائدہ محسوس ہوتا ہے جو اس نے بذات خود تحریر کیا ہے۔

اور ہمارے اس رائے کو قائم کرنی کی سند حجتہ یل و جہات ہیں :
اول یہ کہ سند کے لحاظ سے یہ بات شاہ مطہر سے ۴۰۰ بت ہوئی ہے اور نہ ہی امام ابوحنیفہ سے ثابت ہوئی ہے۔

دوم یہ کہ اس میں مہمل افراد کا تذکرہ ہے۔

فقہ اکبر وابط ————— ۴۲

مہم یہ کہ قنادہ نے اصحاب راشدین میں سے کسی کو بھی نہیں پایا ہے اور متاعل وہ شخص ہے جس سے اس قسم کی ماسماہ صظم کی کتاب میں کوئی بات بھی روایت نہیں کی گئی۔

آخری یہ کہ یہ بات ہمیں اصل نسخے میں بعد میں (مدج) گھسیڑی گئی معلوم ہو ہے، اور اصل کتاب میں سے معلوم نہیں ہوتی۔

لہذا اس قسم کی باتوں کے تسلیم یا رد کرنے میں ہم اصول پر ہی احوال کر سکتے ہیں۔

بحمد اللہ عز وجل لدنم القفہ الاوسط المعروف بالقفہ الاکبر
بروایۃ بلخی

.....کتابیات.....

ابو محمد امام ابو ہریرہ دارالعلوم دہلی قادریہ ابو حنیفہ اہلسنن
 دہلی طبعان کاؤچی دہلی دہلی ہجرت
 اردو ہر دو حق کیر مکتبی رشید احمد اعظمی
 درمختار شہدوں علی اللہ محمد سرور سندھ ساگر
 اسلامی اصول تعلیم اردو مکتبی رشید احمد اعظمی
 اشارات الہام من جہارت الامام کمال اللہ بن محمد ابوبیاضی مصطفیٰ الہابی اہل مصر
 اشارات الہام من جہارت الامام کمال اللہ بن محمد ابوبیاضی دوم علی کاشن کرچی
 اصول اللہ بن محمد علی حنیفہ محمد عبدالرحمن اہلسنن دارالعلوم الرشیدیہ
 اعلام السنن فقہ احمد حنفی دارالافتراق کرچی
 الفقہ ابن خلدون حنیفہ بخاری دارالافتراق اسلامہ
 اجماع ابیرحمان ہندو بخاری کتب خانہ شہیدہ لوہنڈی
 امام ابو حنیفہ ظاہر منصور علی ابو ہریرہ حقیقت اسلامی اسلام آباد
 امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی مناظر احسن گیلانی مکتبہ طیل لاہور
 امام عظیم ابو حنیفہ عزیز الرحمن مکتبہ رحمانیہ لاہور
 امام عظیم ابو حنیفہ حدیث محمد علی کاظمی لاہور دارالعلوم شاہجہانپور
 امام عظیم کی علم کلام میں خدمات اردو مکتبی رشید احمد اعظمی
 الاشواق ابن محمد ابیر
 الانعام فی سیرۃ الامام عربی مکتبی رشید احمد اعظمی
 بلوغ الارب محمد شہری آکوی اردو سائنس بورڈ لاہور
 تاریخ بغداد ابو بکر علی خلیفہ اللہ لوی خانگی قاصرہ
 میرض اصحیہ جلال اللہ بن محمد علی مکتبہ طیل لاہور

تفہیم مقدمہ سائنس لکھنؤ دارالمطبعات فیروز سنز لاہور
 تفسیر حقانی عہد الحق دہلوی المصطلح اردو بازار لاہور
 تفسیر معارف القرآن مفتی محمد رفیع المعارف کراچی
 جواہر الہدیان ترجمہ خیرات الحسنان مظہر الدین بہاری مالا خلاصہ پانچیل ترکی
 حدائق المجلد فقیر محمد جمالی السیر ان لاہور
 حیات حضرت امام اعظم محمد امجد علی خان مکتبہ اشاعت اسلام جامعہ عربیہ لاہور
 الخیرات الحسنان ملکن محمد کی عہد الحق طارق مکتبہ مکیہ لاہور
 درود و سلام، حاضر حاضر محمد جعفر نیا، القادری جامعہ محمدیہ پتہ ریہ شاہد دہلاہور
 رسالہ ابی حلیہ عثمان الحقی الرحیم اکیڈمی کراچی
 سنن الترمذی محمد بن یحیی الترمذی دار الفکر بیروت
 سیر اعلام النبلاء مطبوعہ بیروت دار الفکر بیروت
 شان امام اعظم ابو الحسن زید قادری اسلامی کتب خانہ سائیکوٹ
 شرح الحجج الخیر محمد الشہید دار المکتبہ المطبعہ بیروت
 شرح الجامع الکبیر لکھنؤی ادارۃ القرآن کراچی
 شرح الخلاء فی حقیدہ السلسلۃ ابو الحسن علی السلسلۃ السلسلۃ، المکتبۃ المکتبۃ
 شرح حقانہ نسلی، خیالی علامہ نسلی در سعادت ترکیہ
 شرح فقہ اکبر علی قاری قدیمی کتب خانہ کراچی
 شرح فقہ اکبر محمد بن محمود سرحدی الرحیم اکیڈمی کراچی
 شرح فقہ الامام: عربی شیخ ماترہی مفتی رشید احمد عطوی
 شرح فقہ اکبر محمد مفتی کیسودر نذیری پریس پریس پریس
 شرح فقہ الامام: اردو مفتی رشید احمد عطوی
 شرح کتاب الامام ابوالموہبہ مالا حقانی جدیداً ہادوکن
 الشرح المہیر للفقہ اکبر محمد عبد الرحمن الخیر دہلاہور دار السلام بیروت
 الفقہاء عن ابوی المصطفیٰ اردو مفتی رشید احمد عطوی

الاسانید امامی علی حقیقہ کرامت اور کثرتی انکسبتہ الامارۃ و مکررہ
مجموع النوی احمدی حبیبتہ المعارف دارالکتاب و المطبع
مجموعہ الامارۃ کبر شیعہ مطبوعی کتبہ المعارف مطبوعہ کرام
معارف المعارف محمد بن علی بکر لاری مؤسسہ علوم القرآن و حدیث
دارالکتاب کتبہ کرام

الحمد لله الذي جعل في كتابه من كل شيء
 حكمة لمن يتفكر في آياته وما تراث من حركات
 مقامه في حقيقته من رفعة العرش والجلالة والكرامات
 ملكة الامام علي عليه السلام في القرآن الكريم
 من ازال السائر من عهده من اعدائهم
 من قبل طاعة ابي بكر

مناقب علامہ کردی و دارالحدیث المصنوعہ جلد اول
مناقب علامہ اعلیٰ دارالحدیث المصنوعہ جلد دوم
مطبوعات المکتبۃ العلمیۃ بیروت
مدینۃ المنصورہ جرد تحقیق مطبوعہ رشیدیہ مطبوعی
المصنوعہ المشرقیۃ عاشق الہی، عبدالغنی طاروق مکتبۃ مدنیہ لاہور
مکتبۃ النظام عبدالاحد یعقوبی تحت اشرف حکمت یار
مہر انور شرح فقہ اکبر وکیل احمد بلذہری
المہر اس شرح علامہ عبدالصمد فرہادی مکتبۃ احادیث بلقان

نور الحق علی محمد سلیمان اعلیٰ مکتبہ اخصاص ترکہ
 نظم المدد راجی جید اخصاص طوی، جلیقہ ہر سنی مجلس اعلیٰ کراچی
 نور الحقین محمد علی غریب یک سالہ دور

بدیع الحیرہ ان فی جواب القرآن عہد الحکومت ریزی ادارہ تالیفات مشرقیہ
 غلظہ کے مساکن قاضی قیصر اسلام آباد و سائنس بورڈ اسلام آباد
 تاریخ غلظہ بدیع قاضی قیصر اسلام آباد

AF-997

